سلسلہ مطبوعات صوفی نمبر ۶۰

مسئلۂ شرقیہ

یعنی

علامہ مصطفٰے کمال پاشا کی کتاب "المسئلہ الشرقیہ" کا اردو ترجمہ

مترجمہ

مولنا نیاز محمد خاں صاحب نیاز فتحپوری

جس کو باخذ حقوق دوامی

ملک محمد الدین صاحب ایڈیٹر صوفی منیجنگ ڈائرکٹر نے

صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ

پنڈی بہاؤالدین کیلئے

جمیل برقی پریس لاہور میں باہتمام منشی محمد لطیف صاحب پرنٹر چھپوا کر شائع کیا

بار اول

قیمت دو روپے (عہ)

صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤالدین پنجاب

ڈائرکٹر صاحبان

(۱) ڈاکٹر شیخ محمد عالم صاحب بی-اے (آکسن) ایل-ایل-ڈی بیرسٹرایٹ لار لاہور
(۲) شیخ محمد ممتاز صاحب فاروقی بیرسٹرایٹ لار گجرات
(۳) سردار محمد عبداللہ خاں صاحب افسر خزانہ بغداد شریف عراق
(۴) رحمت اللہ خاں صاحب پریزیڈنٹ مسلم ایسوسی ایشن آف امریکہ کیلی فورنیا
(۵) ملک محمد الدین صاحب ایڈیٹر رسالہ صوفی پنڈی بہاؤالدین مینجنگ ڈائرکٹر

کتاب اور دیگر کئی نادر بیش قیمت کتابیں صوفی پرنٹنگ کمپنی کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہیں اس کے اراکین جنہوں نے پچیس یا زیادہ حصے خریدے حسب ذیل اصحاب ہیں:-

(۱) حضرت سجادہ نشین صاحب جلالپور شریف (۲) بابو دیال داس صاحب بکیھجہ ہیڈ کلارک سپلائی و ٹرانسپورٹ بوشہر ایران ساکن کی مروت ضلع بنوں (۳) کپتان جمال الدین صاحب آئی-ایم-ایس آگرہ (۴) جمعدار عطا محمد صاحب ساکن بھور چھال ۱/۴۲ فرانٹیر فورس علیپور (۵) ایم-ایم اسلم خان صاحب پٹرس ہوس کالج کیمبرج (۶) ملک فیروز خان صاحب پنجاب پولیس گجرات (۷) چوہدری عالم دین صاحب آف سہنہ انسپکٹر ڈاکخانجات لورالائی (۸) جناب شیخ محمد ممتاز صاحب فاروقی بیرسٹرایٹ لا گجرات (۹) ڈاکٹر شیخ محمد عالم صاحب بیرسٹرایٹ لا لاہور (۱۰) شیخ محمد جمیل صاحب اوورسیئر کنووکیشن جی-آئی-پی- ریلوے (۱۱) رحمت اللہ خانصاحب پریزیڈنٹ مسلم ایسوسی ایشن آف امریکہ (۱۲) ایک خاتون معرفت ایڈیٹر صاحب صوفی (۱۳) ملک محمد اکرم خانصاحب زمیندار پنڈی بہاؤالدین (۱۴) بابو معراج دین صاحب کلارک لوکو سپرنٹنڈنٹ آفس لوگینڈا ریلوے کلینڈائن ممباسہ (۱۵) پسران ملک محمد الدین ایڈیٹر صوفی مشترک نام سے (۱۶) محمد عبدالستار صاحب جنرل مرچنٹ الراخ (۱۷) ڈاکٹر عبدالواحد صاحب پولر ڈسپینسری سرینگر کشمیر (۱۸) باغ دین صاحب یونائیٹڈ سٹیٹ امریکہ (۱۹) نورالدین صاحب براڈرک امریکہ (۲۰) فوجدار خانصاحب براڈرک امریکہ (۲۱) ملک محمد الدین صاحب ایڈیٹر صوفی (۲۲) پیر بخش و الٰہی فیض محمد صاحب براڈرک یونائیٹڈ سٹیٹ امریکہ (۲۳) سردار محمد عبداللہ خانصاحب بہادر لوکل آڈیٹر آفیسر آف اکونٹس بصرہ (۲۴) مولانا محمد محی الدین صاحب ریٹائرڈ چیف جسٹس ہائیکورٹ دکن

مسئلہ شرقیہ

یعنے

مصطفٰی کامل پاشا کی المسئلۃ الشرقیہ کا ترجمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

دنیا نے دیکھ لیا کہ دولت علیۂ عثمانیہ کو یونان کی لڑائی میں کیسی زبردست فتح اور نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ دوست اور دشمن، سبکو اُس کی زندگی اور صحت قوی کا حال معلوم ہو گیا، اور اسے دیکھکر احبّاء کے دل مسرور و شادماں، اور خصوم و اعداء کے جگر کباب ہو گئے۔ میرے بعض دوستوں نے جو میری عاجز ہستی سے حسن ظن رکھتے ہیں، جنگ ختم ہونے کے بعد مجھ کو مجبور کیا کہ اس جنگ کی تاریخ لکھوں میں نے اُن کی اس درخواست کو قبول کیا، نہ اسلئے کہ اپنے آپ کو اس کام کا اہل سمجھتا تھا، بلکہ صرف اس مسرت کی بناء پر جو دولت علیہ کی فتحمندی سے مجھے حاصل ہوئی ہے۔ مگر میں نے بہتر سمجھا کہ جنگ کی تاریخ پیش کرنے سے پہلے قارئین کرام کے سامنے مسئلہ شرقیہ کا کچھ مختصر حال بیان کر دوں۔ جو اہل مشرق اور مغرب کے لئے ایک عرصہ سے جالب توجہات ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ عذر کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ وقت کم ہونے کی وجہ سے میں نے مسئلہ شرقیہ کا بیان مجبوراً مختصر کر دیا ہے۔ اور امید کرتا ہوں کہ کسی فرصت کے وقت اسے تفصیل و تشریح کے ساتھ پیش کر سکوں گا!

فاطر السمٰوات والارض سے خلوص قلب کے ساتھ دعا کرتا ہوں کہ دولت علیہ کو قوت ابدیہ و نصرت سرمدیہ عطا فرمائے، تاکہ اُس کی بدولت عثمانی قوم اور تمام مسلمانوں کو رفعت و سربلندی حاصل ہو، دولت عثمانیہ کے تخت پر سلطنت اور اسلام کے حامی و مددگار اعلیحضرت سلطان اعظم خلیفۂ اکبر غازی عبد الحمید خاں ثانی کو قائم دائم رکھے، اور مصر کی امارت پر جلالت السلطان کے زیر سایہ حضرت خدیو عباس حلمی پاشا ثانی کو قیام و دوام عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

مصر۔ شعبان سنہ ۱۳۱۵ جنوری سنہ ۱۸۹۸

مصطفٰے کامل

المسئلۃ الشرقیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

تمام مصنفین اور ارباب سیاست اس امر پر متفق ہیں، کہ مسئلہ شرقیہ دراصل اس مستقل نزاع کا مسئلہ ہے، جو دولت علیہ اور دول یورپ کے درمیان، اس کے ماتحت ممالک کے بارہ میں قائم ہے، گویا بالفاظ دیگر یہ مسئلہ خود دولت علیہ کے یورپ میں بقاو وجود کا مسئلہ ہے۔ مشرق و مغرب کے بعض دوسرے مصنفین نے یہ بھی کہا ہے کہ مسئلہ شرقیہ حقیقتاً نصرانیۃ اور اسلام کی نزاع مستمر کا مسئلہ ہے یعنی اُن صلیبی لڑائیوں کا مسئلہ ہے، جو صدیوں سے دول مسیحی اور اسلام کی حمایت کرنیوالی سلطنت کے درمیان ہوتی چلی آرہی ہیں۔ مگر یہ تعریف کلیتاً صحیح نہیں ہے، اگرچہ اس میں کسی قدر حقیقت ضرور ہے؛ کیونکہ جو سلطنتیں دولت علیہ سے جھگڑ رہی ہیں اُن کی لڑائی صرف دین کے نام پر نہیں ہے، بلکہ زیادہ تر اُس کے ممالک میں سے کچھ حصہ پانے کی طمع پر مبنی ہے۔ اور تاریخ ہم کو ایسے بہت سے واقعات بتلاتی ہے۔ کہ ان میں دین کو محض ایک سلاح یا اصل غرض حاصل کرنے کے بطور ایک ذریعہ کے استعمال کیا گیا ہے۔ گو یا وہ ایک پردہ ہے جس کے پیچھے مختلف اغراض و اطماع کو چھپایا جاتا ہے؛

جو شخص دولت علیہ کی تاریخ اٹھا کر دیکھیگا اور اُس کی ابتدا وجود سے لیکر اب تک کے حالات کی ورق گردانی کریگا۔ اُسے معلوم ہو جائے گا کہ مسئلہ شرقیہ اس سلطنت کے وجود کے ساتھ ہی پیدا ہوا ہے یعنی جب سے ترکوں نے یورپ کی سرزمین کو پامال کیا، اور اپنی عظیم الشان سلطنت قائم کی اُسی وقت سے اُن میں اور بعض یورپین سلطنتوں میں سخت نزاع برپا ہوگئی، اور لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوگیا خلاصہ یہ کہ یورپ میں ترکی حکومت کے ظاہر ہوتے ہی بعض سلطنتوں نے اُس سے لڑنے اور اُسے بر اعظم یورپ سے نکال باہر کرنے کے لئے آپس میں عہد و پیمان کرنے شروع کر دئیے۔ مگر اُن کے سب کام ناکام اور اُن کی ساری آرزوئیں خاک میں ملگئیں؛ کیونکہ آلِ عثمان کی سلطنت کا بقا بنی نوع انسان کی سلامتی کے لئے اولین لوازم ضروریہ میں سے ہوگیا تھا۔

اللہ تعالےٰ نے دولت عثمانیہ کو زبردست قوت اور بڑی اہمیت و عظمت عطا فرمائی تھی، جس سے ایک طویل عرصہ تک دنیا کی حکومتیں اور قومیں کانپتی رہیں، ہر قوی اور ہر زبردست نے اس کی قوت و عظمت سے خوف کھایا، اور اُسکا ہلالی پرچم وسیع سرحدوں اور دور دور کے ملکوں پر چھا گیا؛ ان فتوحات و انتصارات سے مفتوح قوموں کے دلوں میں اندر ہی اندر ہم سخت بغض اور شدید عداوت

پیدا کر دی - اور یہی ان بیشمار لڑائیوں کا پہلا سبب تھا - جو اُس کے خلاف لڑی گئیں -

اور چونکہ دولت علیہ کے زیر حکومت ممالک دنیا کے نہایت حسین اور نہایت دولتمند ممالک میں سے تھے اسلئے یورپین سلطنتوں کے ارباب سیاست کے دلوں میں ترکوں کو نکالنے اور اُن ممالک کو آپس میں بانٹ لینے کا شوق پیدا ہوا - پس ان حکومتوں نے اس کے ممالک کو تھوڑا تھوڑا کر کے تقسیم کرنے اور اُس کے اجزا ایک ایک کر کے قبضہ کرنے کی امید پر دولت علیہ سے جنگ کی - اور یہ دولت علیہ کے ساتھ بعض دول یورپ کی عداوت کا دوسرا سبب ہے ۔

پھر جب ہم اس عداوت کے مشہور سبب یعنی مذہب کے مسئلہ پر دقت نظر سے غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ دولت علیہ روئے زمین کی تمام حکومتوں میں تنہا ایسی حکومت ہے جو اپنے مذہب سے مختلف مذہب رکھنے والی رعایا سے، تسامح، تساہل اور اعتدال کا برتاؤ کرتی ہے - اُس نے شرع شریف کے احکام کا اتباع کر کے مسیحیوں کو اپنے مذہب، اپنے عوائد اور رسوم کی پابندی میں پوری آزادی عطا کی، اور اُن کے عقائد کا پورا پورا احترام کیا - اس رواداری سے فائدہ اُٹھا کر اُنہوں نے نہایت آزادی کے ساتھ زندگی بسر کی، یہاں تک کہ اُسی زمانہ میں اسپین کے مسیحیوں نے مسلمانوں کو صرف اس لئے قتل کیا کہ وہ مسلمان تھے، اُن کی عورتوں کے ناموس اور اُن کی حرموں کی بیعزتی کی، اور کسی انسان پر رحم نہ کھایا، مگر باوجود اس کے دولت علیہ اپنے تسامح کے رویہ پر برابر قائم رہی اور مسیحیوں کے ساتھ حسن معاملت، اور اُن کے مذہب و عقائد کے احترام ہی پر قناعت نہیں کی، بلکہ اُنسے معزز ترین مسلمانوں جیسا برتاؤ کیا، ان میں اور مسلمانوں میں کوئی تمیز نہیں کی، ہر ایک کے ساتھ مساوات کا طریقہ برتا، کثیر التعداد مسیحیوں کو اونچے اونچے عہدوں اور بڑی بڑی خدمتوں پر مقرر کیا، اُنھیں اپنے معاملات کا امین بنایا - اور اپنے وثوق و اعتماد سے مشرف کیا - آج کے دن تک دولت علیہ میں کثیر التعداد مسیحیوں کا وجود اس کے اعتدال ذہنی پر ایک زندہ شہادت ہے، بلکہ بلغاری، سروی یونانی وغیرہ مختلف جنسیات کا بقا اس بات کی روشن دلیل اور ناقابل تردید برہان ہے: کہ دولت علیہ نے خود اپنے ارادہ اور خوشی سے ان لوگوں کے دین کا احترام کیا جو اس کے ماتحت آئے اور کسی کو مذہب اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا - تمام مصنفین و مورخین اعتراف کرتے ہیں بلکہ ہر وہ انسان جو کسی غرض سے اندھا نہیں ہو گیا ہے - یہ تسلیم کرتا ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ دولت علیہ دنیا کی قوی ترین سلطنتوں میں سے تھی، اس کے بس میں تھا کہ اپنے ممالک محروسہ کے تمام مسیحیوں کو دین اسلام قبول کرنے پر مجبور کرتی اور اگر وہ اس کی خواہش کے آگے سر نہ جھکاتے تو سب کو نکال باہر کرتی - مگر اُسنے ایسا نہیں کیا، شرع شریف کی پیروی پر قائم رہی اور دین مسیحی اور اسکے پیرووں کا پورا پورا احترام ملحوظ رکھا یہ ایک حقیقت ہے جسکا تاریخ کو اقرار ہے، اور جسے ہر انصاف پسند مورخ نے صفائی کے ساتھ تسلیم کیا ہے - مگر اس دنیا کے نہایت حیرت انگیز واقعات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہی اعلےٰ درجہ کی فضیلت اور بے مثال نیکی، ان تمام مضرتوں اور تکلیفوں کی سب سے بڑی وجہ اور ان تمام مصیبتوں اور پریشانیوں کی اصل تھی، جنسے دولت علیہ کو دوچار ہونا پڑا - کیونکہ مختلف مسیحی فرقوں کے عقائد کا احترام خود مسیحیوں کی کوشش سے بعض دول یورپ اور دولت عثمانیہ کے درمیان مابہ النزاع مسئلہ بنگیا اور بہت سی لڑائیوں کا باعث ہوا - پس دولت علیہ میں مذہبی اختلاف کا مسئلہ اسکے اعتدال دینی اور عدل و

وانصاف کا نتیجہ ہے اور جب تک یہ اندرونی بیماری اسکے بدن میں موجود ہے۔ اس وقت تک اس کی زندگی کے لئے ایک سخت خطرہ کا وجود قائم ہے!

دولت علیہ کے معاملات میں دول یورپ کی مداخلت انہیں مسیحیوں کی بدولت ہے، یورپ کا ہمیشہ ترکوں سے دست گریبان رہنا بھی انہی مسیحیوں کی خاطر ہے، دولت علیہ کے داخلی اضطرابات بھی انہی مسیحیوں کی پیدا کردہ ہیں، اور دولت علیہ کے وجود کے لئے جتنے خطرات ہیں ان کے باعث بھی یہی مسیحی ہیں بلکہ سچ پوچھو تو وہ تمام لڑائیاں جو دولت عثمانیہ کو لڑنی پڑیں ان میں سے اکثر انہیں مسیحیوں کے بدولت لڑی گئیں اور خدا ہی جانتا ہے کہ وہ دولت علیہ میں تمام فوائد و منافع کے حصہ دار ہیں اور ان کی مدد کا نام لے کر دول یورپ کی تمام مداخلتیں محض بے بنیاد ہیں!

کاش اگر اہل یورپ تھوڑا انصاف کرتے تو انھیں اس روشن حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا کہ دولت علیہ کے حسن معاملت میں عیسائیوں کو اگر مسلمانوں سے زیادہ حصہ نہیں ملا۔ تو کسی طرح کم بھی نہیں ملا۔ اسلئے تم دیکھوگے کہ یہودی نہ بغاوت کرتے ہیں؛ نہ جوش پھیلاتے ہیں نہ شکائتیں کرتے، نہ واویلا کرتے ہیں، بلکہ رات و دن خفیہ و علانیہ اس سلطنت کی تعریف کرتے اور اس کی عنایات و حسن رعایات کا کلمہ پڑھتے ہیں اور یہ صرف اس لئے ہے کہ دول یورپ میں سے کوئی ایک دولت بھی ایسی نہیں ہے جو ان کے حقوق کی حفاظت اور ان کے مصالح کی رعایت کرتی ہو۔ پس وہ آلۂ عداوت بنکر اس حکومت میں نہیں رہتے بلکہ خود اپنے آپ کو عثمانی کہتے ہیں اور عثمانیت کے تمام حقوق سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ مگر ارمنوں جیسی قومیں ہیں کہ انگلستان جیسی حکومتیں اپنے اغراض کے لئے انھیں استعمال کرتی ہیں۔ اور وہ دین کے نام سے دین کے پردۂ مکر میں بغاوتیں کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ یہ بات مسئلہ ارمنیہ میں صاف طور پر ظاہر ہوگئی ہے اور اچھی طرح دیکھ لیا گیا ہے۔ کہ کیتھولک ارمن بالکل امن کے ساتھ بسر کرتے رہے، مگر پراٹسٹنٹ ارمنوں نے حکومت عثمانیہ کے خلاف بغاوتیں کیں اور مکر کے جال پھیلائے؛

پس دولت علیہ میں مذہب کا مسئلہ دراصل ایک زبردست آلۂ مکر ہے جسے ارباب حیل اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں، اور وہ لوگ جو دولت عثمانیہ کے دشمنوں کی دسیسہ کاریوں سے متاثر ہوکر بغاوتیں کرتے ہیں وہ دراصل خود اپنی ذات سے بغاوت کرتے اور اعداء دولت کے ہاتھوں میں کھیل کر خود اپنی حیات، سعادت اور فلاح و بہبود کے ساتھ احمقانہ دشمنی کرتے ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ وہ ارمن جو ارمنی حوادث میں مارے گئے دراصل وہ انگریزی وسائس کے شکار ہوتے، اور وہ جو کریٹا میں قتل ہوئے وہ بھی انگریزی وسائس کے شکار ہوئے، بلکہ وہ جو لشکر یونان سے تھسلی میں ہلاک ہوئے وہ بھی انگریزی وسائس ہی کے شکار ہوئے، اور جو شخص بھی دولت علیہ کے دشمنوں کی نصیحتوں پر عمل اور اسکے اوامر کا اتباع کریگا اسکی سزا وہی ہے جو ارمنوں اور یونانیوں نے پائی ہے

یہ ایک کھلی حقیقت ہے۔ کہ حکومت انگلستان یا اور کوئی یورپین سلطنت جو مشرقی مسیحیوں کی محبت اور ان کی بہتری و آسائش کے لئے کوشش کرنے کا دعوےٰ کرتی ہے اگر وہ اپنے اس دعوے میں سچی ہوتی اسکے لئے اپنی ان اغراض کو حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ تھا کہ دولت علیہ سے دوستی کرتی [illegible] دوستانہ پیرایہ میں مسیحیوں کو فائدہ پہنچانے کی سعی کرتی، اور اگر یہ نہیں تو پھر یہ ایک سیاسی جنون ہے

کہ انگلستان مسیحیوں کی محبت کا دعوےٰ کرتا ہے، اور باوجود اسکے اُس حکومت سے دشمنی رکھتا ہے جو اِن مسیحیوں کی امام امور پر قابض ہے۔ کیا کوئی انسانی عقل اس بات کو تسلیم کر سکتی ہے۔ کہ دولت علیہ جیسی صاحب قوت سلطنت اپنے ملک میں خود اپنی مرضی کے خلاف عمل کرے گی، اور انگریزوں کے دوستوں یعنی اپنے شدید ترین دشمن کے دوستوں کو آرام آسائش اور عافیت سے متمتع ہونے دیگی کیا کوئی انسانی عقل یہ مان سکتی ہے۔ کہ وہ مسیحی جن کی پشت پناہی انگلستان کر رہا ہے مسلمانوں کے ساتھ دشمنی بھی کرتے رہیں اور یہ انھیں سے حسن معاملت، اور لطف و عنایت کی بھی توقع رکھیں ؟۔

حقیقت یہ ہے کہ دولت علیہ کے مسلمانوں اور عیسائیوں میں کبھی جبر و قوت کے ساتھ اتحاد نہیں پیدا کیا جا سکتا، بلکہ وہ دونوں کے باہم میل جول، جانبین کے حسن نیت اور دولت علیہ کے ساتھ خلوص و وفاداری ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے اور جب کبھی دول یورپ مشرقی عیسائیوں کی حقیقی فلاح و بہبود حاصل کرنا چاہیں تو ان کے لئے لازم ہے کہ سب سے پہلے اُنھیں دولت علیہ کی اطاعت و فرمانبرداری، اس کی خالصانہ خدمت اور اسکے ساتھ گہرے تعلقات وابستہ کرنے کی تاکید کریں۔ ورنہ وہ سلطنت یا سلطنتیں جو مسلمانوں اور عیسائیوں میں شقاق و نفاق کے بیج ڈال رہے ہیں، تلخ عداوت اور شدید خصومت کے ناگوار ثمرات کے علاوہ کچھ نہ کاٹینگی اور ناممکن ہے کہ اس کے سوا کچھ اور کاٹیں۔

یہ بات محتاج بیان نہیں کہ دولت علیہ کے مسلمان جب اپنے مسیحی ہمسایوں کے ایک فریق کو اغیار کے احکام پر چلتے دیکھینگے تو اُسے اپنا دشمن، عثمانی وطنیت کا خائن، دولت عثمانیہ کا باغی اور ملک و ملت کا اندرونی دشمن خیال کرینگے، اور اُنپر لازم ہو جائیگا کہ اپنے واجبات وطنی کو ادا کرنے کے لئے جو کچھ بھی ان کے بس میں ہو اُسے ایسے لوگوں کے خلاف استعمال کرنے میں دریغ نہ کریں۔ یہ بات کچھ مسلمانوں ہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ تمام اقوام عالم کے لئے عام ہے۔ مثال کے طور پر تھوڑی دیر کیلئے ہم فرض کرتے ہیں کہ انگریزی قوم میں سے ایک فریق کھڑا ہوتا ہے اور روس یا جرمنی یا فرانس جیسے کسی اجنبی سلطنت کے احکام کا اتباع کر کے انگلستان میں بغاوت و اضطراب کی تجویز کرتا ہے۔ ایسی حالت میں انگریزی قوم کے بقیہ افراد کے فرض وطنی فرض کیا ہوا ؟ کیا وہ ان غیر سلطنت کے اوامر پر چلنے والے خائنوں کے خلاف ہر ممکن ذریعہ کو استعمال کرینگے ؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو یقیناً وہ لوگ جو ایک غیر سلطنت کے اوامر پر عمل کر کے دولت علیہ میں بغاوت و فساد پیدا کرتے ہیں خیانت کے مجرم ہیں، ہر مسیحی عثمانی پر واجب ہے ان کے خلاف جنگ کرے اور جسطرح بس چل سکے اس سے بدلہ لینے میں اپنی ساری قوتیں صرف کر دے۔ پس جیسا کہ ہم نے اوپر کہا، دولت عثمانیہ کے عیسائیوں اور مسلمانوں میں سچا اور صحیح اتفاق بغیر اس کے قطعاً محال ہے کہ دونوں اس سلطنت کے ساتھ پورا خلوص اپنے اندر پیدا کریں حقیقت یہی ہے اور اسکے سوا کچھ نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ عثمانی رعایا کا مذہبی اختلاف ممالک عثمانیہ کی دوسری بیماریوں میں سے ایک بیماری ہے بلکہ سب سے بڑی بیماری ہے، مگر اس کے ساتھ ہے وخلاء[1] بھی ایک شدید مصیبت اور ایک ایسی زبردست بلا ہے جس کے برابر اور کوئی نہیں۔ وہ لوگ جو مختلف جنگوں میں دولت علیہ کی شکست کے باعث ہوئے در اصل رہی وخلاء تھے، اور یہی تھے جنہوں نے اغیار کے وسائس و خیل کا جال پھیلانے میں سب سے زیادہ

[1] وخلاء جمع ہے دخیل کی اور دخیل مراد ف ہے داخل کا یہاں اس سے۔ اور وہ لوگ ہیں جو در اصل دولت علیہ کے دشمن تھے مگر دوست کے بھیس میں داخل ہوئے اور اس کے معتمد علیہ بنکر جنہوں نے اسے تباہ کیا۔

سی کی بیشمار عورتیں اور مرد باہر سے دولت علیہ کے جسم میں داخل ہوئے، اپنے نام ملیٹ کر اسلامی نام اختیار کئے اور حکومت کی ملازمت اختیار کرکے درجات ملازمت میں ترقی کرنے لگے، حتے کہ بلند ترین درجات تک پہنچ گئے اور مقرب ترین لوگوں میں شامل ہوگئے۔ اسکے بعد اُنہوں نے ایک طرف حکومت کو برباد کرنا شروع کیا۔ اور دوسری طرف اس کے دشمنوں کو اس کے اسرار سے آگاہ کرنے لگے۔ گذشتہ زمانہ میں یہ دخلاء دولت علیہ کے ہر شعبہ میں کثرت کے ساتھ پھیلے اور اُنھیں بڑا اثر اور زبردست تفوق حاصل ہوگیا۔ حتے کہ لشکر بھی اُن کے تداخل سے محفوظ نہ رہا۔ چنانچہ تم دیکھوگے دولت علیہ کے وزراء میں سے کوئی روس کی بھلائی کر رہا ہے۔ اور دعوے کرتا ہے وہ سیاست کا روسی ہے۔ اور انگریزوں کی بھلائی کر رہا ہے۔ اور مدعی ہے کہ وہ سیاست کا انگریز ہے۔ مگر کوئی نہیں جو سیاست کا عثمانی ہو۔

اگر عثمانی قوم ایک زندہ، قوی، بہادر، اور محب وطن قوم نہ ہوتے تو آج وہ اُن دخلاء کے دسائس کی بدولت صفحہ ہستی سے محو ہو جاتے اور اگر کسی دوسری حکومت میں دخلاء کو ایسا ہی دخل حاصل ہوتا جیسا انہیں دولت علیہ میں حاصل ہے تو اتنک وہ جڑ بنیاد سے اکھڑ چکی ہوتی اور اس کے منہدم ہو چکے تھے!

آل عثمان کے تخت پر جلوہ افروز ہونے والے سلاطین میں عظیم ترین ہستی جسنے دخلاء کی مصائب کو باطل کرنے اور حکومت کے وجود کو اُن سے پاک کرنیکی طرف توجہ کی وہ اعلےٰ حضرت سلطان حال[1] ہیں۔ اُنہوں نے ۱۸۷۷ء کی جنگ اور ان واقعات سے جو اُسکے دوران میں پیش آئے۔ یہ سبق سیکھا کہ دخلاء تمام بلاؤں کی بلا اور مصیبتوں کی مصیبت ہیں، اور اسی سے بیدار ہوکر اُن کی قوت توڑنے اور اُن کی جگہ ایسے لوگوں کو تربیت کرنے کی اعلےٰ پالیسی پر عمل کیا۔ جو حکومت کی شان بڑھائیں اور عزت زیادہ کریں۔ چنانچہ حال کی جنگ یونان نے ثابت کر دیا کہ اب دولت علیہ کے سچے فرزندوں میں ایسے لوگ پیدا ہوگئے جو امانت و وفاداری کے ساتھ اس کی خدمت کرتے اور اس کی محبت میں فنا ہو جاتے ہیں، اور یہ کہ اب دخلاء کے لئے اپنی سیاسی مقاصد حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے!

صاحب الدولۃ[2] ادہم پاشا جیسے لوگ اس جنگ سے پہلے خود اکثر عثمانیوں میں بھی ایک مجہول الاسم آدمی تھے اب پیدا ہونے لگے ہیں اور ایسے ہی بہت سے ہیں جنھیں بعد کے واقعات پیش کرینگے اور آئندہ مشکلات میں ان سے اور ان کی قدر و قیمت سے متعارف کرائینگے۔

دولت علیہ کی تاریخ کا سب سے عجیب و غریب واقعہ جو اسکے دشمنوں کو پریشان اور اس سے نفرت کرنیوالے مصنفوں کو حیرت زدہ کر دیتا ہے، وہ یہ ہے کہ ان تمام مصیبتوں کے بعد جو اس سلطنت پر نازل ہوئیں اور ان تمام بلاؤں کے بعد جنسے اس سلطنت کو دوچار ہونا پڑا۔ اس کا وجود کیونکر باقی رہا اس سلطنت نے وہ وہ اُتار چڑھاؤ دیکھے ہیں جو روئے زمین کی کسی اگلی پچھلی سلطنت نے نہیں دیکھے۔ بعض دول یورپ مثلاً آسٹریا نے اس سے دوستانہ معاہدہ کیا۔ اور دوسری طرف سب سے پہلے وہ خود اُس کی تقسیم کے لئے اس کے دشمن روس کے ساتھ شریک ہے۔ انگلستان نے اسکے ساتھ صداقت و وفاداری کا اظہار کیا مگر دوسری طرف وہ اسکے ممالک چھیننے اور اپنی حکومت کو اسکے اندر وسیع کرنے میں سرگرم رہا دول یورپ نے اس کے استقلال اور سلامتی کی حمایت کرنے کے اُصول پر جسے وہ اصول مقدس کے نام سے موسوم کرتے ہیں، اتفاق کیا، مگر پھر یہی یورپ تھا

---

[1] سلطان حال سے مراد سلطان عبد الحمید خان مرحوم ہیں مصنف کے زمانہ میں وہی سلطان تھے۔
[2] صاحب الدولۃ، ہز ایکسلنسی کے ہم معنی ہے!

جس نے اسی مقدس اصول کے نام سے دولت علیہ کے تجزیہ و تقسیم پر اتفاق کیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ سلطنتیں جو اس حکومت کی بنیادیں ڈھانے اور اُس کے اعضا کے قطع و برید کرنے کے کام کر رہی ہیں تعداد اور قوت دونوں میں اس سے زیادہ نہیں۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود دولت علیہ (خدا اُسکی حمایت کرے) برابر قائم اور قوی اور سالم ہے جس سے دول یورپ کی قوی ترین سلطنت بھی خوف کھاتی ہے اور جس کو وہ بادشاہ دوست کہہ کر مخاطب کرتا ہے جس کی قوت، عظمت اور بالادستی کا تمام عالم نے مشاہدہ کر لیا ہے[1]۔ ایک انسان اسوقت حد سے زیادہ پریشان ہو جاتا ہے جب وہ اُن تحریرات کو پڑھتا ہے جو دولت علیہ کے متعلق گذشتہ ۱۲۰ برس میں لکھی گئی ہیں مصنفین اور ارباب سیاست اسکی تقسیم کے طریقوں میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ کوئی چاہتا ہے کہ دولت علیہ کی جگہ ایک دوسری سلطنت "اتحاد بلقانی" نام سے قائم کیجائے، بعض چاہتے ہیں کہ قدیم بازنطین کی فرسودہ ہڈیوں میں جان ڈالی جائے اور دوسری طرف روس اور آسٹریا کے مدبرین سیاست آپس میں اسکو بانٹ لینے کی تجویز پر گرم گرم بحثیں کرتے ہیں۔ غرض ہر ایک اپنی تجویز پیش کرتا ہے، اور سب متفق ہیں کہ یہ سلطنت تھوڑے ہی دن اور جیئیگی۔ بلکہ اکثر تو اپنی تجویز میں اس کو ۱۰ یا ۲۰ سال کی زندگی دیکر گویا اپنے نزدیک بہت سخاوت کر جاتے ہیں۔ مگر سب غلط سب ہیچ۔ آج اگر قرن گذشتہ کے مصنفین اور ارباب سیاست اپنی قبروں سے اُٹھ کر کھڑے ہوں اور دیکھیں کہ دولت علیہ بدستور قائم ہے، اس انیسویں صدی کے اواخر ایام میں لڑتی ہے، فتح پاتی ہے، دشوار گذار گھاٹیوں کو ایک ایک کر کے طے کرتی ہے، برابر ایک کے بعد دوسری مصیبت بھگتتی ہے اور پھر زندہ اور قائم ہے تو وہ خود اپنی آنکھوں کو جھٹلائیں اور اس حقیقت کو خواب سمجھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دولت علیہ کا بقا نوع انسانی کے لئے ضروری اور اُس کی قوت و اقتدار کا بقا تمام مشرقی اور مغربی سلطنتوں کی سلامتی کے لئے نہایت ضروری ہے اللہ جل شانہ نے بنی نوع انسان کو ایک پر دوسرے کی دست درازی اور طویل ویتے لڑائیوں سے بچانے کے لئے دولت علیہ کی مضبوط دیوار کو قائم رکھا اور اُسکے وجود کو مضبوط و مستحکم بنایا ہے اس سلطنت نے اپنی طویل زندگی میں ایسے ہولناک خطرات کا مقابلہ کیا جو قوی ترین ممالک کی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکنے کے لئے کافی تھے اور اُسپر ایسے ایسے مصائب گذر گئے جنسے بڑی بڑی سلطنتوں کا بچنا مشکل تھا، مگر باوجود اس کے وہ آج اسطرح مضبوطی کے ساتھ قائم ہے کہ تمام عالم اسکی جوانسالی پر حیرت کر رہا ہے یورپ کے بہت سے رجال سیاست اور ارباب قلم نے اس حقیقت کو محسوس کیا ہے کہ دولت علیہ کا بقا توازن عمومی کے لئے لازمی ہے اور یہ کہ اس کا زوال بڑے بڑے خطرات کا باعث ہوگا اور اس سے ایسے شعلے بھڑکینگے جن کی لپیٹیں تمام قطعات ارض کو شرقاً غرباً اور شمالاً جنوباً گھیر لینگی۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہ یہ جو اسلام کا علم اُٹھائے ہوئے ہے اگر اسکو مٹا دیا گیا تو مسلمانوں میں ایک عام بغاوت پیدا ہو جائیگی۔ اور اس سے ایسی خونریز لڑائیاں جاری ہونگی جن کے مقابلہ میں پچھلے حروب صلیبیہ کا شمار بچوں کی لڑائی سے زیادہ نہ رہیگا۔ پس جو لوگ شرقی عیسائیوں کی فلاح و بہبود کے سچائی کیساتھ خواہشمند

[1] اس بادشاہ سے مراد قیصر ولیم ہے جس نے حوادث ارمینیہ کے زمانہ میں جرمن الیشاک (Reechalag) میں اعلان کیا تھا کہ میں سلطان المعظم پر کامل اعتماد رکھتا ہوں اور اُن کا دوست ہوں۔

ہیں وہ زیادہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ دولت علیہ کی تقسیم یا اس کی بربادی مسلمانوں سے پہلے خود نصرانیوں پر ایک کاری ضرب کا کام کریگی۔ اسلئے عقلاء اور ارباب بصیرت اس نتیجہ پر متفق ہیں کہ دولت آل عثمان کو نہیں مٹایا جا سکتا مگر صرف اسی صورت سے کہ مسیحیوں اور مسلمانوں کا خون ہر سرزمین پر نہروں اور دریاؤں کی طرح بہجائے۔ اور یہ ایک ایسا گناہ عظیم ہے جس کو روکنا اور جسے دولت علیہ کے بازو قوی اور اس کی قوت مستحکم کرکے دفع کرنا انسانیت کے ہر سچے دوست پر واجب ہے۔ خود روس اور آسٹریا تک نے جو زمانۂ قدیم سے دولت علیہ کے دشمن رہے ہیں، آج تسلیم کر لیا ہے کہ اس حکومت کی تقسیم ایک امر محال ہے اور اب وہ دولت علیہ کی دیوار کی حفاظت کو دنیا کے امن کی محافظت کے لئے ضروری سمجھنے لگی ہیں؛

آسٹریا نے دیکھ لیا کہ دولت علیہ کے ساتھ اس کی لڑائیوں نے اُسے سخت نقصان پہونچائے اور اس کے سخت نتائج اُسے برداشت کرنے پڑے یعنے وہ رفتہ رفتہ کمزور ہوتا چلا گیا۔ اور یہانتک نوبت پہنچگئی کہ اُسکے تمام اٹالین مقبوضات نکلگئے جنپر آج سلطنت اطالیہ قائم ہے، اور اسی طرح پروشیا کے مقابلہ میں اُسنے بہت سے جرمنی مقبوضات کھو دئے۔ پھر ان لڑائیوں نے خود اسکی اپنے تقسیم کا معاملہ پیش کر دیا۔ کیونکہ اُسنے بلقانی اقدام کے بھڑکانے پر محض جنسیات[1] کی حمایت کے نام سے دولت علیہ کے خلاف معاندانہ کارروائیاں کیں۔ ورنہ مذہب کے اعتبار سے وہ کیتھولک ہے اور ممکن نہیں کہ وہ بلقان کی آرتھوڈوکس اقوام کی حمایت پر دین کے نام سے کھڑی ہوتی۔ مگر جنسیات کا نام لینا خود اُس پر وبال ہو گیا۔ اس لفظ نے آسٹریا کے اندر بہت سے فاسد مادہ پیدا کر دیئے۔ چنانچہ ہنگری کھڑا ہوا اور اُس نے اپنے جنسیت کی آزادی کا دعویٰ کرکے آخرکار اندرونی آزادی لیکر چھوڑی اسی طرح بوہیمیا کو بھی اسی لفظ نے بے چین کر رکھا ہے اور وہ بھی اپنی جنسیت کے قیام کا سختی کے ساتھ مطالبہ کر رہا ہے۔ غرض یہ ہے کہ جو آسٹریا دولت علیہ کے مٹانے کے لئے کھڑا ہوا تھا اُس نے خود ایسی چوٹ کھائی کہ آج موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہے اور مبدا جنسیت کا مزہ چکھ رہا ہے اسی طرح روس نے ہمیشہ ارتھوڈوکس مذہب کی حمایت کے نام سے مسئلہ شرقیہ میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا، اور ارتھوڈوکس مذہب کی حمایت کرکے رومانیوں، یونانیوں، حربیوں، بلغاریوں اور اہل مانٹی نگرو کو سلطنت عثمانیہ کے اثر سے نکالنے کی کوشش کی۔ مگر ان چھوٹی قوموں کی آزادی کے ساتھ ہی اُس نے انپر اپنی حکومت وسیع کرنی چاہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان قوموں میں سے بعض اس کی سخت دشمن ہو گئیں اس کے علاوہ گریک چرچ جو آرتھوڈوکس کلیساؤں کا جد اعلےٰ ہے، بلغاریوں اور سرویوں میں غیر معتبر ہو گیا۔ اور آج وہ نزاع جو ان مختلف اقوام کے درمیان مقدونیہ میں قائم ہے، اس عداوت کو صاف طور پر ظاہر کرتی ہے۔ جو ان قوموں میں باہم پیدا ہو گئی ہے۔ اور اس عظیم خطرہ کو نمایاں کرتی ہے۔ جس میں مسئلہ قومیت و مذہبیت کی بدولت بلقانی قومیں مبتلا ہو گئیں۔

اور جب ہم اسپر غور کرتے ہیں کہ خود دولت روس نے دولت علیہ سے لڑائیاں کرکے کیا پایا، تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اس نے ڈیڑھ صدی تک ٹرکی سے دشمنی کی اور اس عرصہ میں کئی مرتبہ اس سے برسر پیکار رہا۔ ہر بار بے حساب مالی وجانی نقصان اٹھائے مگر درحقیقت ان تمام لڑائیوں میں صرف

---

[1] جنسیات انگریزی لفظ principalities کا مرادف ہے جسکے معنے "چھوٹی اقوام" کے ہیں۔

کر لیا اور قبضہ حاصل کر سکا۔ ورنہ اسکی دوسری قربانیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی چھوٹے ممالک جنہیں اُسنے آزاد کرایا مثلاً سرویا، بلغاریا، یونان، اور رومانیا اس کے سخت دشمن ہو گئے۔ سرویا، رومانیا، اور یونان ایسی سیاست پر چل رہے ہیں جس سے روس راضی نہیں۔ بالخصوص رومانیا جس نے اس کے اور آسٹریا، جرمنی اور دولت علیہ کے درمیان صفائی اور دوستی کرانے کی کوشش کی اسی طرح بلغاریا نے بھی کبھی اس بات کی سیاست سے اتفاق نہیں کیا۔ البتہ آجکل جیسے کہ پرنس بورس (Boris) ولیعہد بلغاریا نے ارتھوڈوکس مذہب اختیار کیا ہے، اس اتفاق کے کچھ آثار نظر آتے ہیں۔ پھر اس کو یہ حقیقت بھی نظر آئی کہ دولت علیہ سے اُسکی لڑائیوں نے انگلستان کے سوا کسی کو نفع نہیں پہنچایا۔ کیونکہ اُسنے فرصت پاکر ایشیا اور مشرق اقصیٰ میں اپنا مرکز خوب مضبوط کر لیا ہے اور یہ اسکے مصالح کے لئے نہایت مفید ہے کہ اس دولت علیہ سے لڑ لڑ کر اپنی قوت، اپنا وقت اپنے آدمی اور اپنی دولت ضائع کرتا رہے۔ اُس نے اس مسئلہ پر اسی حیثیت سے بھی غور کیا۔ کہ اس کے لئے آستانہ[1] کو لیکر پیٹر اعظم[2] کی وصیت کو پورا کرنا محال ہے، کیونکہ اُسے اس کوشش کا نتیجہ دولت علیہ سے پہلے خود ہی دول یورپ کے ہاتھوں اور اُن میں بھی سب سے زیادہ اپنے حلیف فرانس کے ہاتھوں بھگتنا پڑیگا۔ اسی لئے روس نے اب مشرق اقصےٰ کے مسائل پر اپنی توجہ پھیر دی ہے، اور ٹرکی کی سلامتی کو ضروری تسلیم کرنے لگا ہے۔ چنانچہ ارباب سیاست نے دیکھ لیا کہ دولت علیہ کے ساتھ روس کے تعلقات کی تاریخ میں ایک مثال بھی ایسی نہیں نظر آتی جو اعلیٰ حضرت سلطان المعظم کے نام زار روس کے اس تار کی سی مشابہت و صداقت رکھتی ہو، جس میں اس نے اعلیحضرت سے جنگ یونان موقوف کرنے کی درخواست کی تھی[3]۔

مگر وہ سلطنت جو ان آخری ایام میں دولت علیہ کے خلاف دشمنی کی علمبرداری کر رہی ہے وہ انگلستان ہے۔

اس سلطنت نے ایک طویل مدت اس طرح گذاری کہ بظاہر دولت علیہ کی دوست وخادم اور حلیف بنی رہی مگر باطن اس جھوٹی صداقت کے پردہ میں وہ سب کچھ حاصل کرتی رہی جو ٹرکی نے کھویا۔ اس کی ہمیشہ سے ایک گہری مصلحت رہی ہے کہ روس ٹرکی سے لڑنے میں مصروف رہے تاکہ دونوں طرف اثر کی قوت ٹوٹتی رہے اور وہ انگریزوں کو ہندوستان اور مشرق اقصےٰ پر مستولی ہونے سے نہ روک سکے اور

---

[1] قسطنطنیہ کو تعظیماً آستانہ کہتے ہیں۔

[2] پیٹر اعظم نے مرتے وقت اپنے جانشینوں کو کچھ وصیتیں کی تھیں جنمیں سے ایک یہ بھی تھا کہ قسطنطنیہ اور ہندوستان پر قبضہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کیا کیونکہ جس قوت کے پاس یہ دونوں چیزیں ہوں وہ دنیا کی اصلی حکمران قوت ہوگی۔"

[3] اس تار کے الفاظ یہ ہیں۔ "یورا امپیریل مجسٹی غالباً اس بات پر حیران نہ ہوں گے کہ میں نے انہیں دوستانہ خلوص اور ہمسائگی کے احساس سے جری ہوکر، جو ہمارے مابین موجود ہے یہ کام خود میں نے ذمہ لیا ہے کہ آپکی جلیقدر عالی دماغی کے سامنے اپنی اس دلی خواہش کو پیش کروں کہ آپ تھوڑے جنگ کا حکم صادر فرما کر اپنے سپاہیوں کی دلیرانہ کامیابی کو عزت بخشیں۔ یہ طریق عمل جو آپ اس بھلے مصالحانہ اعتدال اور استقلال سے پوری طرح مطابق ہے جو آپنے معرکۂ جنگ کی ابتدا سے اختیار کیا ہے!

یورا امپیریل مجسٹی اس طرح وہ کام کرینگے جو کلیتاً بالکل دانائی و بردباری کا مقتضا ہے اور جو اس عزت و حرمت کو اور زیادہ کر دیگا۔ جو آپ پہلے ہی سے اپنی ذات میں رکھتے ہیں اور جسے میں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ میں یورا امپیریل مجسٹی سے التجا کرتا ہوں کہ براہ کرم میری کلمی بلا ریائی دوستی پر اعتماد کیجئے۔"

دوسری طرف ٹرکی کمزور ہو جائے اور انگلستان کو وقتاً فوقتاً اُس کے مقبوضات پر "دفاع" کے بہانے سے قبضہ کرنے کا موقع ملتا رہے۔ اسپر مزید یہ کہ اس سے قطع نظر تجارتی، مادی اور صنعتی فوائد کے ٹرکی کی "دوستی" سے سب سے بڑا فائدہ یہ اُٹھایا کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر اپنا اثر قائم کرلیا اور پوری طرح مسلط ہو گیا۔ اب اہل ہند تو انگریزوں کو مشہور بغاوت سپاہیان[1] میں نکال دیتے مگر سلطان عبد الحمید خاں مرحوم نے اپنی دوستی سے اُن کی مدد کی اور مسلمانان ہند کے نام ایک اعلان شائع کیا جس میں انہیں حکم دیا تھا کہ امن و صلح کی طرف رجوع کرو اور میری دوست ملکہ برطانیہ کی حکومت کے خلاف شورش نہ کرو۔

پس اگر انگریز ہندوستان میں عرصہ تک مسلمانوں کی دشمنی سے محفوظ رہے تو یہ صرف دولت علیہ کی عنایت اور دوستی کا نتیجہ ہے۔ مگر آج وہ دعوے کرتے ہیں کہ ٹرکی ان کا قدیمی دوست لیکن اب دشمن ہے اور یہ کہ اس نے مسلمانان ہند کو بھڑکا کر بغاوت پر آمادہ کیا ہے اگرچہ میں نہیں سمجھتا کہ ہندوستان کی موجودہ شورش دولت علیہ کی تحریض سے ہے کیونکہ چند خاص خاص قبائل ہیں جو لڑ رہے ہیں ورنہ، اگر دولت علیہ مسلمانوں کو اُبھارتی تو غالباً تمام مسلمان یکبارگی کھڑے ہو جاتے مگر خواہ یہ شورش دولت علیہ کے اشارہ سے ہو، خود مسلمانوں کی اپنی خواہش اور اپنے ضمیر کا نتیجہ ہو، بہرحال انگریزوں کا محض دعوے اس بات کی صاف دلیل ہے کہ انہوں نے دولت علیہ کی دوستی کے نام سے بہت فائدہ اُٹھایا اور اب اسے اپنا دشمن لکھنا اور کسی کے لئے نہیں بلکہ خود اُنہی کے لئے مُضر ہے۔

حکومت عثمانیہ نے اُس روز سے جب سے اعلیٰحضرت سلطان المعظم (سلطان عبد الحمید خاں ثانی) نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی ہے اس حقیقت کو محسوس کر لیا کہ انگلستان اپنی دوستی کے اظہار میں مکر کر رہا ہے اور وہ ترکوں کا دوست بنکر ان لوگوں سے زیادہ انھیں نقصان پہنچا رہا ہے جو اُن کے ظاہری دشمن ہیں۔ چنانچہ اس نے برلن کانفرنس میں روس کے خلاف ٹرکی کو مدد دینے کا وعدہ کرکے فائدہ حاصل کر لیا مگر جب کانفرنس منعقد ہوئی تو ٹرکی کو کسی مادہ میں بھی ذرہ برابر فائدہ نہیں پہنچایا۔ بلکہ دولت علیہ نے اس کانفرنس میں اتنا کچھ کھویا کہ کسی اور کانفرنس میں کبھی نہیں کھویا تھا۔

روس کو بھی ۱۸۷۷ء کی جنگ کے بعد معلوم ہو گیا کہ وہ ٹرکی سے جنگ کرنے میں جتنا کھوتا ہے اتنا پاتا نہیں ہے۔ اور اسلئے وہ اب دشمنی کے بجائے ٹرکی کے ساتھ مساعدت کی پالیسی اختیار کرنے کو بہتر سمجھتا ہے پس اس تاریخ سے دولت علیہ اور حکومت انگلستان کے درمیان نفاق و شقاق کا ظہور ہوا ہے جس کی مزید وضاحت اسوقت ہو گئی جب انگلستان نے مصر پر قبضہ کیا۔ قبضہ مصر کے بعد تو اعلیٰحضرت سلطان المعظم نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے کہ انگریزی سیاست بالکل مکر پر مبنی ہے، انگریز ہرگز اُن کے دوست نہیں ہیں، بلکہ اُن کے سب سے بڑے دشمن ہیں، اور اب تک جو کچھ بھی وہ دوستی کا اظہار کرتے رہے ہیں، وہ سب کچھ ایک پردہ تھا جس کے پیچھے دولت آل عثمان کے خلاف انکی تلخ عداوت اور شدید طمع چھپی ہوئی تھی۔

اسوقت سے انگلستان نے سلطنت عثمانیہ کے ممالک محروسہ میں اسکے خلاف ہر طرف وسایس و مکائد کی ریشہ دوانیاں شروع کر دی ہیں، چنانچہ حال ہی میں ارمنوں، کرمیشیوں اور دروزیوں کو شورش پر

---

[1] بغاوت سپاہیوں سے مصنف کی مراد غدر ۱۸۵۷ء سے ہے کیونکہ اسے انگریزی میں کہتے ہیں اس کا ترجمہ انہوں نے عربی میں کر دیا ہے۔

پر آمادہ کیا ہے۔ مگر ابتک اسکی ایک چال کا بھی کوئی متوقع نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ بلکہ اس طریقہ سے انہوں نے ان قوموں کو برباد کرانے کی کوشش کی جنہیں آلہ کے طور پر استعمال کیا تھا، اور دولت علیہ کو اپنی قوت تمام دنیا پر آشکارا کرنے کا موقع دیا۔ آج ٹرکی کی تمام چھوٹی بڑی قوموں اور مختلف عناصر پر یہ حقیقت روشن ہوئی ہے کہ یونان کی اصلی دشمن حکومت عثمانی نہ تھی جس نے اسکی ناشائستہ حرکات کو عرصہ تک برداشت کیا بلکہ حکومت انگلستان تھی جس نے اُسے جنگ پر اکسایا، خفیہ وعلانیہ اسکی مدد کی اور مقدونیہ کو انگریزی اسلحہ اور انگریزی اشرفیوں سے بھر دیا اس امید پر کہ اہل مقدونیہ اثنائے جنگ میں ٹرکی کے خلاف اندرونی بغاوت برپا کر دینگے۔ مگر اس کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں سب کوششیں رائیگاں گئیں اور اسے یونان کی جنگی شکست سے نہ صرف ذلت نصیب ہوئی بلکہ سیاسی حیثیت سے بھی ذلیل ہونا پڑا؛

انگریز سمجھتے ہیں کہ وہ مصر اور وادی نیل میں اپنی تمناؤں کو حاصل کرینگے اور اس طرح خلافت اسلامیہ اور سلطنت عثمانیہ کے سنگ بنیاد پر قبضہ کر سکینگے، مگر یہ امر بالکل متیقن ہے کہ مصر میں اُنھیں جلد یا بدیر ناکامی ضرور ہوگی۔ آج کل جو وہ مصر پر مسلط ہیں تو اس سے لوگ دھوکہ میں نہ آئیں، کیونکہ یہ خود مصر کے ان لوگوں کی کمزوری کا نتیجہ ہے جن کے ہاتھ میں اسوقت اس کے حل وعقد کی کنجیاں ہیں۔ ورنہ درحقیقت مصری محکموں پر انگریزوں کا استیلا کسی واقعی تسلط کا حکم نہیں رکھتا یہاں انگریزوں کو ایک نہ ایک دن ویسی ہی ناکامی اُٹھانا پڑیگی جیسی نپولین کو اُٹھانا پڑی تھی۔

انگریزوں کو یہ خوب معلوم ہو چکا ہے کہ ان کا قبضۂ مصر ان کے اور دولت علیہ کے درمیان مستقل عداوت کا سبب ہے؛ جب تک یہ قبضہ قائم رہیگا یہ عداوت بھی قائم رہیگی اور یہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا کہ انگریزوں کے مصر پر قابض رہنے کی صورت میں ٹرکی اُن سے دوستانہ تعلقات رکھے۔ مصر کا مسئلہ ٹرکی اور خلافت کے لئے زندگی وموت کا مسئلہ ہے، اور انگریز یہ سمجھتے ہیں کہ سلطنت عثمانیہ کی زندگی دراصل ان کے راستہ میں ایک روک اور انکے قبضۂ مصر کے لئے مشکلات اور دشواریوں کا مستقل مبدا ومنشاء ہے پس اب وہ اپنے قبضۂ مصر کی مداومت کا ٹھیکہ لینے کے لئے سلطنت عثمانیہ کو مٹا دینے کی فکر میں ہیں اور چاہتے ہیں کہ اسلامی خلافت کسی ایسے شخص کے پاس منتقل ہو جائے جو انگریزوں کا تابعدار ہو اور ان کے ہاتھوں میں آلہ کے طور پر کام کرے۔ چنانچہ اسی مقصد کے لئے برطانیہ کے ارباب سیاست نے خلافت عربیہ کی تجویز پیش کی ہے اور یہ امید کرتے ہیں کہ عرب اُن کی طرف مائل ہو کر دولت علیہ کے خلاف بغاوت کر دینگے لیکن ہر مسلمان خواہ وہ عرب ہو یا غیر عرب اب اُسکے لئے یہ بہت مشکل ہے کہ ان تمام باتوں کو دیکھنے کے بعد بھی جو اس کی نظر سے گذر چکی ہیں، انگریزوں کے دھوکہ میں آجائے۔ خصوصاً یہ دیکھ کر کہ حوادث ارمنی کے زمانہ میں انگریزوں نے دولت علیہ کی تقسیم کے لئے جو تجاویز شائع کی تھیں ان میں مصر اور بلاد عرب کو اپنا حصہ ظاہر کیا تھا؛ یہ بات اور بھی ظاہر ہوئی ہے کہ دولت برطانیہ مسلمانوں پر معمولی حیثیت سے اپنا تسلط قائم کرنا چاہتی ہے؛

ان معاملات میں جو بات سب سے زیادہ انگریزوں کو کھٹکتی ہے وہ اعلیحضرت سلطان المعظم کی یہ کوشش ہے کہ تمام مسلمانوں کو علم خلافت کے نیچے اکٹھا کریں یہ کوشش انگریزوں کی اُس کوشش کے عین ضد میں واقع ہوئی ہے جو وہ مسلمانوں میں نفاق پیدا کرکے ایک کو دوسرے کے خلاف لڑنے کیلئے کر رہے ہیں ان کے اصلی محرک انگریز ہی ہیں جو اعلیحضرت سلطان المعظم کے خلاف ہر ممکن طریقہ سے کوشش کر رہے ہیں

ان کے اصلی محرک انگریز ہی ہیں اور قارئین کرام اس تحریک کی اصل غرض خود سمجھ سکتے ہیں انگریزوں کو اس بات کا پورا یقین ہے کہ اگر کسی طرح وہ مسلمانوں کے خلیفہ کو اپنی وصایت و حمایت میں لے لیں اور اسے اپنے ہاتھوں میں آلہ بنا سکیں تو انھیں ایک زبردست قوت حاصل ہو جائیگی اور اس معمورہ ارضی پر کونہ کونہ میں انکا اثر پھیل جائیگا۔ کیونکہ وہ اپنے محکوم اور غیر محکوم مسلمانوں کو اس خلیفہ کے ذریعہ اپنی خواہشات کا غلام بنا سکینگے۔ ..... یہی وجہ ہے کہ وہ سلطنت عثمانیہ کی بربادی کو اپنی سب سے بڑی غرض کے حصول اور اپنی سب سے زیادہ اہم تمناؤں کے بر آنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں؛

جس طرح سوڈان پر قبضہ کرنے کے لئے مصر کو آلہ کار بنانیکی تجویز انگریزوں کی پرانی تجاویز میں سے ایک ہے (جو حکومت مصر کی مدد سے گارڈن اور سمیول بیکر (Sir Samuel Baker) کو سوڈان کے دوسرے کونہ تک پہنچنے کی کوشش سے ظاہر ہو چکی ہے) اسی طرح خلافت اسلامیہ کو انگریزی اثر کے ماتحت لانیکی تجویز بھی مصر ہی سے شروع کیگئی ہے۔ چنانچہ بعض انگریزی مصنفین نے اس موضوع پر کتابیں اور مضامین لکھنے کا سلسلہ شروع کر دیا ہے انہیں سے ایک مسٹر بلنٹ بھی ہیں جنہوں نے مستقبل اسلام کے نام سے ایک کتاب انگریزی قبضہ سے پہلے مصر میں شائع کی تھی۔ اس میں وہ اپنی حکومت کے اغراض اور اس کی وہ خواہشات جو مستقبل اسلام سے وابستہ ہیں ظاہر کی ہیں۔ کتاب کے دیباچہ ہی میں اپنے مقصد کو وہ اس شعر سے شروع کرتے ہیں کہ:۔ لا تقنطوا الدر ینثر عقدہ ۔ لیعود احسن فی النظام واجملا[1]۔

یعنی دولت عثمانیہ کی بربادی سے مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچیگا بلکہ یہ عثمانی ہار ٹوٹنے کے بعد عربی ہار کی شکل اختیار کریگا جو زیادہ حسین و جمیل ہوگا۔ مگر جو بات مسٹر بلنٹ نے چھپائی ہے۔ وہ یہ ہے کہ انکی قوم اس عربی ہار کو اسلام کی گردن کے لئے نہیں بلکہ برطانیہ کی گردن کیلئے تیار کر رہے ہیں

مسٹر بلنٹ اپنی اس کتاب میں عالم اسلامی کی قوت بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسی بڑی قوم کی عنان ارادت ایک ایسے خلیفہ کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے جو قوی اور وسیع الاثر ہو اور اسی سلسلہ میں وہ نپولین اول کی اس تجویز کو پیش کرتے ہیں جو اسنے مسلمانوں کا خلیفہ بننے اور ان کی سپہ سالاری کرنے کے لئے سوچی تھی۔ اور اسی طریقہ سے وہ اپنی قوم کی موجودہ تجویز کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح مسٹر بلنٹ نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ خلافت اسلامیہ کا مرکز مکہ معظمہ میں ہونا چاہیئے اور یہ کہ آئندہ سے خلیفہ ایک دنیاوی بادشاہ ہونے کے بجائے ایک دینی رئیس ہونا چاہیئے۔ دوسرے الفاظ میں مقصد یہ ہے کہ خلیفہ صاحب خود تو محض امور دینی کے بادشاہ ہوں، اور امور دنیاوی کو انگلستان پر چھوڑ دیں کہ جسطرح چاہے ان کا انتظام کرے۔ انہوں نے صرف اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ اپنا مقصد یہ کہکر صاف کھولدیا ہے "ایک ایسے خلیفہ کو قدرتاً کسی حلیف کی ضرورت ہوگی جو اسکی نصرت وساعدت کرے اور ظاہر ہے کہ ایسا حلیف انگلستان کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا" غرض یہ ہے حضرت مصنف کی رائے میں اسلام کے لئے اس سے بہتر کوئی صورت نہیں کہ انگلستان کو اپنا مرکز بنائے؛ اور اگر انہوں نے کوئی بات چھوڑی ہے تو وہ صرف یہ کہ کسی انگریز کو خلیفہ بنانے کی تجویز پیش کرتے۔ مگر ہم سمجھتے ہیں کہ غریب مصنف اپنے ابنائے جنس کے صحیح خیالات کا ترجمان ہے؛

[1] اس موتی کی طرف سے مایوس نہ ہو جاؤ جسکا ہار ٹوٹ گیا ہے۔ کیونکہ وہ دوبارہ زیادہ اچھے اور خوبصورت طریقہ سے پرویا جائے گا؛

اب قارئین کرام پر ہماری پچھلی گفتگو پوری طرح واضح ہو گئی ہو گی کہ آج انگلستان کے سوا سلطنت عثمانیہ اور خلافت اسلامیہ کا کوئی دشمن ایسا نہیں ہے جو اُس کی بنیادوں کو اکھیڑنے کی کوشش کر رہا ہو اور اُس کے ساتھ کھلا عناد رکھتا ہو۔ پس اس لحاظ سے مسئلہ مشرقیہ کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ نزاع کا مسئلہ ہے جو انگلستان اور دولت علیہ سمیت تمام دول یورپ کے درمیان قائم ہے۔ دوسرے الفاظ میں دولت علیہ کے ساتھ انگلستان کی دشمنی درحقیقت تمام مسیحیوں اور تمام مسلمانوں کے ساتھ بلکہ مشرق و مغرب کے تمام انسانوں کے ساتھ دشمنی ہے۔

پس اس سیاسی جنگ اور وسائس واکاذیب کی لڑائی میں جو انگلستان نے ٹرکی کے خلاف برپا کر رکھی ہے یورپ کا جو کچھ فرض ہے وہ ظاہر ہے۔ اگر وہ دنیا کی سلامتی اور عالم انسانی کی حفاظت کو ضروری سمجھتا ہے۔ تو اُسے چاہئے کہ مشرق میں انگلستان کی کوششوں کو ناکام کرنے کی سعی کرے اور ہر ممکن طریقہ سے اس کا راستہ روکے ہمارے خیال میں حق یہ ہے کہ فرانس اور روس کی حکومتوں نے مسئلہ آرمینیہ میں انگریزی وسائس کو باطل کرنے اور انگلستان کے ارباب سیاست کی کوششوں کو ناکام کرنے میں پورا حصہ لیا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ابتک لوگوں کو وہ بات یاد ہو گی کہ جب انگلستان نے دول یورپ کے سامنے اعلیٰ حضرت سلطان المعظم کو معزول کر دینے کی تجویز پیش کی تو تمام دوسری سلطنتوں سے پہلے فرانس اور روس نے اُسے نامنظور کیا۔ اور یہ بھی لوگ بھولے نہیں ہونگے کہ حال کی جنگ میں انگلستان کے خلاف جرمنی نے یورپ کا فرض ادا کیا اور اسطرح برطانیہ کی ناکامی دولت اور دولت عثمانیہ کی فتح و ظفر مکمل ہو گئی۔

رہا مسلمانوں اور عثمانیوں کا فرض جو دولت انگلستان کی ان کوششوں کے مقابلہ میں اور سب سے زیادہ ہے، اُس سے خائنوں، اور خارجی و داخلی منافقوں کے سوا اور کسی کو انکار نہیں۔ عثمانیوں کا فرض ہے کہ سلطنت مقدسہ کے علم کے گرد جمع ہو جائیں اپنی پوری قوت سے اپنے وطن کی حفاظت کریں، اور لاکھوں کی تعداد میں اس فرض شریف پر اپنی جانیں قربان کر دیں تا کہ ابدالآباد تک غلام رہکر جینے کے بجائے عزت کی زندگی بسر کر سکیں۔ اور مسلمانوں کا فرض یہ ہے کہ سب کے سب علم مقدسۂ خلافت کے گرد جمع ہو جائیں اور مالی و روحانی مدد سے اس کے بازو قوی کریں کیونکہ اسکی حفاظت پر انکی عزت و شرافت کی حفاظت منحصر ہے اور اسکی عزت کی بقا ہی میں انکی اور اسلام کے کلمۂ مقدسہ کی عزت کا بقا مضمر ہے۔

مسئلہ مشرقیہ اٹھارویں صدی میں

اٹھارویں صدی میں مسئلہ مشرقیہ ایک نہایت سخت اور شدید النتائج فتنہ سے شروع ہوا۔ یہ فتنہ دولت علیہ اور روس کی جنگ کا فتنہ تھا جو اواخر ۱۷۶۸ء سے اوائل ۱۷۷۴ء تک جاری رہی یہ فتنہ ایک شدید اور کثیر النتائج فتنہ تھا جس نے مذہب کے نام سے دولت علیہ کے معاملات میں دول یورپ کی مداخلت کا آغاز کیا۔

اس زمانہ میں روس پروشیا کا حلیف تھا اور ۱۱ اپریل ۱۷۶۴ء کو فریڈرک اعظم شاہ پروشیا اور کیتھرائن ملکۂ روس نے ایک معاہدۂ دوستی پر دستخط کئے تھے جسپر ۸ برس تک دونوں سلطنتیں قائم رہیں۔ مسئلۂ شرقیہ میں پروشیا کے تداخل کا باعث یہی روس کی دوستی تھی۔ جو عملاً ایک قرن سے

قائم تھی اور اس دوستی کی وجہ وہ شدید عداوت تھی جو جرمنی میں آسٹریا اور پروشیا کے درمیان اور مشرقی معاملات میں آسٹریا اور روس کے درمیان جاری تھی۔ اگرچہ کبھی کبھی ان تینوں سلطنتوں میں اتفاق بھی ہو جاتا تھا، مگر ایک عرصہ تک عداوت مستقل طور پر جاری رہی؛

اس کے علاوہ ایک اور وجہ بھی تھی جس نے روس اور پروشیا کو حلیف بنا رکھا تھا۔ اور وہ یہ تھی کہ پولینڈ کے خلاف ان دونوں سلطنتوں کی اغراض مشترک تھیں۔ پولینڈ اس زمانہ میں ایک آزاد جمہوریت تھی اور سخت طوائف الملوکی میں مبتلا تھی۔ یہ دونوں چاہتے تھے کہ اس میں برہمی اور انتشار کو تقویت دیکر اپنا نفوذ بڑھائیں، اور کوئی موقع ہاتھ آئے تو اس پر قبضہ کرکے آپس میں بانٹ لیں؛

دوسرا اتحاد فرانس اور آسٹریا کے درمیان ۱۷۵۶ء میں ہوا، جس کا مقصد یہ تھا۔ کہ فرانس یورپ کے ہر حصہ میں آسٹریا کی جنگی و سیاسی مدد کرے اور آسٹریا فرانس اور انگلستان کی جنگ میں غیر جانبدار رہے۔ اسی زمانہ میں آگسٹ ثالث بادشاہ جمہوریہ پولینڈ مرگیا اور روس نے پروشیا کے اتفاق سے کوشش کی کہ اس کی جگہ اسٹانسلاس آگسٹ پونیاٹوسکی پولینڈ کا بادشاہ منتخب ہو۔ جو کیتھرائن ملکۂ روس کا محبوب اور اس کے نہایت سرگرم عاشقوں میں سے تھا اس کوشش سے روس کا مقصد یہ تھا کہ اس نئے بادشاہ کے ذریعہ اہالی پولینڈ کے درمیان نفاق و شقاق کا بیج پڑ جائے اور ان کا ملک نذر اضطرابات و حوادث ہو کر روس و پروشیا کی متحدہ تقسیم کے لئے تیار ہو جائے۔

پولینڈ کے وطن پرستوں نے اس چال کو تاڑ لیا اور باب عالی سے التجا کی کہ وہ اسٹانسلاس کو مقرر کرنے کے لئے روس کی کوششوں کے خلاف انھیں مدد دے، مگر روس اور پروشیا کے سفراء متعینہ آستانہ نے اس معاملہ میں ترکوں کو غیر جانبدار رکھنے کے لئے اپنی ساری قوت صرف کر دی۔ دوسری طرف آسٹریا اور فرانس کی نہایت اہم مصلحت اس کوشش سے وابستہ تھی کہ اسٹانسلاس کو پولینڈ کا بادشاہ بنانے میں روس و پروشیا کامیاب نہوں چنانچہ انہوں نے دولت علیہ کو موخر الذکر حلف کے خلاف بہت بھڑکایا۔ اور اُسے اس مداخلت کے فوائد بتلانے لگے لیکن مرحوم سلطان مصطفیٰ ثالث فریڈرک اعظم سے بہت زیادہ متاثر تھے اسلئے کسی طرح اس کے خلاف کچھ کرنے کے لئے تیار نہوئے۔ خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ پولینڈ پر اسٹانسلاس کا بادشاہ ہو جانا دولت علیہ کے مصالح کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچاتا تھا آخر کار یہ شخص ۷ ستمبر ۱۷۶۴ء کو پولینڈ کا بادشاہ ہو گیا۔

اس شخص نے تخت پر بیٹھتے ہی کیتھرائن کی خواہش کے مطابق ملک میں اضطراب و بدامنی کا سلسلہ جاری کر کے روس کیلئے پولینڈ کے اندرونی مسائل میں مداخلت کا راستہ صاف کر دیا۔ چنانچہ اسی سال ۲۵ نومبر کو روس اور پروشیا کے سفیران نے حکومت پولینڈ کے سامنے تمام وہ مطالبات پیش کر دیئے جو اہل پولینڈ کے مصالح کے بالکل خلاف تھے۔ ملک کی پارلیمنٹ نے ان مطالبات کو بالاتفاق مسترد کر دیا۔ اور اس طرح روس کو مداخلت کا بہانہ ہاتھ آگیا۔ دیکھتے دیکھتے تمام پولینڈ پر روسی فوجیں چھا گئیں، ہر طرف خون بہنا شروع ہو گیا۔ پولینڈ کے تمام محبان وطن قتل کر ڈالے گئے، اور ملک میں عام اضطراب و بدامنی کا راج ہو گیا دنیا اس حال کو خاموشی کے ساتھ دیکھتی رہی، کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ ہوئی اور آخر کار روس نے اپنا مراد

ملک کو بظاہر مستقل مگر بباطن اپنی اغراض کا غلام بنا کر اپنا مقصد حاصل کر لیا۔

اس اثنا میں فرانس کی وزارت خارجہ پر موسیو شعرازیل مقرر کیا گیا جو روس کا شدید ترین دشمن تھا اور خصوصاً کیتھرائن کا تو ذاتی دشمن تھا۔ اُسنے قلمدانِ وزارت سنبھالتے ہی موسیو ڈی فرچین سفیر فرانس متعینہ آستانہ کو لکھا کہ جسطرح ممکن ہو روس اور دولت علیہ کے مابین مشکلات پیدا کر دیئے اس کے ساتھ ہی اُسنے ۳۰ لاکھ فرانک اس مقصد کیلئے بھیجے کہ دولت علیہ کے ارباب حل وعقد کو روپیہ کے زور سے اپنا ہم خیال بنائے۔ پولینڈ کے وطن پرست بھی برابر سلطنت عثمانیہ سے التجائیں کر رہے تھے اور اپنی فریاد میں مشغول تھے اتفاقاً انھیں ایام میں بعض روسی پادری ٹرکی میں آئے، اور انھوں نے اپنے ہاتھوں میں صلیبیں لے کر بوآن، اکریٹ، اور جبل اسود کے باشندوں کو مذہب کے نام سے بھڑکانا شروع کیا، اور اکتوبر ۱۷۶۷ء میں ایک پادری سٹیفا نو بیلوکوس نے مانٹی نیگرو میں مسلمانوں کے خلاف ایسا جوش پھیلایا کہ عام بغاوت کھڑی ہو گئی،

دولت علیہ نے جب یہ حال دیکھا اور پولینڈ کے افسوسناک واقعات سُنے تو کچھ بیدار ہوئی اور حکومت روس کو پولینڈ سے نکل جانے کے لئے الٹی میٹم دیدیا۔ روس نے اُسے منظور نہ کیا، اور آخر جنگ کا سبب ہوا۔

عثمانی قوم اہل پولینڈ کی طرف اسقدر مائل تھی کہ دان پر بجئین سفیر پروشیا متعینہ آستانہ اپنے ۲۶ر جولائی ۱۷۶۸ء کے مراسلہ میں اپنی حکومت کو لکھتا ہے "واگرچہ حکومت عثمانیہ اپنے ممالک محروسہ میں بالکل مطلق العنان حکومت ہے، مگر باوجود اسکے اس میں رائے عامہ کو اتنا دخل ہے کہ جب وہ اپنی آواز بلند کرتی ہے تو حکومت اسکی مخالفت نہیں کرسکتی"۔

روس کو جب معلوم ہوا کہ دولت علیہ جنگ کی تیاریاں کر رہی ہے، تو اس نے حملہ کر کے خارکوف پر قبضہ کر لیا۔ دولت علیہ نے اس حرکت پر تباریخ ۶ر اکتوبر ۱۷۶۸ء سفیر روس کو مشہور قلعہ ہفت برج میں قید کر کے اعلان جنگ کر دیا۔ زمانہ قدیم میں دولت عثمانیہ کا یہی قاعدہ تھا۔ کہ مخالف سلطنت کے سفیر کو قید کر کے جنگ کا اعلان کیا کرتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی دولت علیہ نے ۳۰ر اکتوبر ۱۷۶۸ء کو تمام دول یورپ کے نام ایک اعلان شایع کیا جسمیں ان الفاظ کے ساتھ روس سے جنگ چھیڑنے کے اسباب ظاہر کئے تھے؛ "روس نے حد سے زیادہ جسارت سے کام لیکر پولینڈ کی آزادی کو پامال کر دیا، اور ایک ایسے بادشاہ کو قبول کرنے پر مجبور کیا جو وہاں کے خاندان شاہی سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، اور نہ اسے پول قوم نے اپنے قوانین ورسوم کے مطابق بادشاہ منتخب کیا ہے روس نے وہاں خونریزی کی، اس شخص کو قتل کیا جس نے اس کے اغراض اور سیاست کی مخالفت کی اور اس ملک کی اراضی واملاک کو برباد کر دیا"۔

اعلان جنگ کے اس صورت نے یورپ کے تمام رجال سیاست کو حیرت میں ڈالدیا اور ہر ایک نے اس سے فائدہ اُٹھانے کی تیاری شروع کر دی۔ جنگ کے متعلق ٹرکی کی صداقت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ موسیو ڈی فرچین سفیر فرانس نے وہ ۳۰ لاکھ فرانک اپنی حکومت کو واپس کر دیئے اور لکھا کہ مدبر ٹرکی کے رجال سیاست کی رائے کو خریدا نہیں جاسکتا بلکہ وہ اپنے ملک کی مصلحت اور سلطنت کی عزت کے لحاظ سے عمل کرتے ہیں"

کئی مہینے اس طرح گذر گئے کہ دونوں فریق تجہیز و تخضیر[1] میں مشغول رہے اور حقیقت میں جنگ جولائی ۱۷۶۹ء سے پہلے شروع نہیں ہوئی۔ معرکہ جنگ کی ابتدائی چھیڑ چھاڑ دریا نیسٹر ( ) کے کنارے واقعہ ہوئی، اور پہلی زبردست جنگ خوٹین (Kholin) کے کنارے ہوئی۔ مورخین کا اس باب میں اختلاف ہے۔ کہ آیا پروشیا کی فوجیں روسیوں کے ساتھ تھیں یا نہیں مگر پہلی رائے زیادہ قرین قیاس اور امر واقعہ پر مبنی معلوم ہوتی ہے۔

۱۶ ستمبر کو عثمانی فوج نے روسی لشکر پر حملہ کیا، اور دونوں کے درمیان ایک سخت ہولناک معرکہ کارزار گرم ہوا۔ جس کا نتیجہ روسیوں کی فتح اور بالڈیویا (Maldaria) کے علاقہ پر اُن کا استیلاء کامل تھا۔ اس واقعہ کے بعد اُنہوں نے خوٹین اذاف (Azov) اور ٹاکانروگ (Taganrog) فتح کر لئے۔ اور ۱۶ نومبر ۱۷۶۹ء کو روسی فوجیں بخارسٹ (Bokharest) پر بھی قابض ہو گئیں بخارسٹ موجودہ سلطنت رومانیہ کا دارالسلطنت ہے۔ اور صوبہ بالڈیویا والیشیا سے مل کر پورا رومانیہ بنتا ہے۔

روس نے اپنی اس فتح سے مغرور ہو کر یونان کو دولت عثمانیہ کے قبضہ سے نکالنے کی کوشش کی۔ پہلے ہی وہ اپنے ایک کارندے کو یونان میں بھیج چکا تھا تاکہ یونانیوں کو دولت عثمانیہ کے خلاف بھڑکائے اب ۱۷۷۰ء کے اواخر میں جنگی بیڑے بھی بحر ابیض متوسط (Mediterranean sea) کیطرف بھیجے جن میں سے ایک کی قیادت کپتان اسپیروٹوف روسی کے سپرد تھی، اور دوسرے کا کمانڈ کپتان الفنسٹن انگریز تھا۔ اُن کے پہنچنے پر یونانیوں کی جماعتیں اکٹھی ہونی شروع ہوئیں، اور دولت علیہ کے خلاف بغاوت برپا کرنے لگیں، مگر ترکوں اور البانیوں کے بڑھتے ہی سب تتر بتر ہو گئیں۔ آخر روسی نا امید ہو کر واپس ہو گئے اور اس موقع پر یونان کو آزاد کرانے کے متعلق اُنکی ساری توقعات خاک میں مل گئیں۔

پھر روس نے اپنی یونان کی ناکامی کا بدلہ دولت علیہ سے لینا چاہا اور اس کے جہازوں اور بیڑوں کا پیچھا کیا مگر بندر چشمہ پر چند ترکی کشتیوں کو چھین لینے کے سوا اُنھیں اور کچھ نہ ملا۔

اس جنگ میں یورپ کی ہر سلطنت ایک دوسرے سے مختلف سیاست رکھتی تھی۔ فرانس دولت علیہ کا دوست، روس کا دشمن اور یورپ میں تنہا پولینڈ کا حامی تھا۔ مگر اُس کی یہ دوستی اور پولینڈ کی حمایت کسی بارہ میں بھی مفید ثابت نہیں ہوئی کیونکہ روس پروشیا اور آسٹریا تینوں پولینڈ کی تقسیم کے معاملہ میں آخر کار متحد ہو گئے تھے، جیسا کہ لوگوں کو تجزیہ پولینڈ کی تاریخ سے معلوم ہو گا پس ایسی حالت میں محال تھا کہ فرانس اس جنگ میں دولت علیہ کی عملی مساعدت کرتا، ورنہ اُسے تمام دول یورپ سے جنگ چھڑ جانے کا خوف تھا۔ مگر باوجود اس کے کہ وہ خود اپنی ذات کے لئے جنگ سے خائف تھا، دولت علیہ کو برابر جنگ کی ترغیب دے رہا تھا۔ اور سب سے زیادہ وہی تھا جس نے عثمانیوں کو جنگ پر اکسایا۔ ان تمام قوموں اور سلطنتوں کا یہی حال ہے کہ جب کسی کام میں بھلائی اور برائی دونوں کا احتمال دیکھتی ہیں تو چاہتی ہیں کہ دوسرا کھڑا ہو جائے۔ پھر اگر نتائج اچھے نکلتے ہیں تو اُن سے خود فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتی ہیں اور اگر برے نکلتے ہیں تو پہلو بچا جاتی ہیں۔

---

[1] یہ دونوں الفاظ اصطلاحی ہیں۔ اول الذکر کے معنے ہیں سامان جنگ مہیا کرنا اور دوسرے کے معنے ہیں افواج مرکز جنگ پر جمع کرنا جسے انگریزی میں (Mobilization) کہتے ہیں۔

[2] جبل اسود عربی مانٹی نیگرو کو کہتے ہیں۔ مانٹی نیگرو کا لفظی ترجمہ ہے

شوازیل فرانس کا وزیر خارجہ اس دوغلی سیاست کا بڑا ماہر تھا۔ اور اسی لئے آسٹریا چونکہ اس کے اس چال سے واقف تھا۔ اس نے باوجود فرانس کا حلیف ہونے کے اس کے کسی رائے اور نصیحت پر عمل نہیں کیا شوازیل ایک ہی وقت میں روس اور ترکی دونوں کو کمزور کرنا چاہتا تھا جیسا کہ وہ اپنے ایک مراسلہ مورخہ دسمبر ۱۷۶۹ء میں پرنس کونیٹز وزیر آسٹریا کو لکھتا ہے کہ:۔

"فرانس کے نزدیک سب سے بہتر نفع جو ہمارے اتحاد (یعنی اتحاد فرانس و آسٹریا) کو حاصل ہوگا یہ ہے کہ اگر روس اور ترکی میں جنگ جاری رہی اور ایک دوسرے کے ممالک فتح کرتے رہے تو دونوں ضعیف ہو جائینگے، اور حالات مساعد رہے تو تمام فوائد و منافع ہمارے ہوں گے۔"

رہی آسٹریا کی سیاست تو اُس نے ۱۷۵۳ء میں دولت علیہ کے خلاف روس سے ایک معاہدہ کیا تھا مگر وہ ۱۷۶۲ء میں اسلئے ٹوٹ گیا کہ روس نے پروشیا سے اتحاد کر لیا۔ پھر جب دولت علیہ اور روس کے درمیان جنگ کا اعلان ہوا تو اُس نے ابتداءً کار میں ترکی سے دوستانہ رویہ رکھتے ہوئے غیر جانبداری اختیار کی۔ ۱۷۶۹ء کے اواخر میں اُس نے اپنے سفیر متعینہ آستانہ موسیو ٹھوگوٹ کے ذریعہ کوشش کی کہ اعلیحضرت سلطان المعظم کے وزرا کو آسٹریا کی ثالثی میں مصالحت پر آمادہ کریں۔ مگر اس سے مقصود درحقیقت صلح کرانا نہ تھا۔ بلکہ ترکی کے ممالک محروسہ میں سے کچھ علاقہ اپنے لئے بھی حاصل کرنا اور بین الاقوامی سیاست میں نفوذ پیدا کرنا تھا۔ اسی بحث کے دوران ہی قارئین کرام دیکھیں گے کہ آسٹریا اُس زمانہ میں کیسی پالیسی پر چل رہا تھا۔ کسطرح ایک طرف روس کے خلاف دولت علیہ کا حلیف بنا ہوا تھا۔ اور دوسری طرف دولت علیہ کے خلاف روس سے عملی اتحاد برت رہا تھا۔

پروشیا کے تخت پر اُس زمانہ میں فریڈرک اعظم متمکن تھا جس کی سیاسی چالبازی اور دور بینی کے ہر واقعہ سے فائدہ اُٹھانے کی زبردست قوت مشہور ہے۔ اُس نے مسئلہ شرقیہ میں اپنی سیاست یہ رکھی تھی کہ روس اور ترکی کی جنگ سے فائدہ اُٹھائے اور ترکی کے استقلال کی حفاظت کرے۔ چنانچہ وہ اپنے مشہور مذکرات سیاسی میں لکھتا ہے کہ:۔

روس کی پیشقدمی اور توسیع مملکت کی صورت میں ہمارے لئے دو طریقے ہیں۔ اوّل یہ ہے کہ اُسے زیادہ بڑھنے اور ملک فتح کرنے سے روکیں اور دوسرے یہ کہ اُس کے تقدم اور فتوحات و توسیع سے ہوشیاری کے ساتھ فائدہ اُٹھائیں اور یہی بہتر صورت ہے۔

فریڈرک نے اس دوسری ہی صورت پر عمل کیا جیسا کہ خود وہ لکھتا ہے۔ اس نے روس کے ساتھ بھی دوستی قائم رکھی اور ترکی سے بھی معاملہ نہ بگڑنے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس سے زیادہ کسی نے اس جنگ سے فائدہ نہیں اُٹھایا۔

جب روس اور ترکی میں جنگ شروع ہوئی تو فریڈرک کی تمام تر توجہ آسٹریا کی پالیسی کو سمجھنے میں مصروف تھی یعنی یہ کہ آیا وہ فرانس کا حلیف اور ترکی اور انڈیپنڈنٹ کا حامی رہیگا۔ یا روس سے سازباز کرکے روسی پروشی اتحاد کی سابقہ اہمیت کو کم کریگا اس سازکو توڑنے کے لئے اُس نے اپنی حیرت انگیز فراست اور زبردست ذکاوت سے ایک عجیب طریقہ اختیار کیا جس سے آسٹریا اور فرانس میں اختلاف واقعہ ہو گیا۔ روس اور آسٹریا کے درمیان اتحاد واقعہ ہو گیا روس

اور آسٹریا کے درمیان مخالفت نہ پیدا ہوئی، اور روسی پروشی اتحاد اپنی سابقہ اہمیت کیساتھ بدستور قائم رہا۔ چنانچہ اُس نے رُوس آسٹریا اور پروشیا کے مابین ایک اتحاد ثلاثہ کی تجویز پیش کی جس کا مقصد یہ تھا کہ مسئلہ شرقیہ کو حل کیا جائے کہ ٹرکی میں نہیں بلکہ پولینڈ میں۔ بالفاظ دیگر پولینڈ کو تینوں سلطنتوں میں تقسیم کرنیکی تجویز تھی۔ پولینڈ کی تقسیم فریڈرک اعظم کی آرزوؤں میں سے ایک بڑی آرزو تھی کیونکہ وہ اس میں پروشیا کے لئے ایک بڑا نفع اور اس کے نفوذ سیاسی کے لئے بڑا میدان دیکھ رہا تھا۔
مگر جب پولینڈ کی تقسیم کے اس مسئلہ کو پہلی دفعہ ہر سوس سفیر پروشیا متعینہ سینٹ پیٹرس برگ نے موسیو پانین روسی وزیر اعظم کے سامنے پیش کیا۔ تو اُسنے جوابدیا کہ اس اتحاد ثلاثہ کو دولت عثمانیہ کی تقسیم کا معاملہ بھی اپنے ہاتھ میں لینا چاہئے فریڈرک نے یہ جواب سنتے ہی کانوں پر ہاتھ رکھا اور کچھ عرصہ کیلئے اتحاد ثلثہ کی تجویز کو ملتوی کر دیا۔ اس کی وجہ ہم اوپر بتلا چکے ہیں کہ فریڈرک کو دولت علیہ کے بقا میں پروشیا کے لئے بڑا فائدہ نظر آرہا تھا، وہ اپنی پیش بینی اور جودت ذہن سے دیکھ رہا تھا۔ کہ آئندہ زمانہ میں کچھ ضروری نہیں ہے کہ روس اور پروشیا کا اتحاد ابدالدہر تک باقی رہے، پس دونوں کی نفاق کی صورت میں دولت علیہ کا وجود روس کے مقابلہ میں ایک مستحکم روک اور زبردست چٹان ثابت ہوگا جس سے بہرحال پروشیا کے لئے بڑی تقویت ہوگی اور جسپر مقتضاء حوادث کے مطابق اعتماد کیا جا سکیگا۔

زمانہ نے ثابت کر دیا کہ فریڈرک اعظم نے (جو پروشیا کی توسیع نفوذ پر پہلا عامل وفدۃ المعنی[۱] دوفدۃ المانی) کی تجویز کا واضع اول تھا جسے بعد میں ولیم اول اور بسمارک نے تکمیل کیا) بڑی زبردست پیش بینی سے کام لیا تھا۔ چنانچہ آج اُس کے خاندان میں ہز امپیریل مجسٹی قیصر ولیم کو اُس کی اہمیت محسوس ہوئی ہے اور اُنہوں نے دولت علیہ سے دوستانہ روابط کی توسیع و توثیق میں سعی بلیغ فرمائی ہے جس سے تمام عالم عموماً اور جرمنی خصوصاً مستفید ہوگا۔

فریڈرک نے روسی وزیر کا جواب سُنکر اسوقت اپنی تجویز ملتوی کر دی، مگر تقسیم پولینڈ کے عزم پر بدستور مستقل رہا۔ اب تھوڑی دیر کے لئے اُس نے روس کو چھوڑ کر آسٹریا سے خفیہ اتحاد اور دوستی پیدا کرنے کی کوشش کی، اور شہر مینس (Neioos) میں جوزف ثانی شاہ آسٹریا سے (جو مشہور میریا تھیریسیا کا بیٹا تھا) ملکر اگست سنہ ۱۷۶۹ء میں ایک معاہدہ اتحاد مکمل کر لیا۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ روس کچھ عرصہ تک جنگ کی پریشانیوں میں مبتلا ہوکر آخر خود اُس کی رائے قبول کرنے پر مجبور ہو جائے اور اس کی نصائح پر عمل کرنے کا فائدہ محسوس کرے۔

نتیجہ وہی ہوا جو فریڈرک نے سونچا تھا، یعنی اس معاہدہ اتحاد سے روس سخت اندوہناک

---

[۱] المانیہ عربی میں جرمنی کو کہتے ہیں۔ وفدۃ المانی سے مراد تمام جرمن اقوام کا ایک مرکزی سلطنت میں جمع ہونا ہے۔ اُس زمانہ میں جرمن قومیں متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور فرانس اور آسٹریا کی حکومت میں ملی ہوئی تھیں سب سے پہلے فریڈرک نے ان سب کو ایک مرکز پر لانے کی کوشش شروع کی جسے بسمارک نے سنہ ۷۱-۱۸۷۰ء کی جنگ فرانس و جرمنی میں مکمل کر کے متحدہ جرمن امپائر قائم کر دی۔

ہوا، اور چونکہ اُسے معاہدہ کا مضمون معلوم نہ تھا۔ اس لئے اُس نے خیال کیا کہ غالباً مسئلہ شرقیہ کو اس کے خلاف حل کرنے کے لئے یہ اتحاد عمل میں آیا ہے۔ آخر مجبوراً اس نے ۱۲ اکتوبر ۱۷۶۹ء کو پروشیا سے اتحاد کی تجدید کی اور اس شرط پر راضی ہوگیا کہ یہ معاہدۂ اتحاد ۱۷۸۰ء تک نافذ العمل رہیگا۔ اس اتحاد سے پروشیا نے وہ سب کچھ حاصل کر لیا جس کا وہ متمنی تھا، یعنی یہ کہ روس نے اس کے اتحاد کی قیمت کو سمجھ لیا، روس میں اس کی رائے کے لئے ایک خاص وقعت اور اہمیت پیدا ہوگئی، آسٹریا سے اس کا دوستانہ اتحاد قائم ہوگیا، وہ روس کا دوست اور آسٹریا کا حلیف بنگیا، اور اس طرح اپنی زبردست تجویز یعنی دول ثلاثہ کے مابین تقسیم پولینڈ کو عمل میں لانے کا اُسے موقع مل گیا۔

تکمیل اتحاد کے ایک سال بعد فریڈرک نے اپنے بھائی پرنس ہنری کو قیدۂ کیتھرائن سے ملنے کے لئے سینٹ پیٹرس برگ بھیجا اور وہ ۱۲ اکتوبر ۱۷۷۰ء کو روسی دارالسلطنت میں داخل ہوا پیٹرس برگ کے دوران قیام میں اُسنے بارہا قیصرہ اور روس کے رجال سیاست سے تقسیم پولینڈ کے معاملہ میں اتحاد ثلاثہ، روس و پروشیا و آسٹریا پر گفتگو کی اور اس تجویز پر روس میں ایسا عام اتفاق دیکھا جو پہلے کبھی نہ تھا۔

دوسری طرف پروشیا نے دولت علیہ کو جنگ موقوف کرنے اور اپنی ثالثی میں صلح منعقد کرنے کی ضرورت جتانی شروع کی حتےٰ کہ وہ اس پر راضی ہوگئی، اور ۱۲ اگست ۱۷۷۱ء کو ایک مراسلہ میں اس نے پروشیا اور آسٹریا سے درخواست کی کہ وہ بیچ میں پڑکر اس کے اور روس کے درمیان صلح کرادیں۔

ناظرین کرام دیکھ چکے کہ اٹھارویں صدی میں مسئلہ مشرقیہ کے متعلق روس، فرانس، پروشیا اور آسٹریا کی سیاست کیا تھی؟ اب رہا انگلستان سو وہ اس صدی میں دوغلی سیاست پر چلتا رہا۔ ایک طرف اُس نے جنگ میں ہر طرح رُوس کی مدد کی اور دوسری طرف دولت علیہ پر اپنی دوستی کا اظہار کرتا رہا تاکہ اُس کے اسرار سے واقف ہو اور روس کو خبریں دیتا رہے۔ جسوقت یہ جنگ شروع ہوئی تھی اُسوقت انگلستان مسائل ہند میں مشغول تھا۔ جو چند برس سے بہت نازک صورت اختیار کر گئے تھے۔ اور چونکہ روس اُس زمانہ میں انگلستان کا دوست بنا ہوا تھا اور ہندوستان پر بڑھنے اور اُسے انگریزوں سے چھیننے کا فی الحال اُس کے دل میں کوئی خیال نہ تھا، برخلاف اسکے فرانس ہندوستان میں اُس کا تنہا رقیب اور سخت دشمن تھا، اس نے انگریزوں سے روس کی اعانت و دوستی اور فرانس اور ٹرکی کی مخالفت و دشمنی کا راستہ اختیار کیا۔ ان اسباب سیاسی کے علاوہ کچھ تجارتی وجوہ بھی تھے جنہوں نے انگلستان کو اس پالیسی پر چلایا اور وہ یہ تھی کہ شمالی یورپ میں اسوقت تنہا وہی تجارت کر رہا تھا اور انگریزی مال کے لئے روس سب سے بڑی منڈی تھا۔ اور اسکے ساتھ ہی کثیر التعداد انگریزی ملاح روسی بیڑہ میں ملازم تھے۔

فرانس کے وزیر اعظم موسیو شوازیل نے انگریزی اعانت کو دیکھ کر اپنی مجلس الوزراء کے سامنے تجویز پیش کی کہ روسی جہازوں کو فرنچ علاقوں سے نہ گذرنے دیا جائے، مگر قبل اس کے کہ مجلس مذکور کوئی فیصلہ کرتی لنڈن کی گورنمنٹ نے فرانس کو الٹی میٹم بھیجدیا کہ روس کے خلاف ہر عمل انگلستان

کی توہین سمجھا جائے گا۔ اور اُس کی دشمنی کا باعث ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان روس کا کیسا گہرا دوست تھا۔ یا بالفاظ دیگر معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان کو اُسوقت روس سے کتنا فائدہ پہنچ رہا تھا۔
اس صدی میں مسائل مشرقیہ سے انگلستان کی کم تعلقی کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ وہ اپنے داخلی اضطرابات میں مصروف تھا اور امریکہ اپنے استقلال کے لئے اس سے سخت جنگ کر رہا تھا، جسے آخرکار اُس نے خون کی قربانیاں دیکر حاصل کیا۔
مگر انگریزی سیاست کی سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ انہوں نے باوجود روس کی ہر طرح اعانت کرنے کے دولت علیہ پر اپنی دوستی جتانی چاہی اور ۱۷۷۰ء کے موسم خزاں میں اس سے درخواست کی کہ وہ اپنے اور روس کے درمیان صلح کرانے کے لئے اُن کی ثالثی منظور کرے اس درخواست کا جو دلچسپ جواب دولت علیہ نے سرموریس سفیر انگلستان کو دیا تھا وہ اس قابل ہے کہ اُسے قارئین کرام کے سامنے پیش کیا جائے۔ رئیس آفندی[1] نے دوران تحریر میں لکھا کہ:۔
"یہ بات نہایت حیرت انگیز اور غیر معمولی جرات پر مبنی ہے کہ انگلستان باب عالی کے سامنے اپنی ثالثی کی تجویز پیش کرتا ہے حالانکہ روسی بیڑہ میں اس کے جہاز موجود ہیں جو ہم سے لڑ رہے ہیں اس کو ہم صرف یہی سمجھ سکتے ہیں کہ وہ جنگ میں توسط کی خواہش محض ہمارے دشمن کو مدد پہنچانے کے لئے کرتا ہے۔ اور یہ کہ اس کی یہ دوستی صرف ایک پردہ ہے۔ انگلستان کو صاف طور (اپنی) پالیسی کا اعلان کر دینا چاہیئے کہ وہ کسکا ساتھی اور کس کا دشمن ہے تاکہ کوئی دھوکے میں نہ رہے۔"
اس معقول جواب نے انگریزوں کے حواس درست کر دئے اور انھیں سمجھا دیا کہ ترک اُن کی سیاست کی حقیقت سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اس میں کتنا کھوٹ اور نفاق بھرا ہوا ہے۔ اب انہوں نے روسی لشکر اور بیڑہ میں سے اپنے سپاہی اور افسر نکالنے شروع کر دئے مگر اس کے بعد کہ لڑائی کا بڑا حصہ ختم ہو چکا تھا۔
پھر دولت علیہ نے آسٹریا اور پروشیا سے بیچ میں پڑنے کی درخواست کی تو انگلستان نے فوراً روس کو مطلع کر دیا اور مشورہ دیا کہ حریف خود پیچھے ہٹ رہا ہے اسلئے صلح پر تیار ہونا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت انگلستان دولت علیہ میں روس کے جاسوس کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔

جب روس کو انگلستان کے ذریعہ معلوم ہوا کہ دولت علیہ صلح چاہتی ہے تو اُس نے پروشیا اور آسٹریا کی کوششوں کو روکنے کی سعی کی چنانچہ اپنے جنرل رومانشوف کو بتاریخ ۲۶ر ستمبر ۱۷۷۰ء حسب ذیل تحریری ہدایت نامہ بھیجنے کا حکم دیا۔ کہ روس باب عالی سے اسوقت تک صلح بارہ میں کوئی گفتگو کرنے کے لئے تیار نہیں ہے جب تک اس کا سفیر موسیو اوبرسکوف آستانہ میں قید ہے" اس کے ساتھ ہی اس نے پروشیا اور آسٹریا کو مداخلت سے منع کیا کیونکہ یہ مداخلت فرانس کو بھی ضرور دخل دینے کا موقع دیگی اور یہ بات قیصرۂ روس کو بالکل منظور نہیں ہے۔

---

[1] رئیس آفندی اُس زمانہ میں دولت علیہ کے وزیر خارجہ کا خطاب ہوتا تھا۔

اس دوران میں روسی فوجیں شہر بندر (Bendery) اکرمان (Akkerman) اور بیرا (Berlaa) پر قابض ہوگئیں۔ اور جب روس اور پرشیا کے درمیان صلح کے معاملہ میں مراسلت نے زیادہ طول کھینچا تو قیصرہ روس نے فریڈرک کو وہ شرطیں لکھدیں جن پر وہ صلح کر سکتی تھی۔ شرطیں یہ تھیں کہ "آزاف اور کاباردا روس کے قبضہ میں رہیں والیشیا (Wallachia) اور مالڈیوا تاوان جنگ کے طور پر ۲۵ برس تک آزاد یا روسی تسلط میں رکھے جائیں، بصربیا اور کریمیا کے تاتاریوں کو خود مختار کر دیا جائے، بحر اسود میں جہازرانی آزاد ہو، بحر ایجین میں ایک جزیرہ روس کو دیا جائے اور ان تمام یونانیوں کو عام معافی دیجائے جنہوں نے دوران جنگ میں بغاوت کی ہے۔" ان شرطوں کو سنکر فریڈرک سخت حیران ہوا اور اُسے روس کے مطالبات اور اسکی ہوس نے تعجب میں ڈالدیا۔ اسموقع پر رشین منسٹری نے آسٹریا اور پرشیا کے سفرا کو مطلع کیا کہ دولت علیہ براہ راست روس سے کوئی گفت و شنید کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اگر وہ صرف آسٹریا اور پرشیا کی وساطت ہی سے ایسا کر سکتی ہے نیز یہ کہ اس ارادہ سے روسی جنرل رومانشوف کو بھی مطلع کر دیا گیا ہے۔

روسی شرائط صلح کو دیکھتے ہی فریڈرک نے اپنے بھائی ہنری کو جو ابھی تک سینٹ پیٹرسبرگ ہی میں تھا، بتاریخ ۲ جنوری ۱۷۷۱ء لکھا کہ "روس نے جو شرطیں صلح کے لئے پیش کی ہیں۔ انہیں دیکھ کر مجھے سخت حیرت ہوئی۔ میرے لئے بالکل محال ہے کہ ان کو آسٹریا یا ٹرکی کے سامنے پیش کروں، کیونکہ ایسی شرطیں قطعاً ناقابل قبول ہیں۔" اس خط میں اُسنے اپنے بھائی کو یہ بھی لکھا کہ ان شرطوں کو دول یورپ کبھی پسند نہیں کر سکتیں بلکہ آسٹریا کے لئے تو انہیں پیش کرنا اعلان جنگ کے ہم معنی ہے۔ ۵ جنوری ۱۷۷۱ء کو اُسنے خود قیصرہ کے نام ایک خط بھیجا جس میں صاف لکھدیا کہ اگر روس آسٹریا کی جنگ سے بچنا چاہتا ہے تو اُسپر لازم ہے کہ آزف اور کاباردا لینے پر قناعت کرے اور بحر اسود میں جہازرانی کی آزادی غنیمت سمجھے۔

ادھر کیتھرائن پرنس ہنری سے پولینڈ کی تقسیم کے متعلق گفتگو کر رہی تھی۔ چنانچہ جب اس کی اطلاع ہنری نے اپنے بھائی کو دی تو وہ بہت خوش ہوا، کیونکہ یہ بات اُس کی مرضی کے بالکل مطابق تھی۔ مگر باوجود اس مسرت کے اُس نے اپنے اصول پر پولینڈ میں مسئلہ شرقیہ کو حل کرنے کی کوشش کی جس سے دولت علیہ کے بقا کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اور روس کو لکھدیا کہ اگر وہ ولیشیا اور مالڈیوا کے مطالبہ سے دست بردار ہوجائے تو پولینڈ کی تقسیم کی جاسکتی ہے۔

دوسری طرف آسٹریا کو جب روس کے ارادوں کا حال معلوم ہوا۔ تو اُس نے ٹرکی سے اتحاد قائم کرکے روس کی مخالفت کرنے اور اس طرح فائدہ اٹھانے کی تدبیر سوچی اور اُس کے وزیر اعظم موسیو کونیٹز نے اپنے سفیر موسیو تھوگوت متعینہ آستانہ کو ٹرکی مدبرین سے آسٹریا اور ٹرکی کے درمیان ان شرطوں پر معاہدہ اتحاد کرنے کی گفت و شنید کا حکم دیا کہ ٹرکی ہر سال آسٹریا کو ۳۴ ملین فورین (یعنی ۳۰ لاکھ اشرفی سے کچھ زیادہ) دیا کرے گا نیز لٹل ولاچیا اور شہر بلگریڈ سے آسٹریا کے حق میں دست بردار ہو جائیگا، آسٹرین کو اپنے ملک محروسہ میں خاص تجارتی امتیازات عطا کرے گا۔ اور ان سب پر مزید یہ کہ حالت جنگ میں اسے ۶۰ ہزار سپاہی دیا کرے گا ان

کے مقابلہ میں آسٹریا یہ شرط قبول کرتا ہے کہ اگر قیصرہ نے طریق مباہرت[ٹ] سے ان ممالک کو واپس نہ کیا جو اُس کی فوجوں نے دولت علیہ سے چھین لئے ہیں تو وہ اس سے جنگ کرے گا۔

اسکے ساتھ ہی کونیٹز نے فریڈرک سے بھی گفتگو شروع کی اور چاہا کہ آسٹریا اور روس کی جنگ چھیڑنے پر پروشیا غیر جانبداری پر قائم رہے، مگر فریڈرک نے فریب کا طریقہ اختیار کیا اور کوئی صاف جواب نہیں دیا۔

فرانس آسٹریا کا دوست اس زمانہ میں اپنے بیڑہ سے ٹرکی کی مدد کرنا چاہتا تھا جس کے عیوض ٹرکی اسکو ایک مقررہ مالی معاوضہ دیتا۔ مگر تھوگوٹ سفیر آسٹریا نے (جو فرانس کے تنخواہ دار جاسوس کی حیثیت سے اسکو بہت سے اسرار لکھا کرتا تھا۔ مگر درحقیقت فرانس کو دہوکھا دیکر اپنے وطن ہی کا فائدہ سوچتا تھا) فرانس کی اس تجویز کو ناکام کرنے میں اپنی ساری قوت صرف کردی اور سلطنت عثمانیہ کے مدبرین سیاست کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ فرنچ بیڑہ کی اعانت اُن کے لئے کسی طرح بھی مفید نہیں۔ کیونکہ جنگ محض بری ہے نہ کہ بحری اور یہ کہ فرانس کا مقصد دولت علیہ کی مساعدت نہیں بلکہ دولت روس کی مخالفت ہے اور اس لئے وہ یہ چاہتا ہے کہ جنگ کا سلسلہ جاری رہے۔ تھوگوٹ اپنی اس چال میں کامیاب ہوگیا اور مدبرین عثمانی پر اس کا ایسا سکہ جما کہ اُنہوں نے اس کے ہر قول پر اعتماد کیا اور فرانس کی تجویز مسترد کردی۔

دولت علیہ کے ارباب حل وعقد اس خیال میں تھے کہ ہمارا فرانس کے ساتھ متحد ہونا آسٹریا کے لئے خود اس رغبت کا باعث ہوگا کہ ہماری مدد کرے کیونکہ وہ اس کا حلیف ہے مگر اصلیت یہ تھی کہ آسٹریا فرانس کے ساتھ ٹرکی کے تعلقات کی زیادتی سے خائف تھا، کیونکہ وہ سمجھتا تھا۔ کہ اگر فرانس کو دولت علیہ میں زیادہ اثر حاصل ہوگیا تو پھر ترکوں کو دہوکہ دینا اور اپنا کام نکالنا مشکل ہوجائیگا ترک اس راز کو نہ سمجھ سکے اور آخر فرانس کی کوشش کا ناکام ہونا ٹرکی کے لئے مضر اور آسٹریا کے لئے مفید ہوا۔

فرانس کو اسطرح شکست دینے کے بعد تھوگوٹ نے آسٹریا اور ٹرکی کے درمیان عقد تحالف کی کوشش کی۔ آسٹریا کی خوش قسمتی سے اس زمانہ میں کریمیا کے تاتاریوں نے بھی بصربیا کے تاتاریوں کی طرح روس کے آگے ہتھیار ڈالدیئے تھے۔ اس واقعہ نے دولت عثمانیہ کو کچھ ایسا خوفزدہ کردیا۔ کہ اسنے اضطراری حالت میں آسٹریا سے بہرصورت اتحاد کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اور ۱۰ جولائی ۱۷۷۱ء کی شام کو ایک معاہدہ پر دستخط ہوگئے۔ شرائط یہ تھیں کہ آسٹریا روس کے خلاف ٹرکی کی مدد کریگا؛ عثمانی مقبوضات میں سے کوئی علاقہ نکلنے نہ دیگا۔ اور پولینڈ کی حفاظت کرکے دولت عثمانیہ کی عزت کو برقرار رکھیگا۔ اس کے مقابلہ میں ٹرکی آسٹریا کو ۱۱۲۵۰۰۰۰ فلورین یعنی تقریباً ۱۰ لاکھ گنی دے گا، علاقہ مالڈیویا سے آسٹریا کے حق میں دست بردار ہوجائے گا؛ اور اہل آسٹریا کو اپنے ممالک محروسہ میں تجارتی آسانیاں بہم پہنچائے گا۔ نیز دوسرے شرائط میں سے ایک خاص طور پر نوٹ کرنیکے قابل

ٹ مباہرت عربی میں گفت و شنید کو کہتے ہیں جو انگریزی لفظ کے ہم معنی ہے

شرطیہ بھی تھی کہ یہ معاہدہ پوشیدہ رکھا جائیگا خصوصاً فرانس سے۔ دیکھو یہ وہی فرانس ہے۔ جو اتبک آسٹریا کا حلیف ہے!

معاہدہ طے کرنے کے بعد تھوگوٹ نے اس مسودہ کو اپنی حکومت کے پاس بھیجدیا اور اس سے تصدیق کی سفارش کی۔ کونیٹشر نے اس کو دیکھکر ایک اطمینان کا سانس لیا۔ اور بلا تامل تصدیق کردی۔

اب آسٹریا نے روس سے تہدید آمیز گفتگو شروع کی جس کا منشا صرف یہ تھا۔ کہ وہ اُس سے ڈرکر اسے بھی ٹرکی کی تقسیم میں شریک کرلے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ روس نے کاونٹ پاچین کو نیٹشر کے پاس بھیجا۔ کہ قیصرہ کی طرف سے ٹرکی کے تجزیہ کی تمام تجاویز پیش کرے۔ منجملہ ان تجاویز کے دو تجویزین اس مطلب کی بھی تھیں کہ روس اور آسٹریا کے درمیان ایک معاہدہ اتحاد ہو جائے۔ اور دونوں سلطنتین ترکوں کو یورپ سے نکال کران کا ملک آپس میں بانٹ لیں۔ تقسیم کی صورت یہ تھی کہ سرویا، بوسنیا، ہرزیگوونیا، البانیا اور مقدونیہ آسٹریا لے، اور بقیہ مقبوضات آستانہ سمیت روس کے لئے چھوڑدے۔ اگر یہ صورت منظور نہ ہو تو دوسری صورت یہ تھی کہ آسٹریا کو مالڈیویا، سرویا، بلغاریا، اور ہرزیگوونیا ملیں اور روس کے حصہ میں مقدونیہ، البانیا، رومانیا، جزائر ایجین (Aegean) ایشیائے کوچک اور قسطنطنیہ آئیں۔ اور اسیطرح روس کے وہ تمام علاقے ملجائیں جو ڈینیوب کے شمال اور بحر اسود کے کنارہ واقع ہیں۔ کریمیا اور موریا آزاد کردیئے جائیں تیسری صورت یہ تھی کہ ترک دریائے ڈینیوب کے شمالی کنارہ والے ممالک پر بدستور باقی رکھے جائیں، سرویا، بوسنیا، اور ہرزیگونیا آسٹریا کو دیدیئے جائیں اور روس کو بحر اسود کے ساحلی علاقے ملجائیں اور تاتاری آزاد کردیئے جائیں۔ ان تجاویز کے علاوہ کاونٹ ماچین نے کچھ اور بھی تجویزیں پیش کیں جو روس، آسٹریا اور پروشیا کے درمیان پولینڈ کی تقسیم کے متعلق تھیں؛

دیکھو! کیسی عجیب سیاست ہے کہ وہی آسٹریا جو ابھی دولت علیہ سے حلیفانہ اتحاد کرچکا ہے اور ایسے معاہدہ پر دستخط کئے ہیں جس کی رو سے اس کو دولت علیہ کے املاک کی حفاظت کے لئے روس سے لڑنا چاہئے، اب پیٹھ موڑ کر روس سے سازباز کررہا ہے، اور اسی دولت علیہ کی تقسیم پر گفت وشنید ہورہی ہے اوہاں وعدہ کیا ہے کہ عثمانی مقبوضات میں سے ایک انچ زمین روس کے پاس نہ جانے دیگا۔ اور یہاں ساری سلطنت کے بٹنے کی تجویز ہے! ابھی ابھی پولینڈ کی حفاظت کا ذمہ لے کر آیا ہے، اور اس معاہدہ کی روشنائی بھی نہیں سوکھنے پائی کہ روس کے ساتھ پولینڈ کے حصے بخرے کرنے پر تیار ہے۔

اسی دوران میں کہ آسٹریا ان حیرت انگیز تجاویز پر غور وبحث کررہا تھا، فریڈرک اعظم ان واقعات سے بیخبر تھا۔ اور پولینڈ کی تقسیم کا نقشہ سوچ رہا تھا۔ اس کا منصوبہ یہ تھا۔ کہ ڈینیوب کا علاقہ بدستور ٹرکی کے پاس رہے اور صرف پولینڈ میں مسئلہ شرقیہ حل کردیا جائے۔

دولت علیہ کا یہ حال تھا کہ معاہدہ ہوتے ہی اس نے تمام دفعات کی تکمیل کرکے آسٹریا کو اتحاد عمل کی ترغیب دینے میں جلدی شروع کی۔ ۱۵ رجولائی ۱۷۷۱ء کو اُن سے قرارداد کے مطابق ۱۰ لاکھ گنی کی خطیر رقم بھیجدی اور اس کے ساتھ وانا کی گورنمنٹ سے مطالبہ کیا کہ وہ بھی اپنے عہد

کو پورا کرے۔ مگر اودھ سے برابر حیل و حجت ہوتی رہی کیونکہ آسٹریا اپنے مقاصد کو بغیر کسی خرچ کے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اور کونیٹشر کی سیاست یہ تھی کہ خواہ روس سے ملکر ٹرکی کے خلاف کارروائی کیجائے۔ یا ٹرکی سے ملکر روس کے خلاف، بہرحال آسٹریا کو فائدہ عظیم حاصل ہونا چاہیئے۔ اس خیال سے وہ ٹرکی کو برابر ٹال رہا تھا۔ اور اس انتظام میں کہ شاید روس سے معاملہ طے ہوجائے معاہدۂ اتحاد کی دفعات مکمل کرنے سے پہلو بچانا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب ٹرکی نے بہت زیادہ اصرار سے اسپر زور دیا تو اس نے ۴ اکتوبر ۱۷۷۱ء کے ایک مراسلہ میں اسے اس طرح بھلانے کی کوشش کی "کہ میری گورنمنٹ اپنے عہد پر پوری طرح قائم اور دولت علیہ کی دوست مخلص ہے آپ اطمینان رکھیں کہ وہ اپنے عہد کو پورا کرے گی" اسے ایک خوف یہ بھی تھا۔ کہ اگر اس کی کسی حرکت سے روس اور پروشیا کو ٹرکی، آسٹری عہدنامہ کے وجود کا پتہ چل گیا تو پھر وہ آپس میں پولینڈ کو بانٹ لینگے اور ٹرکی کی تقسیم کا منصوبہ بھی رہ جائیگا۔

آخر کار راز کھلا۔ انگلستان کے سفیر متعین آستانہ لارڈ موری کو اس رقم کا حال معلوم ہوگیا جو دولت علیہ نے آسٹریا کو بھیجی تھی۔ اسنے فوراً اس خبر سے اپنی سلطنت کے سفیر متعین پیرس کو مطلع کیا اور اسنے سفیر انگلستان متعین پروشیا کو آگاہ کردیا۔ اس ذریعہ سے فریڈرک کو بھی حال معلوم ہوا۔ اور اسنے ایک طرف اپنے سفیر آستانہ کو لکھا کہ فوراً وزرائے عثمانی کو آسٹریا کی صحیح اغراض سے آگاہ کردو اور انہیں سمجھا دو کہ آسٹریا عنقریب ان کے مصالح کے خلاف کام کر رہا ہے، دوسری طرف اسنے اپنے سفیر پیرس کو حکم دیا کہ فرانس کو اس راز سے آگاہ کرے اور اسے مشورہ دے کہ روس اور ٹرکی میں صلح کرانے کے لئے اسے آستانہ میں ایک کانفرنس کی تجویز پیش کرنا چاہیئے اسی طرح اسنے قیصرہ روس کو بھی ان معاملات سے خبردار کردیا۔ اس کارروائی سے فریڈرک کا مقصد صرف یہ تھا۔ کہ تمام دول یورپ پر آسٹریا کی خیانت اور مکاری آشکار کردے اور انہیں بتلادے کہ وہ کسطرح ایک ہی وقت میں اپنے دونوں حلیفوں۔ ٹرکی اور فرانس کو دھوکہ دے رہا ہے

روس جنگ سے بہت تھک گیا تھا۔ ایک طرف اس کی فوجیں پولینڈ اور ٹرکی میں برابر جنگ کرتے کرتے عاجز ہوگئیں تھیں اور آرام چاہتی تھیں۔ اور دوسری طرف مالی حالت بہت خراب ہوگئی تھی۔ آخر کیتھرائن نے ۱۰ دسمبر ۱۷۷۱ء کو فریڈرک سے درخواست کی کہ وہ صلح کی سلسلہ جنبانی کرے اور لکھا کہ میں مالڈیویا اور والیشیا کے مطالبہ سے دست بردار ہوتی ہوں، البتہ اس مطالبہ پر قائم ہوں کہ ٹرکی بندر اور عشاکوف (Oczakow) روس کے حوالہ کرے، اور پولینڈ کی تقسیم قبول کرلے۔ اس کے ساتھ ہی قیصرہ نے درخواست کی اگر آسٹریا نے روس سے جنگ چھیڑ دی تو پروشیا ۲۰ ہزار سپاہیوں سے والیشیا اور مالڈیویا میں روس کی مدد کرے۔

فریڈرک جو پولینڈ کی تقسیم کے منصوبہ میں مصروف تھا، قیصرہ کے اس خط کو پڑھکر بہت خوش ہوا، کیونکہ اسے اس طرح اپنا ملک وسیع کرنے کا بہت اچھا موقعہ ہاتھ آرہا تھا۔ چنانچہ اسنے روس سے گفت و شنید کرکے پولینڈ کے بدقسمت ملک کی تقسیم کا معاملہ طے کرلیا۔ اب آسٹریا کے لئے فیصلہ کا وقت قریب آگیا کہ یا "فرانس اور ٹرکی سے اپنے عہد تحالف پر قائم رہے اور تقسیم پولینڈ کی مخالفت کرے، یا روس اور پروشیا سے ملکر اپنے معاہدات کو پامال کردے۔ کونیٹشر نے

دوسری صورت پسند کی اور اپنے مشہور سیاسی عقیدہ پر عمل کیا کہ "سیاست میں پابندی عہد اور عزت کوئی شے نہیں ہے"۔ شہنشاہ جوزف اور ملکہ میریا تھریسیا نے بھی اپنے وزیر اعظم کی رائے سے اتفاق کیا یہ اوائل ۱۷۷۲ء کے واقعات ہیں

۲۸ جنوری ۱۷۷۲ء کو کونیٹشر نے حکومت روس کو لکھا کہ آسٹریا پولینڈ کی تقسیم کو قبول کرتا ہے اور دولت علیہ کے باب میں قیصرہ کی تجویز سے متفق ہے۔ آخر میں اپنی اور اپنی حکومت کی یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ پولینڈ کی تقسیم میں بھی ویسا ہی حصہ لیگی جیسا ٹرکی میں یعنی الفاظ دیگر پولینڈ اور ٹرکی کو گوشت نوچکر کھانے پر تیار ہے۔ دیکھو! آسٹریا جیسی جلیل القدر یورپین سلطنت ٹرکی سے معاہدہ کرتی ہے کہ اس کے تمام کھوئے ہوئے مقبوضات لڑکر یا کسی اور طرح روس سے واپس دلائیگی، پولینڈ کی خود مختاری برقرار رکھنے کی کوشش کرے گی اور دولت عثمانیہ کے پاس شرف کی حفاظت میں ہر امکانی سعی سے دریغ نہ کریگی، مگر باوجود اس کے کہ اس معاہدہ کے مطابق ٹرکی سے ۱۰ لاکھ گنی بھی وصول کر چکی ہے! اب روس اور پروشیا سے ملکر نہ صرف پولینڈ کے حصے بخرے کرنے پر تیار ہے بلکہ ٹرکی کے جسم میں سے بھی کچھ بوٹیاں لینا چاہتی ہے! خود میریا تھریسیا نے اعتراف کیا ہے کہ یہ بے ایمانی حکومت آسٹریا کی شرافت کے بالکل خلاف تھی، وہ اپنے رسایل سیاسی میں تسلیم کرتی ہے کہ "یہ سیاست جسپر آسٹریا نے اس موقع پر عمل کیا شرافت، عزت اور ایک حکومت کی ذمہ داری کے بالکل شایان شان نہ تھی"۔

روس، آسٹریا اور پروشیا تینوں پولینڈ کی تقسیم پر متفق ہو گئے اور آخر کار رخلاء اور اہل ملک کے نفاق کی بدولت وہ عظیم الشان قوم جو اپنی شرافت، وطنیت اور خودداری کی شاندار روایات تاریخ کی زبان پر چھوڑ گئی ہے، پہلی مرتبہ ۱۷۷۲ء میں روس، پروشیا اور آسٹریا کی طمع اور دسیسہ کاری پر قربان ہو گئی

دولت علیہ نے جب یہ حال دیکھا کہ آسٹریا اپنے عہد سے پھر گیا ہے اور دورخی چال کھیل رہا ہے تو اُسنے وہ رقم روک لی جو اس بے غرضی کے ساتھ توڑے ہوئے معاہدہ کی رو سے اُس کو دوسرے سال بھیجی جانے کی تھی۔ اور لطف یہ ہے کہ موسیو کونیٹشر وزیر اعظم سلطنت آسٹریا نے اُلٹا دولت علیہ کو ملزم قرار دیا کہ اُس نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی! اور اس خلاف ورزی کو اپنے عہد سے پھر جانے کی وجہ ظاہر کیا۔

ٹرکی کو جب یہ معلوم ہوا کہ روس مالڈیویا اور والیشیا کے مطالبہ سے دست بردار ہو کر صلح کرنے کے لئے تیار ہے تو وہ بھی صلح کے لئے آمادہ ہو گیا اور ۱۰ جون ۱۷۷۲ء کو عہدنامہ التوائے جنگ پر دستخط ہو گئے جس کی رو سے طے پایا کہ جلد سے جلد دونوں سلطنتوں کے نمائندے شہر فوکشانی (Focshani) میں جمع ہوں اور شرائط صلح پر بحث ہو جائے۔ چنانچہ پہلی کانفرس بلدہ مذکور میں منعقد ہوئی اور ۲۰ دن تک بحث جاری رہی۔ اس میں تمام شرطیں طے ہو گئیں مگر تاتاریوں کی خودمختاری کا مسئلہ طے نہ ہو سکا۔ ٹرکی نمائندے کہتے تھے کہ خلیفۃ المسلمین ہونے کی حیثیت سے اعلیحضرت سلطان المعظم کسی طرح بھی تاتاریوں کی حکومت سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔ اور روسی نمائندے اس مسئلہ کے ستقلال پر برابر زور دے رہے تھے آخر کانفرنس برخاست ہو گئی۔ روس نے پھر درخواست کی کہ ایک اور مرتبہ

کانفرنس منعقد ہوا اور التوائے جنگ کی مدت بھی ۲۱ مارچ ۱۷۷۳ء تک بڑھا دی جائے۔ دولت علیہ نے بھی اسے منظور کر لیا اور دوسری کانفرنس شہر بخارسٹ میں منعقد ہوئی جس میں روس نے ملک تتار پر دولت علیہ کی حکومت تسلیم کر لی۔ مگر ایک دوسرا مطالبہ اُسنے یہ کیا کہ دولت علیہ کریچ (Kertch) اور ینی قلعہ (Yeni Kala) سے دست بردار ہو جائے۔ ترکوں نے اسے نامنظور کیا اور یہ کانفرنس بھی جنوری ۱۷۷۳ء میں بے نتیجہ برخواست ہوئی ۱۵ فروری ۱۷۷۳ء کو پھر دونوں سلطنتوں کے درمیان مخابرات کا سلسلہ جاری ہوا مگر اتفاق محال تھا، کیونکہ روسی اپنے مطالبہ پر پوری طرح اڑے ہوئے تھے اور دولت علیہ اس کو اس بنا پر مسترد کر رہی تھی کہ کریچ اور ینی قلعہ دینے کے بعد دار الخلافہ روس کے دوامی خطرہ میں مبتلا ہو جائیگا۔ آخر کار مخابرہ کا دروازہ بند ہو گیا اور جنگ پھر جاری ہو گئی؛

قیصرہ نے اپنے سپہ سالار جنرل رومانیٹسوف کو حکم دیا کہ ڈینیوب سے اُتر کر عثمانیوں پر حملہ کرے چنانچہ اسنے ایسا ہی کیا اور ۱۳ جون ۱۷۷۳ء کو سلسٹریا (Silistria) پر حملہ کر دیا، جو اب بلغاریہ کا ایک شہر ہے۔ مگر عثمانی فوج نے اُس کو سخت شکست دی اور بے شمار روسیوں کو قتل کر کے بقیۃ السیف کو بھگا دیا۔ اس موقع پر روسی جنرل وائسمین نے ایسی ماہرانہ فوجی کارروائیاں کیں کہ آخر اس کے مقابلہ میں ترکوں کو پسپا ہونا پڑا۔ اگرچہ اس حملہ میں وائسمین مارا گیا، مگر پھر بھی اُس نے روسیوں میں ایک جان پیدا کر دی۔

اس نئی جنگ میں روس نے سمجھ لیا کہ مصلحت اسوقت صلح کر لینے ہی کی مقتضی ہے، کیونکہ ایک طرف وارنا (Varna) پر اُس کی فوجوں نے سخت شکست کھائی تھی، دوسری طرف کریمیا کے تاتاری سلطان کی حکومت میں جانا چاہتے تھے، اور تیسری طرف خود روس میں پوگاچیف نے سخت بغاوت برپا کر دی تھی جس سے خود قیصرہ کی حکومت خطرہ میں پڑ گئی تھی ان سب باتوں سے مجبور ہو کر روس نے آسٹریا سے درخواست کی کہ وہ بیچ میں پڑ کر صلح کرا دے اور اس کے صلہ میں اُسنے وعدہ کیا کہ جو ممالک صلح کی رو سے ملینگے اُن کا ایک حصہ اُسے بھی دیگا۔

اس اثناء میں سلطان مصطفےٰ ثالث نے انتقال کیا اور اُن کی جگہ سلطان عبد الحمید اول تخت نشین ہوئے جنہوں نے جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا۔ مگر ترکی فوجیں لڑتے لڑتے عاجز ہو گئی تھیں اس نئے جنگ میں بہت نقصان اُٹھانا پڑا، اور آخر کار صدر اعظم نے جنرل رومانٹسوف سے صلح کی درخواست کی۔ ۲۰ جولائی ۱۷۷۴ء کو التوائے جنگ ہوا اور اس کے بعد ہی ۲۱ جولائی ۱۷۷۴ء کو کوچک کینارجی (Kutchuk Kaynar) میں وہ مشہور عہدنامہ لکھا گیا جس نے دولت علیہ کے داخلی معاملات میں یورپ کی مداخلت، مسیحیت اور اسلام کی مستقل نزاع، اور ان زبردست مسائل کا دروازہ کھول دیا جنکی بدولت انیسویں صدی میں نہایت ہولناک لڑائیاں وقوع پذیر ہوئیں اور دولت علیہ کی قطع و برید شروع ہو گئی۔ اس معاہدہ کی رو سے دولت علیہ روس کے حق میں کابارڈ، آزف، کریچ اور ینی قلعہ سے دست بردار ہوئی، ڈینیوب کے علاقے روس کی حمایت[1]

[1] یہ لفظ انگریزی اصطلاح (protection) کا ہم معنی جسکا سیاسی مفہوم مستقل قبضہ سے ملتا جلتا ہے۔

میں دیدیئے گئے، ترکی سیادت[1] میں کریمیا کی آزادی کا اعلان کردیا گیا، روس کو بحر اسود میں آزاد جہاز رانی کا حق دیا گیا، دولت علیہ کی آرتھوڈوکس عیسائی رعایا پر روس کی مذہبی حمایت تسلیم کی گئی۔

یہ آخری شرط دولت علیہ کے حق میں سب سے زیادہ قاتل ثابت ہوئی۔ کیونکہ اس نے رفتہ رفتہ تمام دول یورپ کو اُس کے اندرونی معاملات میں مسیحیت کے نام سے دخل دینے کا موقع دیدیا اور ہم دیکھیں گے کہ بعد میں جتنی لڑائیاں ترکوں کو لڑنی پڑیں اُن میں سے اکثر ایسی مسیحیت کی بدولت تھیں۔ اس معاہدہ کے بعد سے دولت علیہ کے ساتھ روس کی سیاست بالکل وہی ہوگئی جو اُس نے پولینڈ کے ساتھ برتی تھی، یعنی یہ کہ پہلے مقابل کی سلطنت میں اپنا ایک خاص گروہ ایسا پیدا کرے جو ضرورت کے وقت اضطرابات وحوادث برپا کرتا رہے، اور پھر خود اس جماعت کی حفاظت ونصرت کے نام سے سلطنت مذکورہ کے داخلی معاملات میں دخل دے حتیٰ کہ وہ ایک ماتحت ریاست کی سی حیثیت اختیار کرلے مگر اس سیاست نے پرشیا اور آسٹریا کی مدد سے جو کامیابی پولینڈ میں حاصل کی تھی وہ روس کی توقعات کے مطابق ترکی میں نہ حاصل کرسکی کیونکہ اول ترکی قوم خود ایک زبردست حرکت پسند اور شجاع قوم ہے اور دوسرے یورپین سلطنتیں اس کے معاملات میں کبھی باہم متفق نہیں ہوسکیں۔

آسٹریا نے روس اور ترکی کے اس اشتغال سے فائدہ اٹھا کر مالڈیوا کے ایک بڑے حصہ پر قبضہ کرلیا اور روس سے ترکی کے خلاف معاہدۂ اتحاد کرکے اُسے مطمئن کردیا۔

معاہدہ کینارجی کو کچھ زیادہ مدت نہ گذری تھی کہ روس نے اپنے کارندوں کے ذریعہ کریمیا میں فساد پیدا کرایا اور پھر اُسے فرو کرنے کے نام سے ایک زبردست فوج اندرون ملک میں بھیجدی تاکہ بظاہر تو رفع فساد اور قیام امن کا تھا مگر غرض حقیقی یہ تھی کہ ملک پر قبضہ کرلے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں دنیا کو معلوم ہوگیا کہ روس جو کریمیا کی آزادی پر اسقدر زور دے رہا تھا اُس کی علت غائی ہی یہ تھی کہ اُس پر سے ترکی عمل ودخل اُٹھ جائے اور پھر رفتہ رفتہ روسی اثر قائم کردیا جائے۔ دولت عثمانیہ نے اس حرکت پر سخت احتجاج کیا کیونکہ یہ معاہدہ کنارجی کے بالکل خلاف تھی، اور جب روس نے اس احتجاج کی کچھ پرواہ نہ کی تو باب عالی نے اعلان جنگ کا بھی فیصلہ کرلیا، مگر فرانس نے اُسے مطلع کیا کہ روس اور آسٹریا دونوں ترکی کے ممالک آپس میں تقسیم کرلینے کے لئے متحد ہوچکے ہیں اسلئے اس کو جنگ سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

روس مدت سے چاہتا تھا کہ کسی طرح پھر لڑائی چھیڑنے کا موقعہ ملے۔ جب اُس نے دیکھا کہ دولت اعلان کرتے کرتے رُک گئی تو اپنے مبلغین ترکی ممالک خصوصاً یونان، والیشیا اور مالڈیوا میں بھیجے تاکہ وہاں سلطنت کے خلاف بغاوت پھیلائیں، اور اپنے جاسوسوں کے ذریعہ ترکی مقبوضات میں ہر طرف شر وفساد کی تخم ریزی شروع کردی۔ ترکی کے لئے اب خاموشی محال تھی۔ اس نے دیکھا کہ جنگ کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں رہا۔ مگر باوجود ان مخالفانہ کارروائیوں کے اس اتمام حجت

---

[1] لفظ سیادت دو بالکل متضاد معنوں پر دلالت کرتا ہے اگر کسی کمزور ایشیائی سلطنت کے لئے استعمال کیا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ محض برائے نام اثر قائم ہے تاکہ لفظی پردہ میں حقیقت کھلنے نہ پائے اور اگر کسی طاقتور یورپین سلطنت کے لئے استعمال کیا جائے تو وہ کامل تسلط کے معنی ظاہر کرتا ہے جس میں صرف نگرانی کے پردہ میں پنجہ اپنا مقصود ہو۔

ضروری سمجھا اور سفیر روس کے ذریعہ حکومت روس سے مطالبہ کیا کہ وہ ایشیا کے حاکم کو جس نے سلطنت کے خلاف بغاوت کی ہے، ٹرکی کے حوالہ کر دے، اپنے اُن قنصلوں کو معزول کرے جو ترکی ممالک میں باشندوں کو بغاوت پر اُکساتے ہیں اور ترکی کو روسی کشتیوں کے تلاشی لینے کا حق دے جو قسطنطنیہ کے آبنائے سے گذرتی ہیں۔ روس نے ان مطالبات کو رد کر دیا اور جنگ چھڑ گئی۔

چونکہ آسٹریا روس کے ساتھ ٹرکی کے خلاف معاہدہ کر چکا تھا۔ اس لئے اُس نے ایک بڑی فوج ترکوں سے لڑنے کے لئے بھیجی اور شہر بلگریڈ پر حملہ کر دیا۔ مگر ترکی فوجوں نے اُسے ایسی سخت شکست دی کہ ٹیمسور (Temesvar) تک اُسے پسپا ہونا پڑا۔ روسی لشکر کو البتہ ترکوں کے مقابلہ میں کامیابی ہوئی۔ اور وہ شہر اوزی پر قابض ہو گئے۔

اس جنگ کے دوران میں ۷ راپریل ۱۷۸۹ء کو سلطان عبد الحمید اول نے انتقال کیا اور اُن کی جگہ سلطان غازی سلیم خان ثالث تخت نشین ہوئے۔ بادشاہ کا انتقال، دوسرے بادشاہ کی تخت نشینی اور جنگ کا پُر اضطراب زمانہ، ان سب باتوں نے ملک ٹرکی کو اور کمزور کر دیا، اور روس و آسٹریا نے اپنی متحدہ افواج کو ایک سپہ سالار کی قیادت میں دیکر سخت جارحانہ کارروائی شروع کر دی نتیجہ یہ ہوا کہ روسی الڈیوا و لیشیا اور بصریبیہ کے بڑے حصہ پر قابض ہو گئے۔ اور آسٹریا نے بلگریڈ فتح کر کے سربیہ کے بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا۔

حسن اتفاق سے جوزف ثانی شاہ آسٹریا مر گیا اور اس کی جگہ لیوپولڈ ثانی آسٹریا کے تخت پر بیٹھا۔ نئے بادشاہ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں فرانس والوں کی طرح جنہوں نے اپنے بادشاہ لوئی یازدہم کے خلاف اُس زمانہ میں بغاوت کی تھی۔ اس کے ملک والے بھی غدر نہ برپا کر دیں۔ اس لئے اُس نے بہتر سمجھا کہ دولت علیہ سے صلح کرلے، اور اگست ۱۷۹۱ء میں بمقام زشتوئی (Sistova) ایک معاہدہ ہو گیا۔ جسکے رو سے آسٹریا نے بلگریڈ اور سرویا کا تمام فتح کردہ علاقہ واپس کر دیا۔ اور دولت علیہ کو کوئی قابل ذکر نقصان نہیں اُٹھانا پڑا روس البتہ جنگ کرتا رہا حتےٰ کہ ہالینڈ، انگلستان اور پروشیا نے بیچ میں پڑکر صلح کرائی۔ اور جاسی (Jassy) میں ایک معاہدہ ہو گیا جس کی رو سے کریمیا، بصریبیا، دریائے ڈینسٹر (Dniester) اور دریائے بوگ (Bug) کے درمیانی ممالک اور شہر عشاکوف (Ochakov) پر روسی قبضہ تسلیم کر لیا گیا۔

اس طرح وہ شدید مصیبت ختم ہوئی جو اٹھارویں صدی کے اواخر میں نازل ہوئی تھی اور جو دراصل اُن مصائب کی تمہید تھی جو بعد کو انیسویں صدی میں ٹرکی پر نازل ہوئیں۔ ہم ان سب کا یکے بعد دیگرے ذکر کرتے ہیں۔

مسئلہ شرقیہ اُنیسویں صدی میں

اس فصل میں ہم دولت علیہ کی تاریخ نہیں لکھنا چاہتے بلکہ اُن مشہور اور اہم فتنوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو اس صدی میں پیدا ہوئے۔ لہذا چھوٹے اور معمولی حوادث کو حذف کر کے تفصیل کے ساتھ بڑے اور اہم واقعات کا سلسلہ وار ذکر کرتے ہیں :-

پہلا فتنہ

ہر وہ شخص جس نے دولت علیہ کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، جانتا ہے کہ سلطان غازی محمد ثانی نے جب استانہ فتح کیا تھا تو اوامر شرع شریف کے مطابق تمام مختلف المذہب باشندوں کو اُن کے عقائد اُن کی رسوم، اور اُن کے مذاہب میں کامل آزادی عطا کی تھی اور پوری رواداری سے کام لے کر سب امنیت عام سے بہرہ اندوز فرمایا تھا۔ اِن تمام قوموں میں یونانیوں سے خصوصاً ایسا اچھا معاملہ برتا گیا جس کا انہوں نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا چنانچہ اُن کی قوم کے ساتھ سلطان عثمانی نے یہاں تک مذہبی احترام والکرام برتا کہ جب فتح کے بعد اُن کے بطریق[ل] کو سرکاری طور پر تسلیم کیا گیا تو سلطان نے خود اس سے یہ الفاظ کہے کہ دو یونانیوں کی بطریقی قبول کرو، خدا تمہاری حمایت کرے۔ ہر موقع اور ہر حال میری اعانت کا یقین رکھو اور ان تمام امتیازات سے فائدہ اٹھاؤ جو اس سے پہلے تمہارے اسلاف کو حاصل تھے" یہ معاملہ جو یونانیوں کے ساتھ برتا گیا اپنی نوعیت میں بےمثل اور حیرت انگیز تھا کیونکہ خود عیسائیوں میں کیتھولک فرقہ یونانی آرتھوڈوکس چرچ سے ذلت و حقارت کا برتاؤ کرتا تھا۔ مورخین کے لئے محال ہے کہ وہ محمد فاتح اور مسلمانوں کی ان صفات عالیہ اور مکارم جلیلہ سے انکار کر سکیں جو آستانہ میں فتح کے بعد اُن سے ظاہر ہوئیں۔ اور جو مذہب اسلام کی روشن ترین روایات میں سے ہیں۔

اس مذہبی رواداری کے بدولت یونانیوں نے ایسی ترقی کی کہ تمام تجارت ان کے ہاتھوں میں آگئی اور دولت علیہ کی عنایت سے وہ نہایت دولتمند اور ذی ثروت ہو گئے مگر انہوں نے کبھی دولت علیہ کا احسان نہیں مانا نہ اسکے ساتھ وفاداری کی بلکہ ہمیشہ کفران نعمت اور نمک حرامی کرتے رہے۔ اور ان لوگوں کے صف میں سب سے آگے رہے جنہوں نے عثمانیوں کے گھر میں بیٹھکر اُن کے دشمنوں سے سازباز کیا۔

دولت عثمانیہ کی رعایا پروری اور مختلف الجنس و مختلف المذہب باشندوں کے ساتھ حسن نیت کا یہ حال تھا کہ اُسنے ان محکوم مسیحیوں پر پورا پورا اعتماد کیا اور صوبوں کی گورنریاں تک انھیں عطا کیں۔ چنانچہ سرویا، والیشیا، اور مالڈیویا پر عموماً یونانی ہی گورنر مامور ہوتے رہے۔ ترکوں کو توقع تھی کہ جسطرح انہوں نے ان لوگوں کے ساتھ احسان اور رعایت کا برتاؤ کیا ہے اسی طرح یہ بھی اُن کی صداقت سے خدمت کرینگے۔ مگر برخلاف اس کے انہوں نے اپنے محسنوں کے ساتھ مکاری کی اور دوستی کا لباس پہنکر دشمنی کا حق ادا کر دیا۔ بخصوصیت کے ساتھ وہ لوگ جنہیں سلطنت نے نہایت اعلےٰ مناصب عطا کئے تھے، انہوں نے اپنے نفوذ و اقتدار کو سلطنت کے خلاف لوگوں میں نفرت و بغاوت پھیلانے اور شر و فساد کی تخم ریزی کرنے پر صرف کیا۔

یونانی فساد پسندوں نے روس میں ایک جماعت قائم کی جس کا نام ہیٹاریا (جمعیت وطنیہ یونانیہ) (Rhili-ki Helainie) تھا۔ اس کا مقصد وحید یونان کو آزاد کرانا اور مذہب

[ل] عیسائیوں کا مذہبی پیشوا جسے انگریزی میں (patriarch) کہتے ہیں

اسلام سے انتقام لینا تھا۔ زار نے اس کی ہر ممکن طریقہ سے مدد کی اور اس کی مساعدت سے اس جماعت نے بہت کچھ نشو ونما پایا۔ اسکندر ہیپلانٹی (Alexandar Hyplantes) اور ڈیمیٹریوس ہیپلانٹی (Demetrio Hypslantes) زار کے عملۂ شخصی (پرسنل اسٹاف) کے خاص رکن اس جماعت کے زعماؑ میں سے تھے اور خود ہیٹاریا کا لیڈر کاپوڈاسٹریا (Capodastria) اسکندر اوّل زار روس کا وزیر تھا۔ یہ لوگ اپنے کارندے دولت علیہ کے ممالک محروسہ میں بھیجتے۔ اور وہ استقلال یونان کے نام سے بزدلانہ اقدامات قتل و غارت کرتے تھے۔

عام یونانی بغاوت کی ابتدا اسوقت ہوئی جو ۱۸۲۱ء میں ہیپلانٹی نے سرزمین یونان پر قدم رکھا اور تمام اہل یونان کو غدر کی دعوت دی۔ یہ حرکت زار روس کے اشارہ سے تھی اور ظاہر ہے کہ جب ہیپلانٹی زار کے باڈی گارڈ کا ایک آفیسر تھا تو ضرور اُس کی حرکات سیاسی میں زار کے ایما اور مرضی کو دخل ہوگا۔ چنانچہ خود ہیپلانٹی نے بھی اپنی دعوت کے اعلانات میں اس جملہ کو ہمیشہ دہرایا ہے کہ۔

"اگر ترکوں میں سے کوئی تمہاری ذات یا تمہاری املاک پر حملہ کرے تو اُس سے ہرگز خوف نہ کھانا کیونکہ تمہاری پشت پر ایک عظیم الشان سلطنت ہے جو ہر وقت تمہارے دشمنوں سے بدلہ لینے کے لئے تیار ہے"

دول یورپ میں سوائے آسٹریا کے اور کوئی سلطنت ایسی نہ تھی جس نے اس یونانی تحریک کی مخالفت کی ہو۔ صرف ایک آسٹریا تھا کہ برابر دولت علیہ کو یونانی باغیوں کی خفیہ سازشوں اور روس کی درپردہ کوششوں سے مطلع کرتا رہا۔ ورنہ سب نے اس معاملہ میں خاموشی یا یونانیوں کی درپردہ طرفداری سے کام لیا۔ انگلستان بسوا اُس نے ابتداءً روس کے خلاف دولت علیہ کی ہوا خواہی کا دم بھرنا چاہا اور ظاہر کیا کہ وہ یونانی تحریک کی سخت مخالفت پر تیار ہے۔ مگر دولت علیہ نے اس کے ان اظہارات کو مشتبہ سمجھا کیونکہ وہ اس کی طمع و حرص اور مسلمانوں کے ساتھ دبی نفرت سے واقف تھی خصوصاً اس کے بُرے ارادہ کا اظہار اس حرکت سے بخوبی ہوگیا تھا کہ اضطرابات یونان سے فائدہ اُٹھاکر اُس نے جزائر یونان پر قبضہ کرلیا تھا۔ آخر بعد کے واقعات نے اچھی طرح ثابت کردیا کہ دولت علیہ کی بدگمانی بالکل صحیح تھی، کیونکہ تھوڑی ہی مدت گزرنے کے بعد انگلستان بغاوت یونان کے معاملہ میں دولت علیہ کا سخت مخالف ہوگیا اور وہ کراہت جو اُسے یونانیوں کے خلاف ابتداءً ظاہر کی تھی کچھ عرصہ بعد علانیہ محبت اور کھلی مساعدت کی صورت اختیار کرگئی۔

آسٹریا نے نہ صرف یونانی غداروں کے خلاف دولت علیہ کی اعانت کی بلکہ اُس کے مشاور وزیر اعظم مسٹر میٹرنیخ ( ) نے زار اسکندر اوّل کو یہ سمجھانے کی انتہائی کوشش کی کہ وہ ممالک یونان میں اعادہ امن و سکون کی بھی کوشش کرے اور باغیوں کو سلطان محمود کی اطاعت و فرمانبرداری

۱؎ زعما زعیم کی جمع ہے۔ زعیم لیڈر کو کہتے ہیں۔ ۲؎ استقلال اس لفظ میں محض رسوخ عزم کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر عربی میں اُس کے معنی بہت وسیع ہیں بخصوصیت کے ساتھ یہ خود مختاری کے مفہوم کو ظاہر کرتا ہے۔

کر دے۔ مسٹر کینیگ نے زار کو ان عظیم الشان خطرات سے آگاہ کیا جو بلاد یونان کی باغیانہ تحریک سے پیدا ہونے والے تھے، اور اُسے بتلایا کہ یونانی باغیوں کی مدد کرنا خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا ہے۔ کیونکہ اگر یہ لوگ کامیاب ہوگئے تو یورپ کے تمام ممالک میں بادشاہوں کے خلاف باغیانہ تحریکیں پھیل جائینگی۔ زار نے اس فہمائش سے بظاہر اثر لیا اور ایک سرکاری اعلان اس مضمون کا شائع کیا کہ حکومت روس ہیپلانٹی کی حرکات سے سخت ناراض ہے اور وہ یونانیوں کو نصیحت کرتی ہے کہ دولت علیہ کی اطاعت کریں۔ مگر یہ سب تصریحات و اعلانات محض آسٹریا کو بہلانے کے لئے تھا جو اسوقت خود اپنے ملک میں اٹلی[1] کی بغاوت سے دوچار تھی، اور اسلئے ہر اس حکومت سے ہمدردی رکھتی تھی جو اسی کی طرح محکوم قوموں کی بغاوت کا مقابلہ کر رہی ہو۔ پس زار نے اپنا ارادہ تو نہ بدلا اور بدستور دولت علیہ کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتا رہا، مگر بظاہر امن و سلامتی سے رغبت اور ٹرکی کے ساتھ انصاف کی ضرورت پر زور دیتا رہا۔

دولت علیہ نے تھوڑی ہی مدت میں ہیپلانٹی اور اُس کے آدمیوں کو سخت شکست دی اور آخر کار اُس نے بھاگ ٹرانسلوانیا (Transylvania) میں پناہ لی جہاں آسٹریا نے اُسے پکڑ کر ۱۸۲۷ء تک قید رکھا۔ مگر پھر بھی یونانی باغیوں نے ہیپلانٹی کے قید کے باوجود اپنی حرکات برابر جاری رکھیں اور ایک مجلس عمومی یونانی پارلیمنٹ کے طور پر قائم کردی۔

یورپ میں دولت علیہ کے خلاف یونانیوں کے قیام بغاوت کی خبر مشہور ہوتے ہی بہت سے پرجوش شعرا اور اہل قلم یونانیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے اور ان کی مدد کرنے کے لئے کھڑے ہوگئے۔ ان میں سب سے پہلا شخص جو استقلال یونان کا علم لیکر کھڑا ہوا مشہور انگریزی شاعر لارڈ بائرن تھا۔ وہ اپنے وطن سے ہجرت کر کے یونان گیا اور کئی برس تک یونان کی پرانی عظمت کے گیت گا گا کر یورپ کو ابنائے یونان کی مساعدت پر اُبھارتا رہا۔ چنانچہ اُسکے مضامین اور اشعار سے یورپ کے عوام و خواص بہت متاثر ہوئے اور فرانس کے مشہور شعرا و اہل قلم اُس کی صدا پر لبیک کہتے ہوئے کھڑے ہوگئے جن میں پیشوائی کا شرف مشہور فرنچ شاعر وکٹر ہیوگو کو حاصل ہے۔ ان لوگوں نے فرانس اور انگلستان میں یونانیوں کو مال و رجال سے مدد دینے کے لئے مختلف کمیٹیاں بنائیں اور ہر طرف سے بیشمار والنٹیر یونان پہنچنے لگے۔

اس طرح یورپ کے ہر حصہ میں یونان کے علوم و انوار قدسیہ اور دین مسیحی کے نام سے ایک عام تحریک پیدا ہوگئی۔ تم دیکھوگے کہ اس تحریک میں ایسے ایسے لوگ جنکا نہ کوئی مذہب تھا، نہ مذہبیت سے کچھ واسطہ رکھتے تھے مسیحیت کے نام پر یونانیوں کی حمایت میں کھڑے ہوئے اور اسلام کے خلاف خوب زہر اگلا۔ ان یونانیوں کے انصار و اعوان ان کو قدیم یونانیوں کی صحیح اولاد سمجھتے تھے اور اُن کو خیال تھا کہ جب یہ لوگ حریت و استقلال حاصل کر لینگے تو فلسفہ و حکمت کے مہر و ماہ بنکر چمک اُٹھینگے اور ایتھنز پھر اسی طرح علوم و آداب کا مطلع بنجائیگا۔ چنانچہ جن لوگوں نے اس

[1] اس زمانہ میں اٹلی مختلف چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور آسٹریا و فرانس کی سلطنتوں میں بٹا ہوا تھا اور ۱۸۱۵ء کی مشہور تقسیم کے مطابق لومبارڈی اور وینیشیا اس کے قبضہ میں تھے۔

تحریک میں یونانیوں کی مدد کی تھی ان میں سے بہت سے ایسے بھی تھے جو قطع نظر تعصب وعناد کے حسن عقیدت بھی رکھتے تھے اور یونان سے واقعی انھیں بہت کچھ توقعات تھیں مگر یونانی قوم نے حریت واستقلال کرنے کے بعد اچھی طرح ثابت کر دیا کہ ان میں اور اُن کے اسلاف میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

جو لوگ آزادی یونان کے بعد منتظر تھے کہ ایتھنز کی سرزمین سے پھر حکمت وفلسفہ کا آفتاب طلوع کریگا۔ انہوں نے جب معاملہ اس کے بالکل برعکس دیکھا تو وہ اپنی غلط امیدوں پر سخت پشیمان ہوئے اور خصوصیت کے ساتھ ارباب انصاف نے اس بات پر سخت افسوس کیا کہ ناحق انہوں نے ایک بے گناہ سلطنت کے خلاف یہ کہہ کر بغاوت برپا کی کہ وہ یونان کی ترقی کے راستہ میں ایک روک ہے اور ایتھنز کی سرزمین سے حکمت وعرفان کے آفتاب چمکنے نہیں دیتی۔

اس غلط فہمی کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ یونانیوں کے جتنے اعوان وانصار اور ہمدرد تھے تقریباً سب کے سب جدید یونانی نسل کے حالات سے ناواقف تھے اور محض تاریخی تعارف کی بنا پر اُن سے بے شمار توقعات وابستہ کر بیٹھے تھے۔ ورنہ اگر وہ اس تحریک میں حصہ لینے سے پہلے اپنے وفد بھیجکر یونان کے صحیح حالات اور یونانیوں کے اخلاقی وذہنی درجہ سے آگاہی حاصل کر لیتے تو شاید اُسی وقت انھیں معلوم ہو جاتا کہ اس قوم سے کسی امید کے برآنے کی توقع نہیں کی جاسکتی، اور محال ہے کہ وہ پھر قدیم یونانیوں سے دور کی مشابہت بھی پیدا کر سکیں چنانچہ اسی حقیقت کو دیکھ کر یورپ کے بعض اہل قلم نے دولت علیہ کی حمایت کی، اور تمام ممالک متمدنہ کو اس حقیقت واقعی سے آگاہ کر دیا جس میں جھوٹ کا ایک شائبہ بھی نہ تھا۔ حتے کہ یونانیوں کے بہت سے مددگار سخت نادم ہوئے، اور خود انہوں نے اپنے ممدوحوں کے خلاف آواز بلند کی ان انصاف پسند لوگوں میں سب سے پہلا شخص جس نے اس فرض کو ادا کیا مشہور فرنچ فاضل موسیو الفرڈ لمیٹر تھا۔ اس نے مسئلہ استقلال یونان پر ایک کتاب لکھی جس میں بیشمار واقعات پیش کر کے دولت علیہ کی شرافت اور اس کے مقابلہ میں یونانیوں کے انصار واعوان کے اکاذیب کو بے نقاب کر دیا

ان متعدد شواہد وسندات میں سے جن میں مولف سالف الذکر نے اسی کتاب میں جمع کیا ہے ایک وہ عریضہ بھی ہے جو فرنچ والنٹروں نے دولت فرانس کے امیر البحر متعین بحر ابیض کے نام بھیجا تھا۔ یہ لوگ فرانس سے یونانیوں کی مدد کرنے کے لئے ایک جماعت بنا کر یونان پہنچے تھے مگر جب اُنھیں حقیقت حال معلوم ہوئی تو امیر البحر مذکور سے درخواست کی کہ وہ اُنھیں فرانس واپس بھیجدے اس عریضہ میں وہ لوگ لکھتے ہیں کہ:-

"یونانیوں نے فرانس میں ہمارے سامنے اپنی قوم کی بڑی تعریفیں کی تھیں اور بتلایا تھا کہ جدید یونان کے ہیرو اپنے آباء اولین سے شجاعت وشہامت میں کچھ زیادہ بڑھے ہوئے ہیں مگر جب ہم اپنے وطن سے چلکر یہاں آئے تو ایک جرائم پیشہ قوم آباد پائی جو روپیہ پر جان دیتی ہے اور جہالت ووحشت کی تاریکی میں پڑی ہوئی ہے"

اسی طرح اُنہوں نے کمانڈنٹ پوژول فرناوی کی ڈائری میں سے یونانی بغاوت کے متعلق بہت سے واقعات پیش کئے ہیں جو بہت کچھ معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔ کمانڈنٹ مذکور ۲۲ دسمبر

۱۸۲۷ء کو لکھتا ہے کہ:-

"میں اس یونانی قوم کے نہایت سرگرم مداحوں و مددگاروں میں سے تھا، مگر جب یونان پہنچکر انکے حالات کا مطالعہ کیا تو تجربہ نے میرے سارے معتقدات وحسیات کو بدل دیا۔ یہ قوم وطنیت و شجاعت اور اتحاد سے بالکل عاری ہے۔ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ جس طرح بن سکے سب سے زیادہ دولت حاصل کرے حکومت کے اکثر ارکان بحری قزاقوں سے ساز و باز رکھتے ہیں اور ان کے ذریعہ دولت کماتے ہیں۔ قوضویت اور آئینی ان کے ہاں حد کو پہنچ گئی ہے"

بحر ابیض متوسط کے فرنچ بیڑہ کا امیر البحر موسیو رینی ۲۳ر مارچ سنہ ۱۸۲۶ء کو سمرنا سے لکھتا ہے کہ:-

دولت علیہ کے خلاف یونان کی بغاوت کے بارہ میں یورپ نے سخت دھوکہ کھایا ہے جو کچھ ترکوں اور یونانیوں کے متعلق کہا جاتا ہے اُس کو مستندات رسمیہ[1] غلط ثابت کرتے ہیں۔ مگر ترکوں کی عادت نہیں کہ اُن کو شائع کریں۔ یونان کی جو کچھ خبریں شائع ہوتی ہیں وہ دراصل گڑھی جاتی ہیں۔ اور لندن و پیرس کے اخبارات میں رنگ چڑھائے جانے سے پہلے ان کا ڈھانچ فرانٹ (Zante) اور کارفو (Corfu) میں تیار کیا جاتا ہے۔ اگرچہ دنیا کی رائے عام اُن سے بہت کچھ اثر لیتی ہے مگر ایسی جھوٹی باتیں ہرگز اس قابل نہیں ہیں کہ اُن کی بنا پر ذمہ وار ارباب حکومت کوئی رائے قائم کریں۔

یونانیوں کو علی پاشا والی یانیہ (Janina) کی بغاوت سے اضطراب و ہیجان پھیلانے میں بہت مدد ملی۔ اس پاشا نے دولت علیہ سے خلع طاعت کرکے علم بغاوت بلند کیا، اور سلطان کے اقتدار شرعی سے نکلکر اپنی مستقل حکومت قائم کرنے کا ارادہ کیا، اور اس مقصد کے لئے اس نے دولت عثمانیہ کے خلاف یونانیوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ مگر اس کے اطماع شدیدہ اور اخلاق رذیلہ اسکے لئے خود اس کے دشمنوں سے زیادہ مہلک ثابت ہوئے۔

اس کی بغاوت کا باعث یہ ہوا کہ اسمٰعیل پاشا جو اس کے گہرے دوستوں اور مقربوں میں سے تھا، کسی بات پر اس سے بگڑ کر آستانہ بھاگ گیا۔ وہاں سلطانی باڈی گارڈ میں متعین ہوکر اس نے سلطنت کے ارباب حل و عقد کو اس شخص کے حرکات اور ارادوں سے مطلع کیا۔ سلطنت نے اسکے حالات سنکر اس کے بیٹے کی معزولی کا حکم صادر کیا جو تھسلی کا حاکم تھا۔ علی پاشا کو اس پر سخت غصہ آیا اور اس نے اپنے ایک خاص آدمی کو اسمٰعیل پاشا کے قتل کے لئے آستانہ بھیجا، چنانچہ اُس البانی نے فی الحقیقت اسمٰعیل پاشا کو جبکہ وہ نماز کے لئے جا رہا تھا قتل کر دیا۔

اسی زمانہ میں دولت علیہ کو معلوم ہوا کہ انگریز علی پاشا کو بغاوت کے لئے آمادہ کر رہے ہیں اور اُسے ان مراسلات کا بھی علم ہوگیا جو پاشا اور یونانیوں کے درمیان جاری تھے۔ اس سے رجال حکومت میں جوش پیدا ہوگیا۔ سب نے علے الاتفاق علی پاشا کو اعدائے دولت کا نائن قرار دیا۔ اور شیخ الاسلام نے مسلمانوں کے نام اعلان کر دیا کہ علی پاشا نے خلع طاعت اور کفران نعمت کیا ہے

[1] مستندات رسمیہ سے سرکاری تحریرات مراد ہیں جنہیں انگریزی میں official documents کہتے ہیں۔ عربی اصطلاح میں لفظ رسمی ہمارے ہاں کے "سرکاری" کا ہم معنی ہے۔

اسلئے واجب القتل ہے۔

باب عالی نے اسے حکم دیا کہ ۴۰ روز کے اندر آستانہ حاضر ہوجائے مگر اُس نے اس حکم کی مخالفت کی اور اسکے مقابلہ کی ٹھان لی۔ پہلے تو اُسنے چاہا کہ مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملائے مگر جب اس میں کامیاب نہوا اور دیکھا کہ عام طور پر مسلمان اسے خائن اور دین اسلام کا دشمن سمجھتے ہیں تو آخر وہ یونانیوں کی طرف راجع ہوا اور انھیں روپیہ کے زور سے اپنا ساتھی و مددگار بنانے کی کوشش کی۔ لیکن جب کام لینے کا موقع آیا اور اس نے ۲۴ ؍ مئی سنہ ۱۸۲۰ء کو سلطنت کے خلاف اجتماع عام کی صدا بلند کی تو ایک یونانی نے بھی اس پر لبیک نہ کہا، کیونکہ یونانی جو روپیہ کمانے اور تعریفین سننے میں مشتاق تھے، انھیں معلوم تھا کہ وہ ترکی افواج کے سامنے ہتھیار اٹھانے اور فوج جمع کرنے سے عاجز ہیں علی پاشا انھیں پکارتا رہا اور وہ اُسے ٹالتے رہے، حتےٰ کہ ترکی لشکر سر پر پہنچ گیا۔ اور علی پاشا نے اُس کے سوا چارہ نہ دیکھا کہ شہر یانینہ کو جلادے اور اُس جزیرہ میں پناہ لے جہاں اُس نے ایک قلعہ بنوا کر پہلے سے اپنے ذخائر و اموال جمع کر رکھے تھے۔

خورشید پاشا حاکم موریا ترکی لشکر کا سپہ سالار تھا۔ وہ اپنی حکمت اور جنگی مہارت سے اس قلعہ میں پہنچ گیا جہاں اس سرکش نے پناہ لی تھی۔ آخر جب علی پاشا نے طاعت کے سوا چارہ نہ دیکھا۔ تو ہتھیار رکھدیئے، اور خورشید پاشا نے احکام سلطنت کے مطابق اسکو قتل کر دیا۔ فروری سنہ ۱۸۲۲ء میں اس کا سر آستانہ بھیج دیا گیا۔ اور اُسے شارع عام پر لٹکا دیا گیا تاکہ ہر وہ شخص جو سلطنت کا دشمن اور خیانت کا ارادہ رکھتا ہو ایسے جرم کا نتیجہ معلوم کر لے۔

یونانیوں نے علی پاشا کی بغاوت اور اُس کے تقسیم کئے ہوئے اموال و اسلحہ سے پورا فائدہ اُٹھایا انھوں نے موریا میں ہر طرف لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ کیونکہ وہاں ترکی لشکر کافی تعداد میں نہ تھا۔ ۸ ؍ مارچ سنہ ۱۸۲۱ء ایک شخص کاراپیا جو یونانی الاصل تھا۔ اور رُوس میں فوجی تعلیم پر متقرر تھا گیلاٹس[۱] Galatz میں داخل ہوا۔ اُس نے اپنے آدمیوں کو لے کر قلعہ پر حملہ کیا جو ترکی فوجوں سے خالی تھا۔ اور شہر پر قبضہ کر کے باشندوں کا قتل عام کر دیا۔ لوگوں نے اس خبر کو تمام دُنیا میں اس حیثیت سے پیش کیا کہ انہوں نے دولت عثمانیہ کی فوجوں کو شکست فاش دیکر شہر پر قبضہ کیا ہے۔ اسی طرح ہیٹاریوں کے والنٹیروں نے جاسی پر بھی حملہ کیا۔ وہاں اُسوقت کل ۵۰ سپاہی محافظ تھے۔ ہیٹاریا والوں نے ایک طرف شہر میں شورش شروع کی اور دوسری طرف اُن محافظوں کو یقین دلایا۔ کہ شہر میں بغاوت برپا ہوگئی ہے۔ اور اہالی نے ترکوں کا زور توڑ دیا ہے۔ اسلئے اگر تم ہتھیار رکھدو تو تمہاری جان بچ سکتی ہے۔ فوج محافظ کے افسر نے اُنکے قول پر یقین کر کے ہتھیار رکھدیئے۔ اور فوراً ہی ہیٹاریا والوں نے ایسا سخت قتل عام کیا کہ عورت مرد بوڑھے، بچے اور ضعیف و قوی کی کوئی تمیز نہ کی۔ اسکندر یپسلانٹی اُن کا لیڈر جب وہاں پہنچا تو اُسنے اُن کی اس حرکت کو بہت پسند کیا۔ اور اسلام سے بدلہ لینے اور ملک آزاد کرانے کے لئے اس تمام قتل عام و غارت کو جائز ٹھہرایا۔

جمعیت مذکورہ نے دولتمند یونانیوں کو دھمکیاں دیں کہ اگر انہوں نے اپنی دولت سے اُن کی مدد کی

---

[۱] یہ مقام رومانیہ میں ڈینیوب کے کنارے واقع ہے ۱۲

توقتل کر دیئے جائینگے (یہی حرکت ارمنوں نے بھی اپنے دولتمند افراد کے ساتھ کی ہے)۔ چنانچہ خود ہپلانٹی جب شہر جاسی میں پہنچا۔ تو اُس نے یہ معلوم کرکے کہ یہاں ایک نہایت دولتمند یونانی پاپل انڈریاس رہتا ہے، اُسے گرفتار کر لیا اور دعوےٰ کیا کہ اسکے پاس ہیٹاریا کے سرمایہ کا ایک کثیر حصہ ہے۔ انڈریاس سمجھ گیا کہ اس سے مقصد کچھ روپیہ گھسیٹنا ہے، اسلئے اُسنے ہپلانٹی کو بہت سا روپیہ دیکر اپنی جان بچائی۔

اس قسم کے ناپاک حرکات جاسی کیطرح یونانی علاقوں میں کی گئیں اور لوگوں نے بڑے شوق سے مذہب کے نام پر لوٹ مار اور مسلمانوں کے قتل عام کا فرض ادا کیا۔ تم یونانیوں کے حامی و مداح انشاپردازوں کے مضامین اور کتابوں میں دیکھو گے کہ وہ کیسے نہایت فخر و مسرت کے ساتھ قتل و غارت اور لوٹ مار جیسے جرائم کی تفصیلات لکھتے ہیں۔ مثلاً موسیو پوکویل (Pouqueville) کی کتاب حملۃ الشرق جو ان کتابوں میں خاص شہرت رکھتی ہے، اس میں مصنف نے اپنے تعصب کی بنا پر ایسے واقعات کو ابتہاجاً وافتخاراً تحریر کیا ہے جو انسانیت کے لئے باعث شرم و عار ہیں۔

اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ موریا اس بغاوت کا منبع اور مرکز تھا۔ یہاں یونانیوں نے مونموازیا (Monemvasia) کا محاصرہ کیا۔ اہل شہر نے مقاومت کی اور اتنے عرصہ تک محاصرہ جاری رہا۔ کہ تمام ذخائر و ماکولات ختم ہو گئے۔ یونانی فوجوں کا لیڈر ڈمیٹریوس ہپلانٹی تھا۔ اُس نے جب دیکھا کہ اہل شہر اطاعت پر کسی طرح آمادہ نہیں ہوتے تو اُس نے حلفیہ معاہدہ کیا کہ اگر اہل شہر اس کے آگے ہتھیار رکھدیں، تو اُن کے جان، مال و مذہب کی حرمت کرے گا اور اگر وہ شہر سے ہجرت کرنا چاہینگے تو اُنہیں پورے امن کے ساتھ نکل جانے میں مدد دے گا بدبخت اہل شہر جنپر فاقوں کی نوبت پہنچگئی تھی ہپلانٹی کی باتوں میں آ گئے اور قلعہ اُسکے حوالہ کر دیا مگر یونانیوں نے شہر میں داخل ہونے کے بعد پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ اپنے عہد کو توڑا۔ باشندوں کی عزت، مذہب، جان، مال، سب پر حملہ کیا، مردوں کے سامنے اُن کی عورتوں اور بچوں کو قتل کیا اور آخر تمام شہر کو خون سے رنگ کر چھین لیا۔ قارئین کرام اگر تھوڑی دیر کے لئے تصور کریں کہ ایک جماعت جس کے پاس مدافعت کا سامان نہ رہا ہو۔ اور فاقوں سے مرتے مرتے اُسنے اطاعت قبول کی ہو، پھر ہر قسم کے آلات سے مسلح اشرار قابض ہو گئے ہیں، تو وہ بڑی آسانی سے اس ہولناک معرکہ کا منظر چشم تصور سے دیکھ سکتے ہیں، جو عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرنے والے نیم جان مسلمانوں کی نہتی مدافعت اور یونانیوں کے مسلح ہجوم سے بپا ہوا ہوگا

فرنچ امیر البحر موسیو ہلگن ۱۸۲۱ء میں یونانیوں کے داخلہ مونموزیا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "قلعہ میں کم از کم ۵۰۰ یونانی باشندے تھے جن کے ساتھ ترکوں نے ایام محصوریت میں نہ صرف حسن معاملت برتا بلکہ اُنھیں اپنے حقیقی بھائیوں کی طرح سمجھا اور ان کے گرجاؤں کا پورا احترام کیا مگر یونانی جب قلعہ پر قابض ہوئے تو اُنھوں نے ترکوں کے برتاؤ کا برعکس جواب دیا۔ یہانتک کہ اُن کی مساجد تک بدترین شنائع و فظائع سے محفوظ نہ رہیں قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کیا گیا کہ وہ کیسومیں تک بے آب و دانہ پہنچائے گئے۔ راستہ میں سیکڑوں مسلمان مرد عورتیں اور بچے

بھوک پیاس کے مارے دم توڑ رہے تھے مگر یونانیوں نے نہ یہ کہ صرف اُن پر رحم نہیں کھایا بلکہ اُن پر چاند ماری بھی کرتے رہے۔ جزیرہ کے گرد بے شمار مقتولوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں یونانیوں کے ہاتھ سے کوئی نہیں بچا! سوائے اُن لوگوں کے جنہیں موسیو ڈی یونفر نے یونانیوں کو دھمکی دیکر اپنی کشتیوں میں لے لیا تھا۔ اور افسروں سے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ تم لوگ بحری لٹیروں کی سی حرکات کر رہے ہو"

یہ بیان اچھی طرح اس حقیقت کو روشن کرتا ہے کہ یونان کے مددگاروں نے تمام دنیا کو جھوٹ بولکر دھوکہ دیا اور ان ہولناک فضائع و شنائع کو چھپایا جو یونانیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کو برداشت کرنے پڑے تھے۔ یہاں پہنچکر سب سے زیادہ حیرت انگیز بات جو ایک انسان کو چکر ڈال دیتی ہے، یہ ہے کہ ایسے وحشیانہ جرائم کے باوجود کیونکر مہذب یورپ کے اہل قلم اور اہل سیاست نے ایسی قوم کی مدد کی جو بیگناہوں کے قتل سے خون کی پیاس بجھاتی اور بدترین شیطانی حرکات سے اپنے نفس کو مطمئن کرتی ہے۔ کیا اسی قوم سے جس کے متعلق خود یورپین افسروں اور مصنفوں نے یہ شہادتیں بہم پہنچائی تھیں، یورپ کے شعراء و ادباء نے توقع قائم کی تھی کہ وہ یونان کی پچھلی عظمت کا اعادہ کریگی اور ان کے راج میں ایتھنز سے پھر علم و فضل کا آفتاب چمکیگا؟

۱۹ اگست سنہ ۱۸۲۱ء کو یونانی باغی شہر نواریو (Nevarino) پر قابض ہو گئے اور وہاں ایسے وحشیانہ مظالم کئے جو نہ کبھی پہلے آنکھوں نے دیکھے تھے نہ کانوں نے سنے تھے۔ چنانچہ ایک ارتھوڈوکس پادری فرانٹزلیس ان کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"سمندر کے کنارے سیکڑوں ایسی عورتوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں جو قاتلوں کے ہاتھ سے بچکر بھاگی تھیں اور جنپر یونانیوں نے بندوق بازی کی مشق کی تھی۔ بہت سی عورتیں گود میں بچے لئے برہنہ بھاگی جارہی تھیں ظالموں نے ان کے کپڑے اتار لئے تھے۔ اکثروں نے اپنے ستر کو چھپانے کے لئے اپنے آپکو سمندر میں پھینکدیا تھا۔ مگر ظالموں نے اُنھیں وہاں بھی نہ چھوڑا اور گولیوں کا نشانہ بنایا بہت سے بچوں کو اُن کی ماؤں کی گود سے چھڑا کر بندوق کے کندوں سے کچل دیا گیا۔ چھوٹے چھوٹے بچے جن کی عمریں پانچ سات برس سے زیادہ نہ ہونگی اسطرح سمندر میں پھینکدئے گئے جیسے بیجان اینٹ پتھر ہیں۔"

اسی سال ۵ اکتوبر کو ایک طویل محاصرہ کے بعد ایتھنز میں بھی یونانیوں نے اپنے انھیں خونی روایات کو تازہ کیا اور ایک مسلمان بھی اُن کی خونریزی سے نہ بچ سکا یونانی باغیوں نے شہر تری پولٹزا (Tripolitza) پر قبضہ کر لیا اور ممکن نہیں کہ کوئی انشاء پرداز خواہ وہ کتنی ہی زبردست قوت بیانیہ رکھتا ہو۔ اور خواہ مغرب و مشرق میں کتنا ہی نامور ہو، ان ہولناک بھیمی مظالم کی تشریح کر سکے جو یونانیوں نے وہاں مسلمانوں پر کئے۔ قارئین کرام صرف اسی سے اُن کا تصور کر سکتے ہیں کہ وہاں یونانیوں نے ۸ ہزار مرد اور ان سے کچھ زیادہ عورتیں اور بچے قتل کئے، تین دن کامل قتل عام جاری رہا یہاں تک کہ لاشیں سڑتے سڑتے ہوا بگڑ گئی اور ایسی سخت وبا پھیلی کہ تمام اقطاع یونان میں موت کا بازار گرم ہو گیا۔ گویا منتقم حقیقی نے ظالموں، مجرموں، سفاکوں سے بیگناہوں کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے اُسے بھیجدیا۔

یورپ کے تمام مصنفین و محررین نے سوائے اُن لوگوں کے جن کی آنکھیں تعصب سے اندھی ہو گئی تھیں، اُن فظائع قبیحہ کے خلاف نفرت کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ مشہور انگریزی مورخ فنلے جس نے اپنے

آنکھوں سے یہ حالات دیکھے تھے اپنی تاریخ یونان میں لکھتا ہے کہ:۔
"ان مذابح کا منظر ایسا ہولناک تھا کہ تاریخ انسانی میں شاید ایک منظر بھی ایسا طویل المدت اور ایسا ہولناک نہیں پیش کیا جا سکتا"
جب ان مظالم کے حالات دارالخلافہ میں پہنچے تو عوام جوش غضب سے بے قابو ہوگئے اور انہوں نے ان یونانیوں سے بدلہ لینا چاہا جن پر ہیٹاریا سے تعلق کا شبہ تھا مگر شیخ الاسلام نے انھیں امن و اعتدال کی نصیحت کی اور گنہگاروں کے مظالم کا بدلہ بیگناہوں سے لینے کی ممانعت فرمائی (اس شیخ الاسلام سے جس نے یونانیوں کی جانیں بچانے میں ایسی نیکدلی کا ثبوت دیا تھا، یونانیوں نے جو سلوک کیا وہ قارئین کرام کو عنقریب معلوم ہوگا)
سلطان محمود مرحوم نے ہیٹاریا کے وسائل و مکائد کا یہ نتیجہ معلوم کر کے بعض مشتبہ یونانیوں کے مکانات کی تلاشی کا حکم صادر فرمایا، اور ان سب لوگوں کے متعلق تحقیقات کرانی شروع کی جو کسی نہ کسی صورت میں ہیٹاریا سے تعلق رکھتے تھے۔ اس تحقیقات کا نتیجہ یہ ہوا کہ بڑے بڑے ثقہ جنپر دولت علیہ نے ہمیشہ انعام و اکرام کی بوچھاڑ کی تھی اور جو پشتہا پشت سے اس بے تعصب سلطنت کا نمک کھاتے تھے ہیٹاریا کی اعانت و ہمت افزائی کے مجرم پائے گئے حتے کہ موروزیس (Mourouzes) جو سلطان کا مقرب بارگاہ اور باب عالی کا ترجمان تھا یونانیوں کو اسرار سلطنت کی خبریں دیتا تھا۔ اور یونانی چرچ کا بطریق گریگوری (Gregory) اپنے مذہبی اثر سے ہیٹاریا کے مقاصد کی تبلیغ کرتا تھا۔ آخر سلطان نے ان سب مجرموں کو پھانسی پر لٹکا دیا تاکہ دوسرے مفسدوں کیلئے باعث عبرت ہو۔
ہیٹاریا کے بعض ممبر سمرنا میں بھی موجود تھے جن کا مقصد وحید یہ تھا کہ روپیہ حاصل کرنے کیلئے ذلیل سے ذلیل وسائل استعمال کریں اور جو یونانی وہاں مقیم ہیں ان کو خائف کر کے ہجرت پر آمادہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے کثرت سے ایسی خبریں شائع کیں کہ سلطان تمام یونانیوں کو قتل کرنا چاہتے ہیں اور انہیں بالکل برباد کرنے کی تدبیر کر رہے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یونانیوں میں ایک عام بدحواسی پھیلگئی۔ اور بیسیوں یونانی خاندان سمرنا سے ہجرت کرنے لگے۔ ہیٹاریا والوں نے اسطرح ایک طرف تو مہاجرین کا بہت کچھ مال حاصل کیا اور دوسری طرف تمام یورپ میں مشہور کیا کہ ترک عام طور پر یونانیوں کیساتھ ظلم و ستم کا برتاؤ کر رہے ہیں اور مجبور ہو کر یونانیوں نے ہجرت شروع کر دی ہے۔ ایک فرنچ افسر اس مکر کا حال اپنی سلطنت کے وزیر بحر کو ان الفاظ میں لکھتا ہے کہ:۔ "بہت سے لوگ جنہوں نے ذلیل طریقہ سے مال جمع کرنا اپنا مقصد قرار دیا ہے، شہر کے کونہ کونہ میں ترکوں کے ہولناک ارادوں کی جھوٹی خبریں پھیلا رہے ہیں اس سے لوگوں میں بےچینی پھیلگئی ہے اور یہ معلوم کر کے کہ ہمارا کوئی جہاز بحر ایجین کی طرف جانیوالا ہے، بہت سے یونانی خاندان مجھ پر ٹوٹ پڑے ہیں اور جہاز میں جگہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر میں جناب والا پر ان تمام وسائل کو شرح و بسط کے ساتھ پیش کروں جو انسانیت کا دعوے کرتے ہوئے دولت جمع کرنے کے ناجائز ترین ذرائع کو استعمال کرنا اپنا پیشہ بنائے ہوئے ہیں، تو میرا بیان بہت طویل ہو جائیگا" باغی یونانیوں نے اسی قسم کی حرکات دوسرے علاقوں میں بھی کیں اور یونانی باشندوں میں ایک عام ہیجان و اضطراب بپا کر دیا خصوصیت کے ساتھ جزائر ایجین میں

تو انہوں نے لوٹ مار اور راہزنی و قزاقی سے ایک طوفان مچا دیا۔ دولت عثمانیہ نے محکمہ بحری میں بھی دیگر شعبوں کی طرح یونانیوں کو کثرت سے خدمات عطا کی تھیں۔ اس کے سن بلوغت جیسے مختلف مذاہب و اقوام کے ساتھ برتنا اس کی عادت میں مفصل تھا لہٰذا ان یونانیوں پر اعتماد کرنے میں کوئی خطرہ محسوس ہونے دیا۔ مگر یونانیوں نے اپنی فطرت کے اقتضا سے اسکو دھوکہ دیا اور جب عام بغاوت بپا ہوئی تو تمام یونانی ملازموں نے محکمہ بحر سے استعفےٰ دیدیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جزائر ایجین میں قتل و غارت کا بازار خوب گرم ہوا اور دولت علیہ اس بغاوت کو فرو نہ کر سکی۔

اوپر ہمنے ایک جگہ شیخ الاسلام کا ذکر کیا ہے جنہوں نے آستانہ کے مسلمانوں کو امن و سکون کی نصیحت کی تھی اور یونانیوں کے بیگناہ افراد پر زیادتی کرنے سے روکا تھا، نیز ہم اشارتاً یہ بھی کہ آئے ہیں کہ انھیں اس احسان کا بدلہ محسن کش یونانیوں نے قتل کی صورت میں دیا تھا۔ ان کا قصہ یہ ہے۔ کہ سلطان محمود مرحوم نے انھیں اس جرم میں معزول کر دیا کہ وہ ان کے عمل اصلاح میں حارج تھے اور ان کے خلاف قوم کو بھڑکا رہے تھے۔ عزل کے بعد شیخ مذکور نے آستانہ چھوڑ دیا اور ایک عثمانی جہاز پر بیٹھکر حجاز کی طرف روانہ ہوگئے۔ جب یہ جہاز بحر ایجین میں پہنچا۔ تو یونانی کشتیوں نے اسے ہر طرف سے گھیر لیا۔ اور اسے گرفتار کر کے جو کچھ اسمیں تھا سب لوٹ لیا۔ پھر جب ان لٹیروں کو معلوم ہوا کہ شیخ الاسلام اور انکے اہل و عیال بھی اسی جہاز میں ہیں تو وہ ہجوم کر کے ان کے پاس پہنچے ان کی لڑکیوں کو پکڑ کر انکے سامنے ذبح کیا اور سمندر میں ڈالدیا پھر اور تمام اہل جہاز کو بھی اُن کے سامنے قتل کیا اور آخر میں خود انھیں سخت تکلیفیں دیکر شہید کر دیا۔ یہ یونانی قوم کی طرف سے اُن کے اس احسان کا بدلہ تھا کہ انہوں نے آستانہ کے مسلمانوں کو، بے گناہ یونانیوں پر زیادتی کرنے سے منع کیا اور امن و سکون کی تلقین کی۔

جب روس میں یہ خبر پہنچی کہ بطریق یونانی اور ایسے ہی دوسرے لوگوں کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا ہے، تو وہاں ایک جوش پھیلگیا اور پادریوں نے عام طور پر پبلک اور ارباب حکومت کو بھڑکانا شروع کیا کہ بلاد یونان سے ترکوں کو نکالنے اور ہلال کے صلیب کے بدلنے کے لئے زار کو اکسائیں، باوجودیکہ خود یونانی زیادتیاں کر رہے تھے اور مسلمانوں پر انہوں نے ایسے ایسے ہولناک ظلم کئے تھے مگر دولت عثمانیہ کی طرف سے صرف چند مجرموں کے قتل پر یونان کے حامیوں نے تمام یورپ میں شور مچا دیا اور یونانیوں کے مظالم کو بالکل نظر انداز کر کے سارے کرۂ ارضی کو ترکوں کے جور و ستم اور خونریزی کی فریاد سے سر پر اٹھا لیا۔

زار کے لئے تو ایک بہانہ چاہئے تھا، اُس نے روس کے عام جوش اور یورپ کے عمومی تائید سے فائدہ اُٹھا کر موسیو اسٹراگنوف اپنے سفیر متعین آستانہ کے ذریعہ دولت علیہ کو ایک تنبیہ نامہ بھیجا جس میں لکھا تھا کہ:-

"باب عالی اب سیحیت کو مجبور کر رہا ہے کہ اگر اس میں بھی سکت ہو تو ایک مسیحی قوم کی بربادی کو خاموشی سے نہ دیکھ سکے اور دین مسیحی کی اس توہین کو نہ برداشت کرے"

اس قسم کی اور دھمکیوں کے ساتھ زار نے چند مطالبات باب عالی کے سامنے پیش کئے، اسکی

ساتھ اُس نے ایک یادداشت تمام دول یورپ کے نام بھیجی جس میں اپنی پالیسی کو ظاہر کیا اور سب سے دریافت کیا کہ روس اور ٹرکی کے درمیان جنگ چھڑنے کی صورت میں ان کی پالیسی کیا ہوگی۔ نیز یہ بھی کہ دول مذکورہ کس صورت سے دولت علیہ کی تقسیم پر تیار ہیں ...... گویا زار اسکندر اوّل اس موقع پر یونان کی بغاوت سے یہ فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا کہ دولت علیہ کی تقسیم کا خواب پورا ہو جائے اور قسطنطنیہ و باسفورس کے متعلق اس کی تمنائیں بر آئیں۔

دولت علیہ نے روس کی دہمکیوں سے کوئی اثر لئے بغیر پوری خودداری و شہامت کے ساتھ اس مراسلہ کا جواب دیا۔ جسے دیکھ کر ۹ اگست ۱۸۲۱ء کو روسی سفیر آستانہ سے روانہ ہوگیا اور دونوں سلطنتوں کے درمیان علائق سیاسی کے انقطاع کا اعلان ہوگیا۔ یہ حال دیکھ کر آسٹریا کو خوف پیدا ہوا کہ اگر روس اور ٹرکی میں جنگ چھڑ گئی تو نہایت ہولناک نتائج پیدا ہوں گے۔ اسلئے اُس نے روس کا مقابلہ کرنے اور اسے جنگ سے باز رکھنے کے لئے انگلستان کو دعوت دی اور دونوں نے اتفاق کرلیا کہ جس طرح ممکن ہو روس کو لڑائی سے روکا جائے۔ چنانچہ وائنا اور لنڈن کی حکومتوں نے زار کو لکھا کہ وہ اس کی تجاویز سے اختلاف رکھتی ہیں اور اس سے درخواست کرتی ہیں کہ وہ ان کی وساطت سے باب عالی کے ساتھ اپنا معاملہ طے کرنے کی کوشش کرے۔ کچھ مدت کے لئے جنگ رک گئی۔

مگر قارئین کرام یہ نہ سمجھیں کہ ٹرکی و روس کی جنگ کو روکنے کے لئے انگلستان نے جو آسٹریا کا ساتھ دیا تو اس سے کچھ ٹرکی کی خدمت یا مساعدت مقصود تھی۔ نہیں بلکہ درحقیقت جب انگریزوں نے دیکھا کہ روس یونان کو اپنی معنوی حمایت میں لیکر اسے اپنے سیاسی اغراض کے لئے کام میں لانا چاہتا ہے۔ تو انہوں نے اس کی مخالفت کرکے اسے جنگ سے روکدیا۔ اور پھر خود اس سے کچھ زیادہ سرگرمی کے ساتھ یونان کی حمایت کرنے لگے حتیٰ کہ یونان نے روس کی بجائے انگلستان کو اپنا قبلۂ آمال بنالیا اور انگریزوں کو یونان میں سب سے زیادہ نفوذ و اقتدار حاصل ہوگیا چنانچہ اسواقعہ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد لندن میں یونان کی حمایت کے لئے بے شمار جماعتیں بن گئیں انگلستان کے ارباب دولت نے یونان کے انقلابی[1] حکومت کو عظیم الشان رقمیں دینے سے بھی دریغ نہیں کیا اور دیکھتے دیکھتے انگلستان دولت علیہ کا سب سے بڑا دشمن اور یونان کا سب سے بڑا دوست اور مددگار بن گیا۔ جزائر یونان کا انگریزی حاکم ابتدائی ایام بغاوت میں یونانیوں کے ساتھ نہایت سختی کا برتاؤ کرتا تھا؛ مگر ۱۸۲۳ء میں اس کا رُخ بدل گیا اور وہ دولت علیہ کے خلاف اُن کی حمایت و مساعدت کرنے لگا

آخر جب دولت علیہ نے یونان کی بغاوت کو طول کھینچتے دیکھا اور بغاوت تمام اقطاع یونان پر مستولی نظر آئی تو مرحوم محمد علی پاشا عزیز مصر کو مدد کے لئے بلایا اور اس سے فوجیں طلب کیں۔ پاشا نے بڑی سرگرمی کے ساتھ اس دعوت پر لبیک کہا اور اپنے بیٹے (مرحوم ابراہیم پاشا) کی قیادت میں ایک لشکر جرار مصری بیڑہ پر روانہ کیا۔

مصری فوجیں ٹھیک اُسوقت یونان میں وصول ہوئیں جبکہ سینٹ پیٹرس برگ میں یونان کے مسئلہ

---

[1] انقلابی حکومت سے مراد وہ حکومت ہے جو ایام بغاوت میں باغی جماعت حکومت موجودہ کے متوازی قائم کرلیا کرتی ہے اسے انگریزی میں Revolutionary Government کہتے ہیں؛

پر دول یورپ کے نمائندے مناقشہ کر رہے تھے۔ اس کانفرنس میں انگلستان کی انتہائی کوشش یہ تھی کہ مسئلہ طے نہ ہونے پائے کیونکہ طے ہو جانے کی صورت میں اس کے لئے حریت عمل باقی نہیں رہ سکتی تھی ایک طویل بحث و تمحیص کے بعد یہ کانفرنس اس نتیجہ پر پہنچی کہ تمام دول یورپ متحدہ طور پر باب عالی سے درخواست کریں کہ وہ اپنی حمایت وارادت میں یونان کو ایک حد تک استقلال اور آزادی عطا کرے۔ باب عالی نے اس درخواست کا یہ جواب دیا کہ اگر یونانی کامل طور پر اطاعت قبول کرلیں اور عاجزی کے ساتھ درخواست کریں تو دولت علیہ انھیں کوئی جدید حق عطا کر سکتی ہے مگر یہ معاملہ کلیتاً دولت علیہ کی داخلی سیاست سے تعلق رکھتا ہے جس میں وہ کل دول یورپ یا کسی ایک دولت کی مداخلت کو ایک لمحہ کے لئے بھی قبول نہیں کر سکتی۔

مصریوں نے یونان میں پہنچکر وہ شاندار کارنامے انجام دئیے جو صفحۂ تاریخ پر ہمیشہ باقی رہینگے اور مصری قوم ہمیشہ اُنپر بجا فخر و ناز کرتی رہیگی۔ اُنھوں نے دولت علیہ کی نہائیت زبردست اور عظیم الشان خدمات انجام دیں اور ثابت کر دیا کہ مصری کو اگر تعلیم و تربیت میسر ہو تو وہ بہترین کام کر سکتا ہے۔ کچھ زیادہ عرصہ نہ گذرنے پایا تھا کہ مصریوں نے یونانیوں کو سخت شکستیں دیں اور سارے یونان پر چھا گئے۔ حتے کہ تمام یورپ میں یونانیوں کے مددگار چیخ اُٹھے اور بطل مصری (مرحوم ابراہیم پاشا کو" سفاح" (خونی) کے نام سے پکارا جانے لگا، گویا اسطرح وہ ایک ایسے شخص کے خلاف جس نے اپنی حکومت، اپنے ملک اور اپنی قوم کیطرف سے اپنا فرض پوری شجاعت و تندہی کے ساتھ انجام دیا تھا، اپنے جذبات غیظ و غضب کا اظہار کرتے تھے؛

اوپر ہم ذکر کر چکے ہیں کہ دولت علیہ کے بحریات میں تمام تر یونانی ملاح اور کارکن ملازم تھے، جنکی متحدہ اسٹرائک کے باعث وہ جزائر الجیبین کی بغاوت کو فرو کرنے اور قزاقوں کی دست درازیوں کا سلسلہ بند کرنے سے عاجز ہو گئی تھی۔ اس خطرناک صورت کو دیکھ کر سلطان محمود مرحوم نے محمد علی پاشا سے درخواست کی کہ وہ اپنے جنگی جہازوں سے انکی مدد کرے، پاشا مرحوم نے حسب حکم اپنے بیڑے کو تیاری کا حکم دیا اور الجیبین کی طرف جانے کے لئے اسکندریہ میں تمام جنگی جہازوں کا اجتماع ہوا۔ اس موقع پر اسکندریہ کے بندرگاہ نے مصر کی بحری قوت اور اس کی عظمت و شان کا ایسا مظاہرہ دیکھا۔ جو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا دول یورپ کے قنصلوں نے مصر کے اس طاقتور بیڑے کو دیکھ کر فیصلہ کر لیا تھا کہ یہ چھ مہینہ کے اندر تمام یونان کو اطاعت پر مجبور کر دیگی۔

۹ جون ۱۸۲۴ء کو مصر کی جنگی تیاریاں مکمل ہو گئیں اور ۶۳ بڑے بڑے جنگی جہازوں کا ایک عظیم الشان بیڑہ جسپر ۸ ہزار بحری سپاہ اور ۲ سال کے حربی ذخائر بار تھے۔ الجیبین کی طرف روانہ کیا گیا۔ اسکندریہ سے چلکر اس بیڑے نے جزیرہ کاسوس (Kasoos) پر دم لیا اور وہاں کے باغیوں کو جو لوٹ مار پر وقت بسر کرتے تھے اطاعت پر مجبور کیا۔ اُس کے چند دن بعد ترکی امیر البحر خسرو پاشا نے جزیرہ پیارا (Poora) والوں کو مطیع کیا جنہوں نے دولت علیہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اہل ساموس (Smoo) پر ایسے ہولناک ظلم کئے تھے جنکے بیان سے قلم عاجز ہے؛

ان دو مقامات پر ترکوں اور مصریوں کا قبضہ کرنا تھا کہ یونان کے حامیوں نے یورپ میں ایک شور مچا دیا، اور سفاتح افواج کے داخلہ کے متعلق اس قسم کی جھوٹی اور افترا پردازانہ خبریں شائع کیں کہ اُنہوں نے بیگناہوں کا قتل عام کیا اور عورتوں اور بچوں پر بیدریغ ہاتھ صاف کئے۔ اسی قسم کی خبروں اور اشاعتوں نے دولت علیہ کے مسیحیوں اور مسلمانوں میں وہ زبردست اختلافات پیدا کئے ہیں جو اب اسقدر مستحکم ہو گئے ہیں کہ خواہ زمانہ بدلجائے مگر اُنکا بدلنا مشکل ہے۔

یکم ستمبر ۱۸۲۴ء کو خسرو پاشا کی قیادت عام کے ماتحت مصری اور ترکی بیڑے خلیج بودا ون (Gulf of Budrum) میں جمع ہوئے۔ ان زبردست قوتوں کے اجتماع کی خبر جب یونانی باغیوں کے سردار میاولیس کو پہنچی تو اُس نے تمام باغی قوائے بحریہ کو جزیرۂ کوس (Kos) اور کا پاری کے درمیان جمع ہونے کا حکم دیا۔ اس اثنا میں ابراہیم پاشا اپنا بیڑہ جزیرہ کریٹ کیطرف لے گیا۔ تاکہ جو کچھ تازہ لشکر اور سامان جنگ مصر سے وہاں پہنچا ہو اُسے حاصل کرے یونانیوں کیلئے موقع تھا کہ اسوقت اپنے موقف سے نکلکر ترکی بیڑہ پر حملہ کرتے مگر اُنہوں نے اپنے سردار میاولیس سے اپنی بقایا تنخواہوں کا مطالبہ کیا اور دہمکی دی کہ اگر اُس نے اس مطالبہ کو پورا نہ کیا تو وہ اپنے جزیروں کو واپس چلے جائینگے۔ آخر میاولیس کو اُس قوم کے ساتھ اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی جسے اُس نے شجاع بہادر اور محب وطن سمجھا تھا۔ اور جنہیں یونان کے حامیوں نے یورپ میں رجال حریت و استقلال اور ورثۂ قدمائے یونان مشہور کیا تھا۔ میاولیس کو مجبوراً شہر ناپلی (Naplia) کی طرف لوٹنا پڑا جو اسوقت بغاوت کا مرکز بنا ہوا تھا۔

ابراہیم پاشا کریٹ میں اپنا ساز و سامان مکمل کرکے موریا کی طرف روانہ ہوا اور ۲۴ر فروری ۱۸۲۵ء کو موڈون (Modon) پہنچگیا۔ وہاں ایک مہینہ تک اپنے لشکر کو حرب ضرب کے لئے پوری طرح مستعد کرکے اُسنے ۲۵ر مارچ کو شہر نوارینو (Navarino) اور پیلوس (Pylos) کا محاصرہ شروع کر دیا۔ قارئین کرام اندازہ نہیں کر سکتے کہ اس موقع پر مصریوں کے جنود قاہرہ کے مقابلہ میں یونانی "بہادر" کیسی بزدلی و نامردی کا ثبوت دیا۔ وہ لوگ مقابلہ سے پہلے یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ اُنھیں زیر کرنے کے لئے عورتیں آرہی ہیں جو شاید پہلے ہی فائر پر میدان سے بھاگ جائینگی مگر جب مقابلہ ہوا تو اُنھیں معلوم ہو گیا کہ اُن کے سامنے ایسے نامور بہادروں کی فوج ہے جن کے کارناموں پر مصری قوم کو فخر ہے، اور جس کی بے نظیر شجاعت پر محمد علی پاشا اور ابراہیم پاشا کی نسل ہمیشہ فخر کرتی رہیگی۔ چنانچہ پہلے مقابلہ کے بعد پھر جہاں کہیں یونانی باغیوں نے مصریوں کا سامنا کیا شکست کھائی، بھاگے اور ملک حوالہ کیا۔

نوارینو پر حملہ کرنے کے ساتھ ہی ابراہیم پاشا نے جزیرہ سفاکٹریا (Cephactria) کا بھی محاصرہ کرنا ضروری سمجھا کیونکہ اُسکے بغیر نوارینو کی تسخیر مشکل تھی۔ اسلئے حسین بک کو جو اپنی شہامت و شجاعت اور استحکامات عسکریہ میں نظر صائب کے لئے مشہور تھے ایک لشکر جرار کے ساتھ اودھر بھیجا۔ اُنہوں نے جاتے ہی اہل جزیرہ کو اطاعت پر مجبور کیا۔ اور اس کے بعد تین دن کے اندر پیلوس کے باشندوں نے ابراہیم پاشا کے آگے شہر کے دروازہ کھولکر التجا کی کہ اُنھیں بغیر کسی سزا کے شہر سے نکل جانے کی اجازت دیں۔ پاشا نے اُسے منظور کیا اور اس فتح کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہالی نوارینو نے

بھی طول محاصرہ سے مجبور ہو کر انھیں شرائط پر شہر کو حوالہ کر دیا اور اس طرح ابن عزیز مصر کے ہاتھوں سے ۱۸۲۵ء میں نوار ینو مسخر ہو گیا۔

اس پہلی فتح سے ابراہیم پاشا نے دیکھا کہ یونانیوں میں عام وحشت پیدا ہو گئی ہے، اسلئے انھوں نے اس سے فائدہ اُٹھا کر بلا تامل موریا کے دوسرے شہروں پر حملے شروع کر دئے چنانچہ نیی (Niai) کالاماتا (Kalamata) اور ٹری پولٹزا (Tripolitza) پر بلا کسی مقابلہ کے مصریوں کا قبضہ ہو گیا بلکہ یونانیوں نے بھاگنے کی جلدی میں سامان جنگ بھی چھوڑ دیا۔ ۲۶ جون ۱۸۲۵ء کو ابراہیم پاشا نے شہر ارگوس (Argos) بھی فتح کر لیا ان فتوحات کو دیکھ کر یونانیوں نے خود اپنے شہروں اور منازل و محافل کو ڈھانا اور جلانا شروع کر دیا، تاکہ فاتحوں کے ہاتھ اجڑی اور جلی ہوئی بستیوں کے سوا اور کچھ نہ آئے۔ اور اس پر لطف یہ ہے کہ یونانیوں کے انصار واعوان نے تمام دنیا میں شور مچا دیا کہ ابراہیم پاشا سارے یونان کو تباہ و برباد کر رہا ہے!۔

خسرو پاشا کو دولت علیہ نے حکم دیا کہ اپنا بیڑہ اسکندریہ لیجائے تاکہ مزید کمک موریا پہنچائی جاسکے۔ اور اسی مقصد کے لئے ابراہیم پاشا نے بھی اپنے بیڑے کو مصر بھیجدیا۔ چنانچہ سلطانی حکم کے مطابق امیر مرحوم نے ۱۱ ہزار کا دوسرا لشکر تیار کر کے ۲۳ اکتوبر ۱۸۲۵ء کو موریا روانہ کر دیا۔ اس اثنا میں رشید پاشا شہر میسولونگی (Missolonghi) کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ مگر چونکہ اسے خشکی کی طرف سے برابر یونانی کمک پہنچ رہی تھی اور اسکے گرد کی خندقیں سڑ گئی تھیں جن سے سخت وبا پھیل کر ترکی فوج کو سخت نقصان پہنچ رہا تھا، اسلئے ابراہیم پاشا اپنی فوجوں کو لے کر خشکی کی طرف سے ادھر روانہ ہوا اور اسی موقع پر خسرو پاشا کے ماتحت تازہ مصری کمک بھی پہنچ گئی جس سے ترکی مصری فوجیں بہت زیادہ قوی ہو گئیں۔ ۹ مارچ ۱۸۲۶ء کو قلعہ فاز لیاڈی (Phaoikadao) اور ۱۳ مارچ کو اناٹولیکن (Anatolikan) فتح ہوئے انہی ایام میں میاولیس اپنا بیڑہ لیکر پہنچا اور خلیج پاٹرس (Patras) میں ترکی اور مصری بیڑے سے ایسی سخت شکست کھائی کہ اس کے ساتھ ہی یونانیوں کی تمام امیدوں کا بیڑہ بھی غرق ہو گیا۔ میسولونگی کا محاصرہ بدستور جاری تھا۔ محاصرین نے اعلان کر دیا تھا کہ "اگر محصورین شہر کو حوالہ کر دیں تو انھیں امان دیجائیگی، جو شہر میں رہنا چاہینگے انھیں پوری حفاظت کے ساتھ رکھا جائیگا، اور جو نکلنا چاہینگے انھیں امن و سلامتی کے ساتھ نکلجانے دیا جائیگا، لیکن اگر انہوں نے اطاعت سے انکار کیا اور بزور شمشیر فتح کئے گئے تو پھر ان کا خونریزی سے بچنا محال ہے۔" اس اعلان کے باوجود یونانیوں نے اطاعت نہ کی اور ۲۲ اپریل ۱۸۲۶ء کی شام کو انہوں نے بیخبری میں ترکوں پر پھر ہجوم کرنا چاہا۔ مگر ابراہیم پاشا نے اس کی خبر پا کر عین وقت پر سخت گولہ باری شروع کر دی اور آخر ۲۳ اپریل کو فاتح و منصور عثمانی لشکر شہر میں داخل ہو گیا۔

جون ۱۸۲۷ء میں عثمانی فوجوں نے ایتھنز (یونان کا موجودہ پایہ تخت) بھی مسخر کر لیا اور تمام دنیا یہ دیکھ کر حیران رہگئی کہ جن یونانیوں نے ابتدائے بغاوت میں ہر شہر پر قبضہ کر کے مسلمانوں کے ایک بچہ کو بھی زندہ نہ چھوڑا تھا۔ ان کے مقابلہ میں ترکوں نے داخلہ ایتھنز کے موقع پر کوئی خونریزی

نہ کی بلکہ نہایت رفق و ملاطفت سے پیش آئے۔ فتح ایتھنز کی تفصیل یہ ہے کہ یونانیوں نے لارڈ کوچرین (Lord Cochrane) اور سر رچرڈ چرچ (Richard Church) سے درخواست کی کہ وہ ترکوں کے مقابلہ میں اُن کی سپہ سالاری کریں۔ دونوں حضرات نے اس خواہش کو قبول کیا۔ اور یونانی لشکر کی قیادت اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ عثمانی لشکر کے سپہ سالار رشید پاشا تھے جنھوں نے ایتھنز کا محاصرہ ایسی قابلیت و شجاعت کے ساتھ شروع کیا، اور دوران محاصرہ میں ایسی کامل انسانیت کا ثبوت دیا کہ اُس کی یاد عرصہ تک میں باقی رہیگی۔ اور حق یہ ہے کہ رشید پاشا کی وہ فتح جو اُنہوں نے اس محاصرہ میں باغی یونانیوں پر حاصل کی دنیا کی ایسی فتوحات میں سے ہے جن کی مثال پیش کرنے سے تاریخ حرب عاجز ہے۔ سر رچرڈ چرچ جب عثمانیوں کے ہاتھ قید ہوئے تو اُنہوں نے ایسی ذلیل شکست سے شرمندہ ہو کر کہا کہ کاش میں ہزیمت کے وقت اپنے آپ کو سمندر میں پھینک دیتا اور کنارے پر کوئی کشتی بٹھا کر لیجاتی۔

ان دونوں انگریزی کمانڈروں نے جب دیکھا کہ شہر ایتھنز اور اُسکے قلعوں کا ترکوں کے ہاتھوں فتح ہونا ابیقین ہوگیا ہے تو اُنھوں نے فرنچ جہاز گوموں کے کپتان سے درخواست کی کہ یونانیوں اور عثمانیوں کے درمیان صلح کی کوشش کرے۔ کپتان مذکور نے اُسے قبول کیا اور رشید پاشا کو اُسکے متعلق لکھا۔ اور اپنے خیال میں جو شرائط مناسب سمجھیں پیش کردیں۔ یعنی یہ کہ اگر یونانی فوجیں ہتھیار ڈالدیں تو فاتح ترک اُن کو امان دیں اور شہر چھوڑنا چاہے اُسے اپنے مال اسباب سمیت نکلجانے دیں اور جو رہنا چاہے خصوصاً مجروحین جنگ اُن کے ساتھ حسن معاملت برتیں۔ رشید پاشا نے موسیو لوبین کی ان تجاویز کو منظور فرمایا۔ اور باغیوں کو امان دینے پر راضی ہوگئے۔ سر رچرڈ کو جب معلوم ہوا کہ رشید پاشا نے ان شرائط کو منظور کرلیا ہے تو اُسے بیحد مسرت ہوئی اور مسرت سے زیادہ وہ اس بات پر حیران ہوگیا کہ ایسا کمانڈر جو فتح کے بہت قریب پہنچ چکا ہے کیونکر اسے نرم شرائط پر راضی ہوگیا۔

مگر باغیوں نے کچھ شہامت اور شجاعت کا اظہار کرنا چاہا جس کی ثنا و صفت اُن کے اعوان و انصار یورپ میں کررہے تھے، اور اپنے کمانڈر کی اس تجویز کے مطابق قلعہ ایتھنز کو حوالہ کردینے سے انکار کردیا اگر رشید پاشا ایک وحشی انسان ہوتے تو یقیناً جیسا کہ اُنھیں یورپ میں مشہور کیا جارہا تھا۔ اس موقع پر یونان کی شہامت و بطالت کی قلعی کھولدیتے اور اُنھیں ہجوم عام کے بعد عبرتناک سزا دیتے۔ مگر اُنہوں نے تامل کیا اور ایتھنز کی شہری آبادی کا لحاظ کرکے کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح باغی خود ہی ہتھیار ڈالدیں۔

پاشا موصوف نے سر چرچ کو دھمکی دی کہ اگر اُسنے ایتھنز اور اسکے قلعہ جلد سے جلد اُن کے حوالہ نہ کردیئے تو پھر وہ حملہ عام کا حکم دیدینگے اور بزور شمشیر فتح ہونے کی صورت میں نتائج خواہ کتنے ہی ہولناک ہوں، ذمہ داری اُنپر نہ رہے گی۔ سر رچرڈ چرچ نے اس دھمکی سے خوفزدہ ہو کر ۱۲ مئی ۱۸۲۷ء کو باغیوں کے نام اعلان شائع کیا جس میں اُنہیں شہر تسلیم کردینے کی نصیحت کی اور اسپر عمل نہ کرنے کے ہولناک نتائج سے آگاہ کردیا۔ مگر باغیوں نے اپنے گذشتہ پالیسی سے ہٹنا پسند نہ کیا اور سر رچرڈ چرچ کمانڈر اور سپہ سالار کے احکام قبول کرنے سے انکار کردیا۔ آخر جب رشید پاشا نے یہ حال دیکھا تو موسیو لوبان کو ایک خط میں نہایت افسوس کے ساتھ لکھا کہ میں نے اپنی طرف سے ایتھنز کا محاصرہ

کی جانین بچانے کے لئے انتہائی کوشش کی لیکن باغیوں کا جنگجویانہ رویہ مجھے مجبور کر رہا ہے کہ تسخیر کا آخری طریقہ اختیار کروں" اُدھر سر چرچ نے اعلان کر دیا کہ اگر یونانی افواج نے اس کے احکام کی اطاعت نہ کی تو وہ انہیں اُن کے حال پر چھوڑ کر الگ ہو جائیگا، اس سے باغیوں میں ایک شدید اضطراب پھیلگیا اور انہوں نے بندرگاہ میں ایک آسٹرین جہاز کی موجودگی سے فائدہ اُٹھا کر اُسکے کمانڈر سے درخواست کی کہ وہ ان کے اور رشید پاشا کے درمیان امن و سلامتی کے ساتھ تسلیم شہر کا معاملہ طے کرا دے آسٹرین افسروں نے اس مسئلہ کو فرنچ جہاز سرین کے کمانڈر موسیو ڈی رینے کے سامنے پیش کیا اور اُس نے اسے قبول کر کے رشید پاشا سے سلسلہ جنبانی شروع کی۔ تین دن تک مغائرت جاتی رہنے کے بعد قائد عثمانی نے درخواست منظور کی اور ۵ رجون ۱۸۲۷ء کو یونانی باغیوں کے لیڈروں نے خاموشی کے ساتھ شہر حوالہ کر دیا۔ اور جانیں سلامت لے کر وہاں سے نکل گئے۔ انگریزی مورخ فنلے اپنی کتاب تاریخ یونان میں رشید پاشا کے رویہ پر لکھتا ہے کہ:-

سقوط ایتھنز کے موقع پر رشید پاشا نے جو شریفانہ رویہ اختیار کیا اسکے باعث وہ اپنی عزت و حمیت کے غیر فانی نقوش چھوڑ گئے ہیں۔ انھوں نے رچرڈ چرچ پر فن جنگ میں فوقیت اور سلامت پسندی میں سبقت دونوں ظاہر کر دیں۔ خونریزی سے بچنے کے لئے کوئی ذریعہ ایسا نہ تھا جسے انہوں نے اختیار نہ کیا ہو۔ اور یہ بات قابل تعریف ہے کہ یونانیوں سے انھوں نے ذرہ برابر انتقام نہیں لیا"

دسمبر ۱۸۲۵ء میں زار اسکندر اول نے وفات پائی اور اس کی جگہ نکولس اول تخت نشین ہوا۔ اس نئے زار نے تخت پر بیٹھتے ہی ترکوں کے ساتھ علانیہ دشمنی اختیار کی اور ۱۷ مارچ ۱۸۲۶ء کو دولت علیہ کے نام ایک تنبیہی پیغام بھیجا جس میں ایشیا، مالڈیوا اور سرویا کے متعلق تمام مطالبات پیش کر دیئے اور چھ ہفتہ کی مہلت دی کہ اگر اس مدت میں اُس نے مطالبات مذکورہ کو قبول نہ کیا تو دونوں سلطنتوں کے درمیان تمام علائق سیاسیہ منقطع ہو جائینگے اور جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھینگے۔

انگلستان نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر روس سے ملجانے کی، اور سب سے پہلے ایک سفیر یونانی باغیوں اور دولت علیہ کے پاس بھیجا تاکہ دونوں کے درمیان صلح کرا دینے کے لئے انگلستان کی خدمات پیش کرے دولت علیہ نے اس درخواست کو نامنظور کیا اور یونانیوں نے قبول کر لیا کیونکہ وہ ابراہیم پاشا بطل مصری کے ہاتھوں حد سے زیادہ تنگ ہو گئے تھے انگریزی مدبرین ٹرکی کے انکار پر بہت بگڑے۔ اور اس فیصلہ کے بعد نئی کوشش شروع کی چنانچہ مشہور ڈیوک آف ولنگٹن کو جس نے واٹر لو میں نپولین کو شکست دی تھی، سینٹ پیٹرسبرگ بھیجا تاکہ یونان کے معاملہ میں دولت علیہ کے خلاف زار سے اتحاد پیدا کرے۔ ڈیوک مذکور کو اس کوشش میں کامیابی ہوئی اور دونوں سلطنتوں کے درمیان ایک معاہدہ دستخط ہو گئے جس میں اس نے اتفاق کیا کہ انگلستان دولت علیہ و یونان کے معاملہ میں ثالثی کرے اور یہ کہ بلاد یونان آئندہ سے ایک طرح آزاد ہو جائیں اور انھیں خود اپنے اختیار سے اپنا حاکم منتخب کر لینے کا اختیار دیا جائے۔

سخت حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس معاہدہ کے بعد انگلستان نے دولت علیہ کے مسترد کر دینے کے بعد بھی زبردستی یونان کے معاملہ میں مداخلت کی، اور دولت علیہ کے خلاف علانیہ روس سے موافقت کر لی تاہم دولت علیہ کی دوستی اور آل عثمان کے ساتھ اخلاص کا جو دعویٰ مدبرین انگلستان نے ہمیشہ کیا ہے اس دوستی و اخلاص کے اصلی معنی یہی ہیں!

مرحوم سلطان محمود ثانی نے جب دیکھا کہ انگلستان اور روس جیسے زبردست طاقتیں اُن [illegible] ہوگئی ہیں تو انہوں نے مجبور ہو کر فیصلہ کیا کہ بالفعل روس کے مطالبات منظور کر لیں اور کسی مناسب موقع کا انتظار کریں چنانچہ اس کے نمائندوں سے گفتگو کرنے کے لئے اپنے نمائندہ روانہ کردیئے جنہوں نے آق کرمان میں جمع ہو کر ستمبر ۱۸۲۶ء میں ایک معاہدہ مرتب کیا جو اس شہر سے منسوب و مشہور ہے معاہدہ مذکور میں روس حق دیا گیا کہ بحر اسود میں آزادانہ جہاز رانی کرے، باسفورس اور دردہ دانیال سے اُسکے جہاز بلا روک ٹوک گذریں اور اُن کی تلاشی کسی حال میں بھی نہ لی جایا کرے۔ اس کے ساتھ ہی سرویا تقریباً خود مختار کردیا گیا اور ایشیا و مالڈیوا کے متعلق خاص امتیازات روس کو دیئے گئے بعض مورخین کا بیان ہے کہ انگریزی و روسی اتفاق کے علاوہ اُسوقت ٹرکی کے [illegible] کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ رُوس نے یونان کے معاملہ میں مطلق کوئی دخل نہ دینے کا صریح عہد کر لیا تھا۔ عہدنامہ آق کرمان کی تصدیق و توثیق مکمل ہو جانے کے بعد انگلستان نے فرانس کو بھی ملانے کی کوشش کی اور ۷ر جولائی ۱۸۲۷ء کو یونان کی مدد کے لئے روس، فرانس، اور انگلستان تینوں سلطنتوں کے درمیان ایک معاہدہ پر لندن میں دستخط ہوئے!

یہی اتفاق نوارینو کے مشہور حادثہ کی بنیاد تھا۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ جب تینوں سلطنتوں نے ابراہیم پاشا کو دیکھا کہ موریا میں اسے بیّن کامیابی ہوئی ہے یونانی اُس کے آگے اطاعت پر مجبور ہوگئے ہیں اور اب بغاوت کا مکمل خاتمہ قریب آ لگا ہے جسکے بعد آگ بھڑکائے نہ بھڑکیگی تو انہوں نے اپنے اپنے بیڑوں کے امیران بحر کو حکم دیا کہ ابراہیم پاشا کو یونانیوں کے خلاف ہر قسم کی معاندانہ کارروائیوں سے روک دیں اور اسے حکم دیں کہ اپنے بیڑے اور لشکر کو لے کر بلا چون و چرا اسکندریہ واپس چلا جائے۔ ابراہیم پاشا نے اس ناجائز دھمکی کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور جواب دیا کہ "میں اپنے والد اور دولت علیہ کے احکام کے علاوہ کسی اور کا حکم ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں" مگر جب اُس نے دیکھا کہ تینوں سلطنتوں کے متفقہ بیڑے اس کے تنہا بیڑے سے جنگ کرنے پر آمادہ ہیں تو اُسنے اُن سے وعدہ کیا کہ اپنے والد اور دولت علیہ کو ان کے اس پیغام کی اطلاع کر کے احکام طلب کریگا اور سہ بیڑوں سے اس باب میں معاہدہ ہو گیا کہ جب تک قاہرہ و آستانہ سے جواب آ جائیں اُسوقت تک کوئی کارروائی نہ کیجائے گی۔

ابراہیم پاشا تو اس طے شدہ معاہدہ پر قائم رہا مگر متحدہ بیڑے کے کمانڈروں نے اس پر عمل نہیں کیا اور اُس کے شرائط کے بالکل خلاف پاشا کے حرکات و سکنات کی نگرانی شروع کر دی اور اس سے بڑھکر یہ کہ ہر یونانی اور یونانیوں کے مددگار یورپین آفیسر کو ابراہیم پاشا کے مقبوضہ مقامات پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ لارڈ کوچرین کو بھڑکا کر قلعہ قازیلاڈی پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کر دیا۔

ابراہیم پاشا نے اِن حرکات پر احتجاج کیا مگر جب دیکھا کہ اس احتجاج نے اُنپر کوئی اثر نہیں کیا اور انکی علانیہ تحریص و تشجیع سے لارڈ کوچرین نے شیر پیرا اسپر حملہ کیا ہے تو آخر اسنے [illegible] نوارینو سے چند جہاز اپنے ساتھ لے کر شہر مذکور کا رُخ کیا جہاں صرف الکھزار سے کچھ زیادہ [illegible] حفاظت پر متعین تھے لیکن انگریزی بیڑے کے امیر البحر نے ابراہیم پاشا کو عارضی صلح کے [illegible]

یاد دلاکر واپس آنے کی ہدایت کی حالانکہ خود اُسنے اس صلح کا کوئی احترام نہیں کیا تھا۔ پاشانے پاس عہد سے مجبور ہوکر امیر البحر کی ہدایت قبول کی اور واپس آگیا۔

اتفاقاً واپس ہونے وقت پاشا کسی کام سے پروٹوکل کی طرف چلا گیا۔ اسی فرصت سے فائدہ اُٹھاکر تینوں بیڑوں کے امیر البحروں نے مصری عثمانی بیڑہ کو بالکل برباد کردینے کا ارادہ کرلیا، اور انگریزی امیر البحر کوڈ رنگٹن (Codrington) جو تینوں بیڑوں کے قیادت عام پر مامور تھا تمام جہازوں کو مستعد ہوجانیکا حکم دیا اور ہر جہاز کے لئے اُسکی جگہ مقرر کرکے اس کے کمانڈر کو ضروری ہدایات بھیجدیں۔ اس تیاری کے بعد ۲۰؍ اکتوبر ۱۸۲۷ء کو امیر البحر مذکور نے دعوے کیا کہ ایک مصری جہاز نے انگریزی بیڑے کے ایک بحری سپاہی کو قتل کردیا ہے اور اس جرم کو مصری ترکی بیڑہ کی بربادی کے لئے بہانہ قرار دیکر دفعتاً متحدہ بیڑے کے ساتھ اُسپر حملہ کردیا اور ایسی حالت میں جبکہ اُن کے احترام عہد پر بھروسہ کرکے اس بیڑہ کا کمانڈر وہاں سے گیا ہوا تھا۔ اور بیڑے کے ماتحت افیسر بالکل بیخبر تھے، مہذب ترین یورپین سلطنتوں کے اس متحدہ بیڑے نے عظیم الشان مصری ترکی بیڑے کو ایک دن میں غارت کردیا۔

مؤرخین اندازہ کرتے ہیں کہ اس مشہور قتل عام میں تقریباً چھ ہزار مصری سپاہی شہید ہوئے۔ یونان کے حامی اس کو مجرد افتخار سرمایہ سمجھتے ہیں، مگر حقیقتاً انصاف کے حامی اسکو فرانس، انگلستان، اور روس کے دعوی مدنیت پر سخت بدنما داغ خیال کرتے ہیں۔ اور انھوں نے پورے شدومد کے ساتھ ان سلطنتوں کو ملامت کی ہے۔ شہنشاہ آسٹریا نے جب اس کا حال سُنا تو پکار اُٹھا کہ "یہ قتل عام تھا"، اور خود شاہ انگلستان جارج رابع نے کہا کہ "یہ ایک منحوس حادثہ تھا"

حادثہ نوارینو پر انگلستان کے لبرل جماعت میں امیر البحر کوڈ رنگٹن کے خلاف سخت جوش پھیل گیا۔ اور اس کے اس فعل کو وحشیانہ فعل قرار دیا گیا جس میں پوری انگریزی قوم کے لئے عار و شنار کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس عام جوش سے مجبور ہوکر حکومت انگلستان نے اعلان کیا کہ وہ کوڈ رنگٹن کی حرکت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ مگر اس نفرت کا اظہار اسوقت کیا گیا جبکہ وہ کسی حیثیت سے بھی مفید نہ تھا۔ اور نہ کسی طرح اس عظیم الشان مضرت کی تلافی کرسکتا تھا جو ترکی اور مصر کو اس وحشیانہ قتل عام سے پہنچائی گئی تھی پھر بھی نہیں بلکہ ان مستندات سے جو وزارت بحریۂ فرانس میں ابتک باقی ہیں اور جنھیں موسیو الفرڈ لیبٹر نے اپنی کتاب "استقلال یونان" میں پیش کیا ہے، یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ پہلے سے انگلستان، فرانس، روس کی حکومتیں اس کارروائی پر متفق ہوچکی تھیں جو بعد کو نوارینو میں اُن کے بیڑوں نے کی۔ خود امیر البحر کوڈ رنگٹن کو جب مقتل نوارینو پر اپنے حکومت کے اظہار نفرت کا علم ہوا تو اُسنے کہا "کہ وزرا اپنی پوزیشن کی بچاؤ کی خاطر مجھے قربان کررہے ہیں"

ابراہیم پاشا جب قتل عام کے بعد واپس آیا تو نہ پوچھو کہ اُس بیڑہ کو دیکھ کر اسکا کیا حال ہوا جسے وہ پوری قوت اور ساز و سامان کے ساتھ چھوڑ کر گیا تھا اور اس ناپاک کارروائی پر اسی کے ساتھ افسوس ہوا جو مدنیت کے داعیوں اور حریت و انسانیت کے انصار و اعوان نے اسکے غیر موجودگی میں اسکے ایماندارانہ اعتماد سے فائدہ اُٹھا کر کی تھی۔ پاشانے اس ملعون حرکت پر سختی کے ساتھ احتجاج کیا اور پھر اس کا غصہ اور احتجاج اسوقت اور زیادہ ہوگیا جب اُس نے اپنے احتجاج کے جواب میں یہ دیکھا کہ خود وہی امیر البحر کوڈ رنگٹن جس نے بدترین حیوانیت برت کر ترکی مصری بیڑے کو تباہ کیا تھا۔ اُلٹا مصریوں کو ملامت کررہا ہے۔ اور

ابراہیم پاشا کو نوبرینو کے حادثہ کا ذمہ وار قرار دیتا ہے کہ دو اس نے خیانت کی اور عارضی صلح کے شرائط کو توڑ دیا۔"

ایک فرنچ بحری افسر موسیو بوگل نے مذبحۂ نوبرینو کی تاریخ لکھی ہے۔ اس میں قتل عام کے بعد کی تمام گفتگوئیں اور اس کے متعلق تحریریں درج کی ہیں۔ ہم اس حصہ کا ترجمہ یہاں درج کرتے ہیں جو امیر البحر کوڈرنگٹن کی تہمتوں کے جواب میں ابراہیم پاشا کی تصریحات پر مشتمل ہے موسیو بوگل لکھتا ہے کہ

"جب میں ابراہیم پاشا سے ملا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ۔ وہ ابراہیم ہی پر تہمت رکھتے ہیں۔ کہ اس نے خیانت کی اور اپنی بات پر قائم نہیں رہا۔ مگر میں مستعد ہوں کہ اگر ضرورت پڑے تو پیرس و لندن جاکر حقیقت حال ظاہر کردوں، اور ان لوگوں کو جنہوں نے ہزاروں بیگناہوں کا خون بہایا ہے ملامت وفضیحت کا اصلی سزاوار ثابت کروں۔ یہ ضرور ہے کہ جہاز آگ و سمندر کا شکار ہو گئے جو بنائے جاتے ہیں اور اسلئے مجھے اسپر کچھ افسوس نہیں، مگر یہ تہمت کہ میں اسکا ذمہ وار ہوں اور میں نے شکست عہد کیا، اسے میں برداشت نہیں کرسکتا، کیونکہ یہ ایک سفلانہ افترا پردازی ہے۔ میں اپنی شرافت پر بھروسہ رکھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے آپ سے کہا ہے کہ آپ بعینہ اُسے اپنے امیر البحر سے جاکر کہدینگے۔ ان سے یہ بھی کہئے کہ واقعہ نوارینو کے دوسرے دن انگریزی امیر البحر نے ترکی امیر البحر کو انگریزی جہاز پر بلایا اور ان سے میرے متعلق یہ چغلی کھائی کہ اس نے مجھے (انگریزی امیر البحر کو) بڑی بھاری رشوت دینی چاہی تھی اسلئے کہ حضرت سلطان کی اطاعت سے نکلنے اور دولت علیہ سے مصر کو آزاد کرانے کے لئے اس کی مدد کروں" اور کہا کہ وہ بڑا خائن ہے، اور ترکی فوجوں میں حضرت سلطان کے خلاف تبلیغ کرتا ہے" آپ بتائیے کہ اس جھوٹ اور طفلانہ کذب اور افترا کا کیا علاج ہے؟ کیا انگریزی امیر البحر کی بے شرمی و بیحیائی اس سے بڑھ کر اور کچھ ہو سکتی ہے کہ اس نے میری عورتوں میں سے ایک عورت کے لئے ترکی امیر البحر سے درخواست کی؟"

اب قارئین کرام کے لئے خود یہ فیصلہ کرنا آسان ہے کہ ابراہیم کا یہ بیان کس کو سچا اور کس کو جھوٹا ثابت کرتا ہے۔ آیا ابراہیم جس نے باغی یونانیوں پر استیلائے کامل حاصل کرنے کے بعد بھی ان کے ساتھ رافت و رحمت کا سلوک کیا (خائن تھا) یا کوڈرنگٹن جس نے ایک ایسے بیڑے کو تباہ و برباد کرکے جو کسی طرح بھی اُس کا مخالف نہ تھا۔ اپنے عہد، اپنی زبان، اور اپنی شرافت کے ساتھ خیانت کی اور مغربی تہذیب کو فضیحت و عار کی نجاست سے ملوث کرنے کا مرتکب ہوا؟

اس اثنا میں دول ثلاثہ یونان کے معاملات میں ناجائز مداخلت کر رہی تھیں اور یونانیوں کی حمایت کے جوش میں بیگناہوں کا خون کرنے اور ایک بالکل غیر معاند سلطنت کے بیڑے کو تباہ کرنے میں مشغول تھیں، دوسری طرف یونانی بحر ایجین میں قزاقی کا فریضۂ مذہبیت انجام دے رہے تھے اور یورپین تجارتی جہازوں پر حملے کرکے اُن کا مال و اسباب لوٹنے میں مصروف تھے اس حقیقت کا ذکر خود فرنچ امیر البحر ڈی اینی نے کیا ہے۔ اسنے اپنے ملک کی وزارت بحریہ کو ان قزاقیوں اور دست درازیوں کے بارے میں متعدد مراسلات لکھے ہیں چنانچہ ایک مراسلہ میں وہ لکھتا ہے کہ:۔

"وہ جہاز جن پر یونانیوں نے ہجوم کرکے ہاتھ صاف کیا ہے ان کی تعداد اوسطاً ہر مہینہ میں ۱۶ تک پہنچتی ہے۔" یقیناً قارئین کرام اس قوم کی شرافت پر تعجب کرینگے جن کی خاطر یورپ لڑ رہا تھا۔ اپنے

عہد اپنی اور اپنے اعتماد سب کو قربان کر رہا تھا، مگر وہ اسکے ان انتہائی احسانات کا جواب اُسی یورپ کی رعایا کو پکڑتے اور اُسکے تاجروں کے مال و متاع کو لوٹنے کی انتہائی کمینگی سے انجام دے رہی تھی!!! حکومت عثمانیہ نے دول ثلاثہ سے مطالبہ کیا کہ نویرینو کی قتل عام پر علی الاعلان معافی چاہیں۔ مگر دول مذکورہ نے اسے مسترد کر دیا، اور نہ صرف اسی کو مسترد کیا بلکہ خود حکومت عثمانیہ سے مطالبہ کیا کہ یونان کے متعلق ان کے مطالبات کو منظور کرے اور یونان کی آزادی کا اعلان کر دے۔ دولت علیہ نے اس ناجائز مطالبہ کو سخت حیرت اور اندھاش و استعجاب کے ساتھ مسترد کر دیا جس پر ۸ دسمبر ۱۸۲۷ء کو انگلستان، فرانس، اور روس کے سفرا نے آستانہ چھوڑ دیا۔

۱۲ دسمبر کو تینوں سلطنتوں میں وہ مشہور اتحاد ہوا جسکا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ روس نے اس معاہدہ سے فائدہ اٹھا کر ۱۶ اپریل ۱۸۲۸ء کو ٹرکی سے جنگ کا اعلان کر دیا اور ۷ مئی کو روسی فوجیں دریائے پرتھ (Pruth) عبور کر آئیں۔

اسوقت دولت علیہ شدید خطرات میں مبتلا تھی اور خود اسکی ہستی معرض خطر میں تھی۔ ایک طرف روس جیسی قوت نے اُسکے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا، دوسری طرف انگلستان اس کے خلاف یونانیوں کو ہر طرح خفیہ و علانیہ مدد دیکر، مشرقی سمندروں میں اپنے زبردست بیڑے کو ترکی بندرگاہوں کے سامنے دائمی تہدید کے طور پر پیش کر کے، اور ابراہیم پاشا کی کوششوں کے مقابلہ میں یونان کی آزادی کا بار بار اعلان کر کے اس کے ساتھ دشمنی کا ثبوت دے رہا تھا۔ تیسری طرف فرانس نے جنرل میسون (Maison) کی قیادت میں ایک لشکر جرار یونان کی طرف بھیجکر روس کا ساتھ دیا۔ ان تین عظیم الشان سلطنتوں کے مقابلہ میں دولت علیہ بالکل بے یار و مددگار تھی اور اس کا ساتھ دینے والا محض ایک آسٹریا تھا سو وہ بھی اپنے پرانے سیاست کے مطابق روس سے بظاہر بنائے رکھنا چاہتا تھا۔ اور ٹرکی کے ساتھ صرف زبان کا شریک تھا۔ ادھر محمد علی پاشا نے یہ دیکھ کر کہ نویرینو کے واقعہ نے اس کی قوت بحری بالکل برباد کر دی ہے اور یہ خیال کر کے کہ بغاوت یونان کے فرو کرنیکا جو فرض اُسکے ذمہ عاید کیا گیا تھا اُسے وہ پورا کر چکا ہے، اپنے بیٹے ابراہیم پاشا کو واپسی کا حکم دیدیا اور وہ حسب حکم واپس چلا آیا جس کے بعد فوراً ہی فرنچ فوجوں نے تمام مقامات پر قبضہ کر لیا۔ اس پر مزید یہ کہ خود سلطان نے اس زمانہ میں اپنی مشہور "ینیچری" فوج کو یکقلم موقوف کر کے جدید یورپین طرز پر نئی فوج قائم کی تھی جسے فوجی تعلیم حاصل کرتے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا۔

مگر باوجود ان سب باتوں کے نو آموز ترکی فوجوں نے روس کے مقابلہ میں ایسی زبردست شجاعت اور ثابت قدمی ظاہر کی کہ یورپ کے تمام فوجی ماہرین حیران رہ گئے اور خود روسیوں کو اُن کے کمال کا اعتراف کرنا پڑا۔ روسی فوجیں اپنی زبردست اکثریت اور غیر معمولی ساز و سامان کے باوجود وارنا (Varna) پر بڑے بھاری نقصانات کے بعد قابض ہو سکے اور اُس کے آگے بڑھ کر شوملہ (Shumla) فتح نہ کر سکے۔ حتٰی کہ اکتوبر اور نومبر میں سخت نقصانات برداشت کرنے کے بعد انہیں پسپا ہونا پڑا۔ مٹرنیخ وزیر اعظم آسٹریا روسیوں کی اس پسپائی کو نپولین کی ۱۸۱۲ء والی پسپائی سے مشابہت دیتا ہے۔

جنگ ۱۸۲۹ء میں بھی جاری رہی مگر اس سال ترکی فوجیں جنہیں ابھی ہم اوپر نو آموز بتا چکے

ہیں، ہنیا روسی فوجوں کا پورا مقابلہ نہ کر سکیں اور شہر اس کی آستینوں بیکران فوجوں نے کوہ بلقان عبور کر لیا اور ۲۰ اگست ۱۸۲۹ء کو شہر ایڈریانوپل میں داخل ہو گئیں۔ مگر باوجود ان فتوحات کے زار نکولس اول شکست بعد از فتح کی ذلت سے ڈر رہا تھا، کیونکہ ۱۸۲۸ء میں وہ ترکی فوجوں کی بہادری اور تیزی سے سبق لے چکا تھا۔ اسلئے اسنے شاہ پروشیا سے درخواست کی کہ اُس کے اور دولت علیہ کے درمیان صلح کرا دے۔ شاہ مذکور نے اس درخواست کو منظور کر لیا اور اُسکی وساطت سے ۱۴ ستمبر ۱۸۲۹ء کو شہر ایڈریانوپل میں معاہدہ ہو گیا جس کی رو سے اُن تمام ایشیا ممالک پر روسی قبضہ تسلیم کیا گیا جو اس جنگ میں روس نے فتح کئے تھے سوا ایشیا کے۔ ولاچیا مالڈیوا اور سرویا کے حقوق کی ضمانت دی گئی، آبنائے باسفورس اور درہ دانیال سے روسی جہازوں کو آزادانہ آمد و رفت کی اجازت دی گئی۔ اور ممالک محروسۂ ترکیہ میں روسی رعایا کو تجارتی آزادی بخشی گئی۔ نیز یہ بھی طے ہوا کہ دولت علیہ روس کو ۵۰ لاکھ گنی تاوان جنگ کے طور پر ادا کرے۔ اور یونان کے متعلق دول یورپ متفقہ طور پر جو فیصلہ کریں اسے تسلیم کرے۔

دول یورپ کا فیصلہ یہ تھا کہ یونان کو کامل آزادی دیدی جائے۔ اور ۳ فروری ۱۸۳۰ء کو اس مضمون کا ایک متفقہ معاہدہ لندن میں مرتب ہوا جسے آخر دولت علیہ کو تسلیم کرنا پڑا۔

اس طرح یہ زبردست فتنہ ختم ہوا اور استقلال یونان کی تحریک کو پوری ناکامی کے بعد پوری طرح کامیابی نصیب ہوئی قارئین کرام نے گذشتہ سطور میں دول یورپ کے سیاست کا صحیح نقشہ دیکھ لیا ہوگا اور انہوں نے حیرت کے ساتھ مطالعہ کیا ہوگا کہ کس طرح ان مہذب یورپین سلطنتوں نے مسیحیت اور مذہب کے نام پر بلاد یونان کو دولت علیہ کی حکومت سے علیحدہ کر لیا حالانکہ یہی دول یورپ تھے کہ جب روس، آسٹریا اور پروشیا نے پولینڈ کے حصے بخرے کئے تو کسی کو مسیحیت کا جوش اٹھا اور نہ حرمت مذہب کا خیال دل میں آیا۔ اسی قسم کے اغراض تمام معاملات میں افراد کی طرح مہذب سلطنتوں کو بھی اندھا کر دیتے ہیں۔

دوسری مصیبت۔ دوسرا فتنہ

مسئلہ شام

(دولت علیہ اور مصر کے درمیان ایک نزاع)

یہ وہ شرمناک فتنہ ہے جس کا ذکر کبھی عثمانی اور مصریوں کے سامنے کیا جاتا ہے تو وہ تمام اور مصیبتوں سے زیادہ اس پر رنج و افسوس کرتے ہیں کیونکہ یہ تابع اور متبوع یعنی مصر اور دولت علیہ کے مابین ایک زبردست نزاع تھی، یعنی بالفاظ دیگر قلب خلافت اسلامیہ اور خود خلافت کے درمیان جنگ تھی اور مملکت عثمانیہ کی روح خود مملکت سے برسر پیکار۔ قارئین کرام اس فصل میں اُس منحوس مصیبت کی تفصیل پائینگے جو دولت علیہ اور مصر دونوں پر اور اسلام پر مجموعاً ایک جھگڑے کی بدولت نازل ہوئی۔ اُسے دیکھ کر عثمانیوں اور عامۂ مسلمین کو یہ سبق حاصل ہوا کہ ایک جسم کے اعضا، جب باہم لڑتے ہیں تو پورا جسم اور اس کا ایک ایک عضو اس سے تکلیف و نقصان اُٹھاتا ہے؛

اس مصیبت کی ابتدا اس اختلاف سے ہوئی جو عزیز مصر اور والی عکہ کے درمیان بعض مصریوں کی مہاجرت کے باب میں واقع ہوا تھا۔ والئے عکہ اُن مصریوں کو جو شام کی طرف ہجرت کر گئے تھے واپس کرنے پر تیار نہ ہوتا تھا، اور مرحوم محمد علی پاشا اس پر اصرار کر رہے تھے۔ یہ اختلاف اتنا بڑھا کہ عزیز مصر نے

اپنے بیٹے ابراہیم پاشا کو ایک لشکر جرار کے ساتھ شام کی طرف بھیجا تاکہ والی مذکور سے بدلہ لے حسب حکم ابراہیم پاشا روانہ ہؤا اور ۲۷ مئی ۱۸۳۲ سنہ کو عکہ پر قابض ہو گیا، مگر اس پر قناعت نہ کر کے وہ بڑھتا چلا گیا۔ اور دمشق و حمص لیتا ہؤا مختلف لڑائیوں کے بعد سلسلہ کوہ طوروس کو عبور کر گیا۔ ۱۸۳۲ سنہ کے آخر تک مرحوم ابراہیم پاشا ایشیائے کوچک کے قلب تک پہنچ گیا اور عساکر مصری و عساکر عثمانی کے درمیان قونیہ کا مشہور حادثہ فاجعہ پیش آنے کے بعد شہر مذکور اس کے قبضہ میں آگیا۔ اس واقعہ میں سب سے زیادہ اہم اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ مصریوں کے ہاتھوں مرحوم رشید پاشا بھی قید ہو گئے جو یونان میں ترکی و مصری افواج کے قائد عام اور خود ابراہیم پاشا کے افسر رہ چکے تھے۔

ان پے در پے فتوحات سے قارئین کرام ایک طرف تو اس زمانہ میں مصر کی عظیم الشان قوت پر حیرت کرینگے اور دوسری طرف اس بات پر حیران ہوں گے کہ بہادر ترک کیونکر پسپا ہوتے چلے گئے اسکا جواب وہی ہے جو ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ سلطان محمود مصلح مرحوم نے اسی زمانہ میں ینگچری فوج کو موقوف کیا تھا اور جدید ترکی فوج کی تنظیم میں مصروف تھے کہ محمد علی پاشا کھڑے ہو گئے اور دفعتاً بغیر کسی الٹی میٹم کے اس زور شور سے جنگ چھیڑ دی۔ اس حالت میں اوّل تو سلطان پوری طرح تیار نہ تھے اور دوسرے اُن کی فوج بالکل نو آموز تھی جس میں حرب ضرب کی استعداد کامل پیدا نہ ہوئی تھی؛

اس منحوس اختلاف کا نتیجہ یہ ہؤا کہ سلطان محمود مرحوم نے مجبور ہو کر دول یورپ سے مدد طلب کی روس نے اپنا نفوذ و اقتدار بڑھانے اور ٹرکی پر اپنا چنگل مضبوط کرنے کے لئے اس موقع کو بہت مناسب سمجھا اور فوراً عزیز مصر کے خلاف دولت علیہ کی مدد پر آمادگی ظاہر کرا دی یہاں تک کہ زار نے خود اپنے ایک خاص افسر کاؤنٹ موراقیف کو آستانہ بھیجکر اس کے ذریعہ یہ پیغام دیا کہ اگر آپ چاہیں تو حکومت روس اپنا ایک زبردست بیڑہ اور جرار فوج عزیز مصر کے خلاف آپکی مدد کے لئے دے سکتے ہیں جو اسکندریہ پہنچکر محمد علی پاشا کو آپ کی اطاعت اور آپ کے خلاف اپنے منصوبوں سے دست بردار ہونے پر مجبور کر دیگا۔ موراقیف جب یہ پیغام لے کر آستانہ پہنچا تو ارکان سلطنت نے نہایت غم اور افسوس کیساتھ اُسکے پیغام کو قبول کیا، کیونکہ متبوع اعظم اور تابع یعنی خلیفہ اسلام اور اسکے اعظم ترین امیر کے درمیان اس منحوس اختلاف کی بدولت یہاں تک نوبت پہنچا کہ غیروں سے اس میں مدد لیجائے، انتہائے ذلت اور ادبار کی علامت تھا۔ آستانہ میں اس طرح معاملہ طے کرنے کے بعد کاونٹ موراقیف جنوری ۱۸۳۳ سنہ میں اسکندریہ پہنچا تاکہ عزیز مصر کو امن و سلامتی کے ساتھ حل مشکلات پر راضی کرے۔

اس معاملہ میں روس کی سیاست تو یہ تھی جسکے افسوسناک نتائج آئندہ سطور میں پیش کیے جائینگے پروشیا کا مسلک یہ تھا کہ اُس نے کوئی مداخلت نہ کی اور دیگر دول یورپ کو مسئلہ مذکور میں مشغول چھوڑ کر نتائج کا انتظار کیا۔ آسٹریا کے ارباب سیاست میں سے اکثر یہ چاہتے تھے کہ اس اہم معاملہ میں مداخلت کر کے روس کے خلاف کوشش کریں مگر جن لوگوں کے ہاتھوں میں اُسوقت اس سلطنت کی باگیں تھیں۔ اُنھوں نے دیکھا کہ اندرونی بغاوتیں ہر طرف سے ان کی سلطنت کو دہمکی دے رہی ہیں اور ایسی حالت میں ان کے لئے روس کی مساعدت و معاونت بہت ضروری ہے، اسلئے اُنہوں نے غیر جانبداری اختیار کی اور نتائج کے انتظار میں حوادث کی رفتار کو دیکھنے لگے۔ انگلستان ابتداءً عزیز مصر کی کوششوں کا مخالف تھا مگر اُسے دولت علیہ میں روس کی نفوذ کی زیادتی میں اپنے نفوذ کی کمزوری کا خوف ہؤا۔ اسلئے

اُس نے ایک ہی وقت میں روس کی مخالفت اور دولت علیہ کی مساعدت کا ارادہ کیا۔ تاہم اس زمانہ میں آئرلینڈ برطانیہ کے خلاف برسرِ غدر تھا اور حریت و استقلال کیلئے سخت جدوجہد کر رہا تھا۔ اس لئے انگلستان مسئلہ مصر و دولت علیہ میں کوئی قطعی سیاست اختیار نہ کر سکا۔ دول یورپ میں اسوقت صرف فرانس ایسا ملک تھا جسکی سلطنت خفیہ و علانیہ عزیز مصر کی مددگار تھی۔ وہاں کی رائے عامہ اُس زمانہ میں محمد علی پاشا سے بہت محبت رکھتی تھی، اور مصر کی رفع شان اور اُسکی ترقی کیلئے عزیز مصر کی مساعی و مجہودات فرانس میں بہت قدر کے ہاتھ دیکھی جاتی تھیں۔ مصر کی ترقی کے لئے عزیز مصر نے جتنے عمال باہر سے بلائے تھے وہ بھی زیادہ تر فرانسیسی تھے اور اسکے ساتھ یہ بھی تھا کہ لوئی فلپ شاہ فرانس اور محمد علی پاشا کے درمیان ان دنوں میں بھی گہری دوستی قائم تھی!

سفیر فرانس متعین آستانہ کو خوف ہوا کہ اسکی حکومت کا اثر مصر میں جتنا زیادہ ہے، کہیں دولت علیہ میں اُتنا ہی کم نہ ہو جائے۔ اسلئے اُس نے ایک طرف باب عالی سے درخواست کی کہ اپنے اور مصر کے درمیان اس کی وساطت قبول کرے، دوسری طرف ابراہیم پاشا کو فرانس کی دوستی کا واسطہ دیکر لکھا کہ اپنی پیشقدمی بند کر دے، اور تیسری طرف محمد علی پاشا سے درخواست کی کہ سلطان محمود ثانی کی جانب سے جو شرائط صلح خلیل پاشا لائے ہیں۔ انہیں قبول کرلے۔ شرائط یہ تھیں کہ دولت علیہ مصر کے حق میں عکہ، نابلس، صیدا اور بیت المقدس سے دست بردار ہوتی ہے مگر محمد علی پاشا پورے ملک شام پر اپنا قبضہ چاہتا تھا۔ اور مصر کا فرنچ قونصل اُسے اس مطالبہ پر قائم رہنے کے لئے برابر اُکسا رہا تھا۔ اسلئے اُسنے ان شرائط کو قبول نہ کیا جو سلطان کیطرف سے خلیل پاشا نے پیش کی تھیں، اور سفیر فرانس متعین آستانہ کی خواہش کو رد کر دیا کیونکہ وہ اس خواہش کو ٹرکی کی خیرخواہی پر مبنی سمجھا تھا اور اُسے خیال تھا کہ یہ حکومت فرانس کے محکمہ خارجیہ کی طرف سے نہیں پیش کیگئی ہے۔ اسی کے ساتھ اُس نے ابراہیم پاشا کو حکم دیا کہ پیشقدمی جاری رکھے رہتے کہ وہ بڑھتے بڑھتے کوتاہیہ تک پہنچ گیا۔

جب سلطان محمود مرحوم نے دیکھا کہ مصری یہاں تک بڑھ گئے ہیں تو انہوں نے آخر جنوری ۱۸۳۳ء میں حکومت روس سے درخواست کی کہ وہ اپنا بیڑہ بھیجدے جسکا اُسنے وعدہ کر لیا۔ اسی اثنا میں کاونٹ مورافیف اسکندریہ واپس ہو کر آستانہ پہنچا اور باب عالی کو مطلع کیا کہ وہ عزیز مصر کو مصالحت پر ایک حد تک آمادہ کر آیا ہے اور یہ کہ عزیز مصر نے اُس کی درخواست پر اپنے بیٹے کو پیشقدمی روکدینے کا حکم دیدیا ہے۔ دول یورپ کو جب اسکا علم ہوا تو انہوں نے کہا کہ اب روسی بیڑہ کا آبنائے باسفورس میں آنا غیر ضروری ہے اور اُن کی درخواست پر باب عالی نے روس سے خواہش کی کہ اپنا بیڑہ کریمیا ہی لیجائے مگر روس کو اس سے بہتر کونسا موقع ملسکتا تھا کہ اپنا بیڑہ مشرقی سمندروں میں لاکر مسلمانوں اور عیسائیوں پر دولت علیہ کے ساتھ اپنی دوستی و حمایت کا مظاہرہ کرے۔ وہ سلطان کے منع کرنے کے باوجود باسفورس میں اپنا بیڑہ لایا عین محل سلطانی کے سامنے لنگر انداز ہوا اور آستانہ کی سرزمین پر اپنا لشکر اُتار کر کچھ عرصہ وہاں مقیم رہا۔ اسپر انگلستان، فرانس اور آسٹریا کے ہوش اُڑ گئے انہوں نے باب عالی پر زور دیا کہ جلدی سے جلد عزیز مصر سے معاملہ طے کر کے اس بلا کو اپنے ملک سے دُور کرے۔ چنانچہ سلطان محمود مرحوم نے دول ثلاثہ کی اس تجویز کو منظور فرمایا۔ اور مخابرات مختلفہ کے بعد اوائل مئی ۱۸۳۳ء میں دولت علیہ نے دو فرمانوں کا اعلان کیا جن کی رو سے عزیز مصر کو شام اور ولایت اطنہ پر والی مقرر کیا گیا۔ اس اتفاق کو جو مذکورہ بالا دونوں فرمانوں کی رائے

مکمل ہوا تھا اتفاق کو ثانیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کیونکہ عقد اتفاق کے وقت ابراہیم پاشا اسی شہر پر مستولی تھا۔

ان دونوں فرمانوں کے صدور پر دول یورپ نے دولت روس سے درخواست کی کہ اب وہ اپنے بیڑے کو اور اپنی فوج کو آبنائے باسفورس اور اراضی دولت علیہ سے واپس بلالے۔ مگر اس نے اس درخواست کے قبول کر لینے کے بعد بھی اسوقت تک اسپر عمل نہ کیا جب تک باب عالی سے ایک ایسے معاہدہ پر دستخط کرالئے جس نے روس کو دولت علیہ میں زبردست نفوذ و اقتدار کا مالک بنا دیا۔ یہ معاہدہ "معاہدہ خونکار اسکلہ سی" کے نام سے موسوم ہے اور اس کا مضمون یہ ہے کہ دولت علیہ روس کے ساتھ مدافعانہ اتحاد کرتا ہے، اور دونوں سلطنتیں کسی دوسری سلطنت سے جنگ چھڑنے کی صورت میں ایک دوسرے کی مدد کا عہد کرتی ہیں خواہ وہ مدد ان کے اپنے ممالک میں ہو یا ان سے باہر" کوئی شک نہیں کہ بظاہر اس قسم کا اتحاد اپنے اندر کسی قسم کی برائی نہیں رکھتا، مگر غور تو تمہاری سمجھ میں آئیگا کہ روس کے لئے تو اس زمانہ میں کوئی ایسا خطرہ نہ تھا جسکی مدافعت کیلئے دولت علیہ کی فوجیں اس کے اندرون ملک میں جاتیں، مگر برخلاف اس کے دولت علیہ ہر وقت ایسے خطرات میں گھری ہوئی تھی اسلئے روس کو ہر وقت موقع تھا کہ معاہدہ کے نام سے اپنی فوجیں اسکے گھر میں بھیجدے۔ پھر صرف یہی نہیں بلکہ روس کیلئے یہ بھی موقع تھا کہ اپنے جاسوسوں اور ایجنٹوں کو بھیجکر دولت علیہ میں امن شر و فساد برپا کرلے اور پھر اپنی فوجیں بھیجکر ان فسادات کو فرو کرنے کے نام سے دولت علیہ کا عجز، اسپر اپنا تفوق اور اسپر اپنے "دوستانہ" حقوق کا مظاہرہ کرتا رہے؛

اس کے علاوہ روس نے اپنی چالاکی سے اس بات کے امکان کا بھی سد باب کر دیا کہ شاید کبھی اسکو کسی سلطنت سے جنگ کرنی پڑے اور اسوقت دولت علیہ اس معاہدہ کے نام سے اس کے ملک میں فوجیں بھیجدے۔ چنانچہ معاہدہ خونکار اسکلہ سے میں ایک شرط اس مضمون کی بھی رکھی گئی تھی کہ اگر روس کسی دوسری سلطنت سے جنگ میں مبتلا ہو جائے تو دولت عثمانیہ پر اپنے لشکر سے اس کی مدد کرنا لازم ہوگا بلکہ اس کی طرف سے مدد کافی ہوگی کہ روس کے دشمن سلطنت یا سلطنتوں کے بیڑوں کے لئے درہ دانیال کا راستہ بند کر دے؛

فرانس اور انگلستان کو جب اس معاہدہ کا علم ہوا تو دونوں نے اسے باطل کرنے کی کوشش کی، مگر ان کی کوششیں ناکام ہوئیں، اور روس سے ان کے تعلقات مکدر ہوگئے۔

اتفاق کوتاہیہ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا۔ کیونکہ انگلستان جس کو مشرق میں امن و سلامتی ایک آن نہ بھاتی تھی، اور جو مسئلہ شرقیہ میں ہر موقع پر مسلمانوں کی قوت توڑنے اور انھیں کمزور کرنے کی سیاست اختیار کرتا تھا، دولت علیہ کو بھڑکانے لگا اور اسے ترغیب دینے لگا کہ عزیز مصر سے کسی طرح بدلہ لے۔ اس نے اس ناپاک اغوا سے ایک یہ فائدہ بھی سوچا تھا۔ کہ مصر اور دولت علیہ کی جنگ میں حصہ لے کر وہ روس کے اثر کو گھٹا دیگا۔ اور باب عالی پر خود اپنا اثر سب سے زیادہ قائم کر سکیگا۔ اس مقصد کے لئے وہ برابر دولت علیہ کو محمد علی پاشا کے خلاف بھڑکاتا رہا اور چونکہ رجال سلطنت میں اس وقت پاشا موصوف کے خلاف غیظ و غضب کے جذبات تازہ تھے، اسلئے وہ انگلستان کے اصلی مقصد کو نہ سمجھ سکے اور اسکی باتوں میں آگئے؛

اس سیاست سے پہلا فائدہ انگلستان نے یہ اُٹھایا کہ باب عالی سے ایک تجارتی معاہدہ کرکے اپنے لئے بھی وہی حقوق وامتیازات حاصل کرلئے۔ جو تنامُرہ خونکلراسکلاسی نے رُوس کو دلوائے تھے۔ پھر اسی پر بس نہیں بلکہ عثمانی مدبرین کے اعتماد سے فائدہ اُٹھاکر اُسنے انتہائی چالبازی کے ساتھ عدن پر قبضہ کرلیا۔ اور اس طرح حکومت عثمانیہ کو اپنے دوستے کی اصلیت سے آگاہ کرنے کی کوشش کی مگر باوجود اس کے دولت علیہ کی آنکھیں نہ کُھلیں اور اُسنے انگلستان کی ترغیب وتحریص پر حافظ پاشا کی قیادت میں ایک لشکر جرار ایشیا کی طرف روانہ کردیا۔ اس لشکر نے ۲۱ اپریل ۱۸۳۹ء کو نہر فرات عبور کیا اور ۷ رجون کو دولت علیہ نے مصر پر اعلان جنگ کردیا۔ مرحوم محمد علی پاشا کو بھی علم ہوچکا تھا کہ دولت علیہ اُسپر حملہ کرکے اُسے شام سے نکالدینے کی تیاریاں کررہی ہے" اس لئے وہ بھی پوری طرح جدال وقتال کی تیاریاں کرچکا تھا۔

دول یورپ نے بھی دولت علیہ کی آمادگی سے آگاہ ہوکر اپنے اپنے سیاست کے مطابق مسئلہ مصر میں مداخلت کی تیاریاں شروع کردیں۔ انگلستان نے فرانس کو اپنے ساتھ ملاکر اور محمد علی پاشا کے خلاف دولت علیہ کی مدد کرکے روس کے نفوذ واقتدار کو گھٹانے کی کوشش کی، مگر اُس نے عزیز مصر کے خلاف انگلستان کا ساتھ دینے سے انکار کردیا کیونکہ فرانسیسی قوم میں محمد علی پاشا کے لئے بڑا احترام موجود تھا اور اُسکے ارادوں سے عام طور پر ہمدردی کیجاتی تھی۔ بلکہ انگلستان کے علی الرغم فرانس کے دارالمبعوثین میں مقررین نے بڑے زور شور کے ساتھ عزیز مصر اور اُسکے ارادوں کی موافقت کی اور اپنی حکومت سے درخواست کی کہ اُسکی مدد کرے اور ہر ایسے عمل کی مخالفت میں اُسکا ساتھ دے جو اُسے نقصان پہنچانے والا ہو۔ فرانس کی رائے عامہ نے کبھی فرانسیسی حکومت پر اتنا زبردست اثر نہیں ڈالا جتنا مصر کے معاملہ میں وہ ڈال سکے۔ چنانچہ حکومت مذکورہ نے عزیز مصر کی ہر طرح مدد کی اور خفیہ وعلانیہ اُسکا ساتھ دیا۔

فرانس کی اس مخالفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگلستان نے محمد علی پاشا کے خلاف روس سے اتحاد کرلیا۔ رہا آسٹریا، سو اُسنے دول کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ دائنا میں ایک بین الدول کانفرنس منعقد کرکے مسئلہ مصر کو حل کردیا جائے، مگر روس اور فرانس دونوں نے اسے رد کردیا۔ اول الذکر نے اسلئے کہ اگر تمام دول یورپ نے اس معاملہ میں مداخلت کی تو خود اُسکا اپنا اثر گھٹ جائیگا۔ اور ثانی الذکر نے اس لئے کہ وہ محمد علی پاشا کے خلاف دول یورپ کا اتفاق پسند نہ کرتا تھا۔ اس اثنا میں کہ دول یورپ باہم گفتگوئیں کررہے تھے نصیبین یا "نزیب" کا مشہور حادثہ وقوع پذیر ہوا جس میں ۲۴ رجون ۱۸۳۹ء کو ابراہیم پاشا کے لشکر نے ترکی فوج پر زبردست فتح حاصل کی۔ اس واقعہ کے ایک ہی ہفتہ بعد سلطان محمود ثانی نے انتقال فرمایا مگر وہ اپنے آخری وقت اس صدمہ سے محفوظ رہے کیونکہ تار برقی نہ ہونے کی وجہ سے واقعہ نزیب کی خبر ان کے انتقال کے بعد پہنچی۔ سلطان محمود کے بعد آل عثمان کے تخت پر سلطان غازی عبدالحمید خاں جلوہ افروز ہوئے۔

اس سال ۴ رجولائی کو عثمانی بیڑہ کے قپودان (کپتان) احمد پاشا نے خود بخود پورا بیڑہ محمد علی پاشا کے حوالہ کردیا۔ اور اس کا سبب یہ ہوا کہ وہ خسرو پاشا وزیر اعظم سے دلی بغض اور عزیز مصر سے قلبی اتحاد رکھتا تھا۔ دول یورپ کو جب اس حیرت انگیز واقعہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے ۲۷ رجولائی ۱۸۳۹ء کو ایک میموریل باب عالی کے پاس بھیجا جس میں علی الاتفاق یہ جنگ ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ سب کے سب اس مصیبت میں اس کا ساتھ دینے پر آمادہ اور اسکی حفاظت پر تیار ہیں۔ فرانس نے بھی اس میموریل میں تمام دول کے ساتھ شرکت کی۔ مگر اس سے مقصد یہ نہ تھا کہ وہ محمد علی پاشا کے خلاف کوئی کارروائی کرے، بلکہ

صرف یہ تھا کہ محمد علی کے خلاف دول کا یہ اتحاد اتحاد حربی نہ ہونے پائے۔ چنانچہ فرانس کی درخواست پر ابراہیم پاشا نے یقین سے آگے پیشقدمی موقوف کردی تاکہ دول کو جنگی مداخلت کا موقع نہ ملے۔

اس موقع پر لارڈ پارسٹن (Lord palmero) وزیر خارجۂ انگلستان نے دول یورپ سے درخواست کی کہ متحدہ طور پر عزیز مصر کو ایک تنبیہ نامہ بھیجیں کہ وہ شام سے اپنا لشکر واپس بلاکر صرف امارت مصر پر قناعت کرے، ورنہ اُسے بزور اسپر مجبور کیا جائیگا۔ فرانس نے پارسٹون کی اس تجویز سے شدید اختلاف کیا اور مطالبہ کیا کہ محمد علی پاشا کو مصر، شام اور بلاد عرب کا امیر تسلیم کیا جائے۔ پیرس و لندن کی حکومتوں میں اس مسئلہ پر اختلاف بڑھتا گیا اور اخبارات کی طرح دونوں سلطنتوں کے مراسلات کا بھی لہجہ سخت ہوتا گیا یہاں تک کہ دونوں کے علائق سیاسی مدت سے زیادہ مکدر ہوگئے۔ روس نے اس اختلاف سے فائدہ اُٹھاکر انگلستان کو اپنے ساتھ متحد کرنے کی کوشش کی اور انگلستان و فرانس کے نفاق کو انگلستان و روس کے اتحاد کی بنیاد بنانا چاہا۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے زار نے بیرن ڈی پرونو (Baron d' prono) کو اپنا خاص نمائندہ بناکر لندن بھیجا۔ مگر انگریزی حکومت کے بعض وزرا پارسٹون کی رائے سے اس بارہ میں اختلاف رکھتے تھے اور اُن کے نزدیک فرانس سے اتحاد رکھنا انگلستان کے لئے ضروری تھا، اسلئے انگلستان و روس کا اتفاق مکمل نہ ہوسکا اور بیرن ڈی پرنو اپنی حکومت سے جدید ہدایات لینے کے لئے سینٹ پیٹرسبرگ واپس چلا گیا۔

عزیز مصر کے ساتھ فرنچ قوم کی ہمدردی بڑھتے بڑھتے اسقدر پرجوش ہوگئی کہ اُسکے نتائج سے لوئی فلپ شاہ فرانس کو خوف پیدا ہوگیا اور اُس نے سینٹ ہیلینا سے نپولین اول کی ہڈیوں کو منتقل کرکے اس جلوس کے ساتھ دفن کرنے کا حکم دیا تاکہ نپولین اور اُسکے فتوحات کی یاد تازہ ہوکر فرنچ قوم کا جوش و خروش اُسکی طرف منعطف ہوجائے اور مصر و عزیز مصر کا خیال دب جائے۔ چنانچہ نپولین کی لاش فرانس لائی گئی اور ایک ایسے عظیم الشان جلوس کے ساتھ جو پیرس کی سرزمین نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اُسے دفن کردیا گیا۔ اس کارروائی سے فرنچ قوم کا جوش ایک حدتک دوسری طرف مشغول ہوگیا مگر یہ نہ ہوا کہ وہ مصر کو بالکل چھوڑ دیتے۔

بیرن ڈی پرونو جب روس سے دوبارہ انگلستان پہنچا۔ تو برطانی مدبرین اُس سے متفق ہوگئے اور اُنہوں نے تمام دول یورپ کو دعوت دی کہ مصری مسئلہ حل کرنے کے لئے لندن میں ایک کانفرنس منعقد کریں۔ فرانس نے اس کانفرنس میں شرکت کی۔ مگر اُسکے سفیر متعین لندن موسیو گوئی زو ( ) نے اپنی تمام تر کوشش اس مقصد کے لئے صرف کردی کہ کانفرنس زیادہ عرصہ تک جاری رہے اور دول یورپ کسی ایک آخری نتیجہ پر متفق نہ ہوسکیں، کیونکہ حکومت فرانس اسوقت خفیہ طریقہ سے ٹرکی و مصر کے درمیان صلح کرادینے کی کوشش کررہی تھی اور اُسے توقع تھی کہ دول کی مداخلت کے بغیر مصر کی مرضی کے مطابق نتیجہ برآمد ہوجائیگا۔

فرانس کو مصر اور باب عالی کے ساتھ اپنے پوشیدہ مخابرات میں ایک حدتک کامیابی حاصل ہوگئی اور اُسکے پہلے نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان نے خسرو پاشا سابق صدر اعظم کو معزول کردیا۔ مگر جب سفیر انگلستان متعین آستانہ کو ان خفیہ مخابرات کا علم ہوا تو اُس نے فوراً اس نہایت اہم خبر کو اپنے حکومت تک پہنچا دیا۔ جسے سنکر پارسٹون سخت غضبناک ہوا اور فرانس سے اس کا بدلہ لینے پر آمادہ ہوگیا۔ چنانچہ

شام میں محمد علی پاشا کے خلاف ریشہ دوانیاں کر کے وہاں کے باشندوں سے بغاوت کرادی، اور دوسری طرف تمام دول یورپ سے گفتگو کر کے خاص مصر کے بارہ میں انگلستان، روس، آسٹریا، اور پروشیا کے درمیان ایک معاہدۂ اتحاد طے کر لیا یعنی فرانس کو یورپین برادری سے نکالدیا گیا۔ اس معاہدہ پر ۱۵ جولائی ۱۸۴۰ء کو چاروں سلطنتوں نے لندن میں دستخط کر دیئے۔

یہ اتحادی معاہدہ اس مضمون کا تھا کہ محمد علی پاشا جزیرۂ کریٹ، بیت المقدس، عکہ اور بلاد شام دولت علیہ کے حوالہ کرے ولایت عکہ کی گورنری سے اُن کے حین حیات تک اُسکے قبضہ میں رہے، اور مصر کی ولایت اسکے خاندان میں ہمیشہ کیلئے تسلیم کیجائے۔ نیز یہ کہ اگر پاشا مذکور اس متفقہ تنبیہ کے پہنچنے پر اس کے اندر دول کے احکام قبول نکرے تو اس سے عکا کی ولایت چھین لیجائیگی۔ اور اگر پھر دس دن کے اندر اطاعت نہ کرے تو خود مصر سے بھی نکالدیا جائیگا۔ اسکے علاوہ یہ بھی طے پایا کہ چاروں سلطنتیں دردہ دانیال، اور باسفورس کے آبناؤں کو ہر دشمن سے بچانے کی متفقہ کوشش کرینگی۔ آخر میں یہ بھی طے ہوا کہ اگر ضرورت وقت نے مجبور کیا تو اس معاہدہ پر دول متعلقہ کے باقاعدہ توثیق و تصدیق سے پہلے ہی عمل شروع کر دیا جائیگا،

لوئی فلپ شاہ فرانس کو جب اس معاہدہ کا علم ہوا تو اُسے سخت غصہ آیا اور اُسنے اپنے وزیر اعظم موسیو تھیرس کی اس تجویز سے اتفاق کیا کہ جنگ کی تیاری شروع کر دینی چاہیئے۔ موخر الذکر نے اس کا حکم پاتے ہی فوجوں کی تیاری کا حکم دیدیا اور سرحدی استحکامات مکمل کئے جانے لگے۔ اخبارات نے گرم گرم مضامین لکھ کر پورے فرانسیسی قوم کو یورپ کے خلاف بھڑکا دیا اور امیر مصر کے لئے دول یورپ سے انتقامات لینے کا جذبہ انتہائے قوت کے ساتھ منتقل ہو گیا۔

۱۱ ستمبر ۱۸۴۰ء کو انگریزی امیر البحر نپئیر نے بندرگاہ بیروت پر حملہ کر کے ابراہیم پاشا کو تخلیہ پر مجبور کر دیا اور تخلیہ کے تین دن بعد مسٹر (پونسوبنی) سفیر انگلستان متعین آستانہ کے تحریص پر باب عالی نے محمد علی پاشا کو امارت مصر سے معزول کر دیا۔ ان دونوں واقعات نے فرانس میں مزید جوش پھیلا دیا، اور فرنچ گورنمنٹ نے نہایت تیزی کے ساتھ اور بڑے پیمانہ پر اپنی جنگی تیاریاں مکمل کرنی شروع کر دیں

چند ہی روز بعد موسیو تھیرس کی وزارت مستعفی ہوگئی اور اسکی جگہ مارشل سالٹ (Marshal Soult) وزیر اعظم ہوا۔ جسنے موسیو گیزو سفیر فرانس متعین انگلستان کو اپنا وزیر خارجہ بنایا۔ موخرالذکر نے اپنی تمام تر کوششیں ۱۵ جولائی والے معاہدۂ اتفاق کو نرم کرانے میں صرف کر دی، مگر اسکی کوئی کوشش کامیاب نہو سکی کیونکہ فرانس، اور عزیز مصر کے ساتھ پامرسٹن کی نفرت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔

اس اثنا میں شام سے جو خبریں آئیں وہ پامرسٹن کی آرزوؤں کے عین مطابق تھیں یعنی یہ کہ انگریزی و آسٹری بیڑوں نے شام کے تمام اہم بندرگاہوں پر قبضہ کر لیا ہے، ۲ نومبر ۱۸۴۰ء کو بندرگاہ عکا بھی مصریوں کے ہاتھ سے نکلگیا۔ اور محمد علی اس ہیجان عام کو فرو نہ کر سکا جو انگلستان کے وسیسہ کاریوں نے اس کے خلاف ممالک شام میں برپا کر دیا تھا۔ پامرسٹن ان خبروں کو سنکر بہت خوش ہوا اور اسنے کوشش کی کہ محمد علی کے خلاف تمام یورپ میں عام دشمنی پیدا کر کے اپنی تمام آرزوؤں کو پورا کر لے۔ چنانچہ اسنے دول یورپ سے تحریک کی کہ محمد علی پاشا کو وزارت مصر ہی سے معزول کر دیا جائے اور اس کے خاندان کو دیار مصر سے خارج کر دیا جائے۔ اسپر فرانس میں اور جوش بڑھا اور موسیو تھیرس ایوان مبعوثین میں وزارت

پر سخت حملے کئے کہ وہ فرانس کے دوست محمد علی پاشا کو انگلستان کے انتقام کے لئے تنہا چھوڑ دیتے ہے اسپر موسیو گیزو وزیر خارجہ نے موسیو تیرس اور دوسرے مقرروں کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے اعلان کیا کہ فرانس ایک لمحہ کے لئے بھی محمد علی پاشا اور اسکی نسل سے امارت مصر کے انتزاع کو برداشت نہ کریگا۔ بلکہ وہ اسکے حقوق کی حفاظت میں جنگ تک کرنے پر مستعد ہے۔ حکومت فرانس کے اس لہجہ کو دیکھکر دول یورپ نے محسوس کیا کہ اگر پارسٹن کی تجویز کو منظور کر لیا گیا تو یہ فعل ایک عام جنگ اور اسکے ساتھ زبردست مصائب و نوائب کا باعث ہوگا کہ اسلئے انہوں نے جنگ کے ہولناک نتائج سے بچنے اور فرانس کو راضی کرنے کے لئے اسے رد کر دیا۔

محمد علی پاشا نے اسوقت تک دول یورپ کے سامنے سر نہیں جھکایا جب تک اسے یقین نہ ہوگیا کہ فرانس تمام دول کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور یہ کہ اگر خود اس نے تنہا مقاومت کی اور بدستور اپنے عزم پر قائم رہا۔ تو امیر البحر نیپر (napier) بندرگاہ اسکندریہ کو دہکی دیگا۔ آخر اس نے نیپر کے ساتھ معاہدۂ اتفاق مکمل کر لیا، جس میں، اس نے عہد کیا کہ مصری فوجیں شام سے ہٹا لیگا اور اس کے عیوض نیپر نے عہد کیا۔ کہ مصر کی امارت اسی کے اور اس کی اولاد کے لئے برقرار رہیگی۔ اس اگریمنٹ کی خبر جب آستانہ پہنچی تو سفیر انگلستان (مسٹر پونسونبی) نے باب عالی کو اسکے مسترد کر دینے کی صلاح دی، اور اسکی رائے پر عمل کر کے باب عالی نے اعلان کر دیا کہ وہ امارت مصر کو صرف محمد علی کے جین حیات تک اسکے سپرد کرتا ہے مگر اس کے خاندان میں امارت مستقل کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔

فرانس یہ خبر سنکر پھر چونکا اور اس کی حکومت نے ایوان مقننین میں تحریک کی کہ شہر پیرس کی قلعہ بندی یا جنگی تیاریوں کی تکمیل کر دی جائے۔ مجلس مذکور نے اسے بخوشی قبول کیا اور خاندان خدیوی کی تعمیر کے لئے اپنی حکومت کی مستحکم پالیسی پر اظہار پسندیدگی کر دیا۔ اس سے آسٹریا اور پروشیا کی حکومتیں پریشان ہوگئیں۔ کیونکہ انہوں نے سمجھ لیا کہ اب فرانس درحقیقت جنگ کیلئے تیار ہے۔ اور اگر محمد علی پاشا اور اسکے خاندان کی حق تلفی کا ارادہ کیا گیا تو یورپ میں فی الحقیقت ایک عام جنگ بپا ہو جائیگی۔ چنانچہ اس خیال سے دونوں سلطنتوں نے ارادہ کر لیا کہ محمد علی پاشا اور اسکے خاندان کی حمایت کر کے جنگ کو بہر صورت روکیں اور عملاً انگلستان و روس پر زور دیکر باب عالی کے سامنے ایک مشترکہ یادداشت پیش کی جس میں ہر چہار دول متحدہ نے اس سے درخواست کی تھی کہ محمد علی پاشا کو اور اس کے بعد اسکے خاندان کو مصر کی امارت سپرد کر دیجائے۔ یہ یادداشت ۳۱ جنوری ۱۸۴۱ء کو باب عالی کے سامنے پیش کر دیگئی اور اسکے ساتھ ہی آسٹریا نے مسئلہ مصر کے اسطرح طے کر دیئے جانے پر فرانس کو راضی کرنے کی انتہائی کوشش شروع کر دی۔ آخر فرانس نے اسے قبول کر لیا مگر یہ شرط کر لی کہ لندن کے معاہدۂ اتفاق کو بالکل کالعدم کر دیا جائے جو محض اسکی مخالفت کے لئے طے کیا گیا تھا۔ البتہ اس نے دول کے ساتھ اسی باب میں اتفاق کیا کہ آئندہ باسفورس اور درۂ دانیال کو تمام دول کے جنگی جہازوں کیلئے بلا استثنائے واحد بند کر دیا جائے[1]

[1] اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ دول یورپ کو قسطنطنیہ کی حفاظت منظور تھی بلکہ در اصل روس کی قوت کے سخت مخالف تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اگر اسطرح تمام سلطنتوں نے آبناؤں کی حفاظت کا ذمہ نہ لیا تو روس اپنے بحری قوت بحر اسود میں مضبوط کر کے ٹرکی پر مسلط ہو جائیگا۔

قبل اسکے کہ دول اُس اگریمنٹ پر دستخط کرتے، باب عالی نے (مسٹر بونسونبی) سفیر انگلستان کی نصیحت پر عمل کرکے ایک خط شریف شائع کیا جس میں اعلان کیا گیا تھا کہ حکومت مصر محمد علی پاشا کے خاندان میں وراثتاً قائم رہیگی، مگر دولت علیہ کو اختیار ہوگا کہ ایک امیر کے مرنے کے بعد اسکے خاندان میں سے جسکو چاہے منتخب کرلے نیز یہ شرط تھی کہ مصری فوج ۱۸ ہزار سے زیادہ نہو، اور مصری حکومت اُنھیں اصولوں کے مطابق ٹیکس مقرر کرے جو ٹرکی میں رائج ہیں، اور یہ کہ محصولات کا چوتھا حصہ دولت علیہ کو ہر سال دیا کرے عزیز مصر نے ان قیود کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور فرانس نے بھی اُنھیں مسترد کرکے پھر پچھلا سا جوش ظاہر کرنا شروع کردیا۔ آخر مٹرنیخ وزیر اعظم آسٹریا نے پھر اس معاملہ میں دخل دیا اور سلطان سے درخواست کی کہ رشید پاشا صدر اعظم کو معزول کردیں۔ کیونکہ وہ سفیر انگلستان کے اشارہ پر چلتے ہیں۔ چنانچہ اُسکی درخواست کو قبول کرکے سلطان نے رشید پاشا کی جگہ رفعت پاشا کو صدر اعظم مقرر کیا، اور ایک دوسرا فرمان صادر کیا جس میں محمد علی پاشا کو مصر پر والی مقرر کیا گیا۔ اور امارت مصر کو اُس کی اولاد میں اس شرط کے ساتھ موروثی کردیا گیا کہ خاندان میں جو سب سے بڑا ہو۔ وہی امیر ہو۔ نیز یہ بھی لکھا گیا۔ کہ مصر اور دولت علیہ کے درمیان بعد میں یہ معاملہ طے ہو جائیگا۔ کہ ہر سال اسے کتنا خراج ادا کرنا چاہیئے

۱۰ رمئی ۱۸۴۱ء کو مرحوم محمد علی پاشا نے یہ شرطیں قبول کرلیں جس کے بعد انگلستان اور اُسکے سفیر کے لئے مزید مشکلات پیدا کرنے اور جھگڑے کی مدت بڑھانے کا کوئی بہانہ نہ رہا۔ اسکے بعد ہی تمام دول یورپ نے ۱۳ رجولائی ۱۸۴۱ء کو لندن میں دو اتفاقی معاہدوں پر دستخط کردیئے جن میں سے ایک میں مسئلہ مصر کے آخری فیصلہ کا اعلان کردیا گیا۔ اور دوسرے میں درۂ دانیال و باسفورس کو تمام دول کے جنگی جہازوں کے لئے مقفل کردینے پر اتفاق کیا گیا۔ اسطرح یہ منحوس فتنہ ختم ہوا۔

لاریب مرحوم محمد علی پاشا نے اپنی توسیع حکومت کے لئے یہ سب کچھ کیا تھا اور اُنھیں مشرق ادنے اور بحر ابیض متوسط میں اپنی قوت مضبوط کرنے کے لئے مصر و شام کی مستقل امارت حاصل کرنے کا لالچ دامنگیر تھا۔ اُنہوں نے بالکل اُسی طرح جسطرح اُن سے پہلے نپولین نے اس بات کو سمجھ لیا تھا کہ مصر کا مالک اسوقت تک پوری طرح پھول پھل نہیں سکتا جبتک اسکے پاس شام نہو اور علیٰ ہذا شام کا امیر اسوقت تک اپنی قوت و شوکت تکمل نہیں کرسکتا۔ جبتک مصر کی زمام امور اسکے ہاتھ میں نہو۔ اسی خیال سے خاندان خدیوی کے بانی نے شام کو اپنی حکومت میں لانیکا مصمم ارادہ کرلیا تھا۔ اور والی عکہ کا اُسکی خواہش کے مطابق مصری مہاجرین کو واپس نہ بھیجنا صرف ایک بہانہ تھا۔ جس سے اُس نے اپنا ارادہ پورا کرنیکا فائدہ اُٹھایا۔ اسمیں مزید سہولت اُسکو یہ ہوئی کہ دولت علیہ ۷ سال یونان کی بغاوت میں مصروف رہنے کے بعد روس کی مہلک جنگ سے اسی زمانہ میں فارغ ہوئی تھی۔ اور سلطان محمود مرحوم جدید ترکی فوج کی تیاری میں مشغول تھے بعض مورخین نے یہاں تک بلند پروازی کی ہے کہ محمد علی پاشا در اصل خلافت اسلامیہ اور سلطنت عثمانیہ پر قبضہ کرکے آل عثمان کے تخت پر بیٹھنا چاہتا تھا۔ مگر میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ جو یہ رائے رکھتے ہیں بلکہ اس خیال کو ایک گمان سے زیادہ وقعت نہیں دیتا۔ کیونکہ محمد علی پاشا جسے اللہ تعالےٰ نے بے نظیر ذکاوت، صائب نظر، بلند تخیل، اور سچی بصیرت عطا کی تھی اور جسے بعض لوگ رائے اور عمل میں نپولین پر بھی فوقیت دیتے ہیں، اس سے بعید ہے کہ ایسی ناقابل حصول آرزوؤں اور خواہشوں کو اپنے دل میں پرورش کرے۔ ایسا شخص جس کے آگے بڑے بڑے

آدمیوں نے سپر رکھدئے اور بڑی بڑی مشکلات ہیچ ہوگئیں، اُسکے لئے یہ بات سمجھ لینا ہر معمولی انسان سے زیادہ آسان تھا کہ مملکت عثمانیہ کا مٹانا ایک امر محال ہے، اور جب کہ سلطنت روس جیسی عظیم الشان قوت اس مقصد کو حاصل کرنے میں ناکام ہوئی تو کیونکر ایک ایسے شخص کو اسپر قدرت حاصل ہو سکتی ہے جو صرف ملک مصر کا امیر ہو۔

بیشک میں ان لوگوں میں نہیں ہوں جو بانی خانوادۂ خدیویہ کے متعلق گمان کرتے ہیں کہ وہ دولت علیہ کے زمام اپنے ہاتھ میں لینے کا ارادہ یا محض خیال ہی رکھتا تھا، بلکہ میرے خیال میں وہ صرف شام و مصر پر حکومت کرنا چاہتا تھا۔ اس کا صریح ثبوت اُسکے ان خطوط میں ملتا ہے۔ جو اُس نے لوئی فلپ شاہ فرانس کو لکھے تھے اور جو مستندات رسمیہ و تاریخیہ میں ایک اہم درجۂ اعتبار رکھتے ہیں۔ انھیں دیکھکر معلوم ہوجاتا ہے کہ اسکا غائت مقصود شام پر قبضہ حاصل کرنا تھا۔

اگر عزیز مصر کو کسی طرح ان ہولناک نتائج کا علم ہوجاتا جو اُس کے دخول شام اور دولت علیہ کے ساتھ اسکی نزاع سے پیدا ہونے والے تھے تو یقیناً وہ اپنے ارادہ سے باز آجاتا اور بھول کر بھی اس کے حصول کا خیال نہ کرتا۔ اور ضرور ہے کہ محمد علی پاشا مرتے دم تک اس منحوس اختلاف پر ندامت اور اپنی زیادتی پر حسرت وافسوس کرتا رہا ہوگا۔

ایک انسان جب اس منحوس فتنے کی تاریخ پڑھتا ہے تو وہ ضرور اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اس میں کچھ خاص راز ہیں جنہیں تاریخ نے نہیں چھپایا ہے۔ اور جن سے محمد علی پاشا کے عروج کے اصلی اسباب ظاہر ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ محمد علی پاشا کو یہ بخوبی یقین تھا کہ انگلستان اُسکا اور مصر کا دشمن ہے اور اسلئے جہاں تک اس کا بس چلتا ہے اسکی یعنی پاشا کی مخالفت کرتا ہے۔ اسی طرح اس سے یہ بھی پوشیدہ نہ تھا کہ روس ایک لمحہ کے لئے بھی اس کو پسند نہیں کر سکتا کہ وہ شام پر قابض ہو جائے اور اسطرح ایک ایسے جدید اسلامی [illegible] قائم کرے جو کبھی دولت علیہ کے ساتھ ملکر روسی اثرات کی بیخ کنی کرنے اور روسیوں کو بلاد عثمانی سے نکالنے میں اُس کی مدد کر سکتی ہو۔

بہرحال یہ لازم ہے کہ یہ منحوس مصیبت مصریوں اور عثمانیوں بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے ایک دائمی سبق ہو کیونکہ یہ اختلاف بڑی حد تک اس مصائب کا ذمہ وار ہے جو بعد کو مصریوں اور عثمانیوں پر نازل ہوئیں چنانچہ مصریوں اور عثمانیوں کی اکثر مصیبتوں میں تم اس منحوس شقاق کے اثرات کو نمایاں دیکھوگے۔ بعض مفسدین تو آج تک دولت علیہ کے رجال سیاست کو بہکاتے ہیں کہ مصر اب بھی بانی خانوادۂ خدیویہ کے ارادوں کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ اور یہ ایسا فریب ہے۔ کہ جس سے دولت علیہ اور مصر دونوں کو نقصان پہنچانا مقصود ہے۔ پس اب جبکہ اس اختلاف قدیم سے سلطنت عثمانیہ اور مصر دونوں پورا پورا نقصان اُٹھا چکے ہیں، لازم ہے کہ دونوں عبرت پکڑیں اور اپنے تمام ارادات واعمال میں موافقت واتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ مصر سلطنت کی روح، اور خلافت کا قلب ہے اور اس جسم عظیم کیلئے اسوقت تک زندگی محال ہے جبتک کہ اس کے تمام اعضا میں باہم اتفاق عمل نہو۔ ہمکو دیکھنا چاہئے کہ جب دول یورپ باوجود اپنی عظمت و قوت کے [illegible] یت کی خاطر باہم ایک ہوجاتے ہیں، تو پھر ہم مسلمان جن کے دشمن ہر وقت مکروفریب کا جال بچھائے فرصت کے منتظر بیٹھے ہیں کیوں نہ آپس میں متحد ہو جائیں حالانکہ ہم ہر طرف سے خطرات اور مصائب میں گھرے ہونیکی وجہ سے اس اتحاد کے بہت زیادہ محتاج ہیں؛

دولت علیہ اور مصر دونوں کے لئے اسکے سوا بچاؤ کی اور کوئی صورت نہیں کہ دونوں اتفاق اتحاد کے رشتے مضبوط کریں۔ مصریوں نے اپنے محبوب امیر عباس کی پیروی میں اس حقیقت کو محسوس کرلیا ہے اور اسی لئے وہ دولت علیہ سے قریب تر ہوتے جارہے ہیں اُنہوں نے خفیہ علانیہ اپنی سلطنت سے محبت شروع کردی ہے۔ اور گذشتہ جنگ[1] میں اُنہوں نے تمام دُنیا پر روشن کردیا ہے کہ مصر دولت علیہ کا بھی خیر خواہ اور عرش شاہانی کا مخلص خادم ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ مصری قوم اپنی اس عقیدت پر ثابت قدم رہیگی ابد الدہر تک دولت علیہ کی وفاداری سے مونہ نہ موڑیگی۔

ہر سچے مصری اور ہر ایسے عثمانی کا جو اپنے ملک سے محبت رکھتا ہے، یہ فرض ہے کہ ان لوگوں کے اعمال کی امکانی مخالفت کرے جو مصر اور دولت علیہ کے تعلقات میں مکر کا جال پھیلاتے اور اعلیٰ حضرت خلیفۃ اعظم اور سموٗ[2] الخدیوی الافخم کے درمیان نفاق کی تخم ریزی کرتے ہیں۔ یقین کرو کہ جو لوگ متبوع اور تابع میں بغض و عداوت پھیلانا چاہتے ہیں وہ دولت علیہ اور مصر کے بدترین دشمن ہیں۔

ذیل میں وہ خط پیش کیا جاتا ہے جو محمد علی پاشا عزیز مصر نے حوادث شام اور مصر و دولت علیہ کے درمیان مسائل ما بہ النزاع کے بارہ میں لوئی فلپ شاہ فرانس کو بھیجا تھا۔ اس خط کو ہمنے اسکندریہ میں ایک لکچر دینے کے بعد اخبار المؤید میں شائع کیا تھا۔ قارئین کرام اس کو دیکھ کر حوادث مذکورۃ الصدر کے زمانہ میں محمد علی پاشا کے صحیح جذبات و امیال سے آگاہی حاصل کرسکیں گے۔

قاہرہ ۱۶۔ رمضان ۱۲۵۶ھ (مطابق نومبر ۱۸۴۰ء)

ایسے بادشاہ کے عظم المرتبت! سب سے پہلے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کا شکریہ ادا کروں جس کے ساتھ میرے قلب کے پرجوش جذبات استحسان شامل ہیں۔ اگرچہ ایک عرصہ سے آپکی حکومت مجھ پر عنایات و لطاف مبذول کررہی ہے مگر آج خصوصیت کے ساتھ اپنے دول کے نام یہ اعلان کرکے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے، کہ میرا سیاسی وجود یورپ کے توازن دولی کے لئے ضروری ہے۔ یہ جدید عواطف مجھ پر مزید فرائض عاید کرتے ہیں جنھیں ادا کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں، اور انہیں میں سے ایک یہ ہے کہ میں شاہ فرانس پر پوری صراحت کے ساتھ وہ تمام اسباب ایک ایک کرکے ظاہر کردوں جو میرے موجودہ طرز عمل کے لئے داعی ہوئے ہیں۔

دولت علیہ کی فلاح و بہبود ہمیشہ میری سچی آرزو رہی ہے جسے میں نے صمیم قلب سے حاصل کرنا چاہا ہے، کیونکہ میں اُسے دائماً قوی، محفوظ اور پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں نے ہمیشہ اپنی انتہائی کوشش اور امکانی مساعی کا پہلا مصرف اُسکے اعدا کے خلاف اُس کی اعانت کو قرار دیا ہے اور اُس کے مقابلہ میں خود اپنے ملک کی حفاظت کو جسے میں نے مجاہدات عظیمہ کے بعد حاصل کیا ہے دوسرے درجہ پر سمجھتا رہا ہوں۔ پھر یہ بھی صاف کہدینا چاہتا ہوں کہ جس چیز نے مجھے فرانس کی طرف مائل کیا اور اسکے نصائح پر عمل کرنیکی رغبت دلائی وہ بھی دراصل یہی ہے کہ اسنے تمام دوسری حکومتوں سے

---

[1] گذشتہ جنگ سے مصنف کی مراد ٹرکی و یونان کی وہ جنگ ہے جو ۱۸۹۵ء میں ہوئی تھی۔
[2] لفظ سموٗ عربی میں ہزہائینس کا ہم معنے ہے۔

زیادہ سلطنت عثمانیہ کے ساتھ خیر خواہی کا ثبوت دیا ہے، بغیر اسکے کہ اُس میں مکر و دغا شامل ہو۔ اور بدخواہی کا ایک شائبہ بھی پایا جاتا ہو۔

اس کے ساتھ ہی مجھے توقع ہے کہ آپ بھی یہ سمجھتے ہوں گے کہ اپنے ملک کی محبت ہمیشہ میرے ہر کام میں میری رہنمائی اور مدافعت کرتی رہی ہے۔ یہی چیز تھی جس کی بنا پر میں نے نامساعدت حالات کے باوجود انتہائی کوششیں کرکے ملک شام میں امن قائم کیا اور عناد کی و اضطراب کی بجائے امن و سکون پیدا کر دیا جس خیال سے میں ان ممالک کو اپنی حکومت میں رکھنا چاہتا ہوں وہ دراصل میرا یہ پختہ یقین ہے کہ اگر وہ مجھ سے چھین لئے گئے تو وہی حوادث و اضطرابات عود کر آئینگے۔ جن کے جراثیم کا میں نے استیصال کر دیا ہے۔ دوسری طرف میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ اگر شام میرے پاس رہنے دیا گیا تو وہ ایک ایسی قوت بنجائیگا جسے میں کسی وقت اپنے آقا اور اپنی سلطنت کے فعلی و حقیقی مصالح کر سکونگا۔ برخلاف اس کے اگر وہ دولت علیہ کے پاس رہا تو میں افسوس کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ وہ مستقل طور پر اضطراب، طوائف الملوکی، اور خانہ جنگی کا گھر بنجائیگا۔ چنانچہ جس بات کا میں خوف کرتا ہوں۔ وہ ابھی سے نمایاں ہونے لگی ہے۔ میرے چند روزہ ایام حکومت میں جن اجنبی ریشہ دوانیوں کو کامیابی نصیب نہ ہو سکی تھی۔ وہ آج اضطراب اور خانہ جنگی کے جراثیم پھیلانے میں کامیاب ہو رہی ہیں۔ بلکہ وہ لوگ جو دولت علیہ کے صوبوں میں بد امنی کی اشاعت کرکے ترکی قوم کی حفاظت و اعانت کا دعوےٰ کرتے ہیں ان کی کوششیں اب یہاں تک کامیاب ہو چلی ہیں کہ عام جذبات کے اشتعال سے آگے بڑھ کر اہالی کے مختلف فرقوں میں باہم جنگ و جدل اور خانہ جنگی شروع ہو گئی ہے جو اغیار کے لئے اپنے مقاصد حاصل کرنے کا بہترین آلہ بن سکتی ہے۔

مگر اب عام فلاح و بہبود کی وہ خواہش جو مجھ کو علاقہ شام کی حفاظت کرنے اور اُسے اپنی حکومت میں رکھنے کے لئے رغبت دلا رہی تھی، زائل ہو چکی ہے، اور صرف اپنے ذاتی مصالح اور اپنے خاندان کے مصالح میرے پیش نظر رکھے ہیں، اور میں ہر اس ذریعہ کو اختیار کرنے پر تیار ہو گیا ہوں جو ان مصالح کی حفاظت کے لئے ضروری ہو۔ پس اپنے معاملات کو میں آپکی حکومت عالیہ پر چھوڑتا ہوں اور شاہ فرانس کو اختیار دیتا ہوں کہ جسطرح مناسب سمجھے اس قضیہ کا فیصلہ کرے۔ اگر آپ پسند کریں تو میں عرض کروں کہ میں ملک شام میں سے صرف عکا پر قناعت کر سکتا ہوں کیونکہ اس شہر نے ان تمام ریشہ دوانیوں کا مقابلہ کیا ہے جو میرے خلاف بغاوت پھیلانے کے لئے کی گئی تھیں۔ اسکے ساتھ ہی آپ اس بات کو بھی ضرور قرین انصاف کے سمجھینگے کہ جزیرہ کینڈیا[1] (Candia) کو میرے پاس رہنے دیا جائے کیونکہ وہ ایک عرصہ سے میری حکومت میں ہے اور ترقی کر رہا ہے۔ لیکن اگر آپ کی حکومت عالیہ یہ فیصلہ کرے کہ تساہل و تنازل کا وقت گذر چکا اور اپنے حقوق کی سختی کے ساتھ حفاظت

---

[1] جزیرہ کریٹ کو کینڈیا بھی کہتے ہیں

کرنا ضروری ہے تو میں اور میری اولاد اپنی آخری لمحۂ حیات تک اپنے تمام وسائل کے ساتھ مقابلہ کے لئے تیار ہیں۔ شام میں میرا لشکر بڑی قوت کے ساتھ موجود ہے، دمشق، حلب اور تمام اہم مقام میرے قبضہ میں نہیں، حجاز میں جو میرا لشکر ہے وہ بھی مصر کی طرف واپس آرہا ہے، ایک حصہ اس کا قاہرہ پہنچ چکا ہے اور دوسرا پہنچنے والا ہے، بڑے بڑے صاحب اثر شیوخ کوہ لبنان میں میرا ساتھ دینے اور دروزیوں اور مارونیوں کو میری اطاعت پر مجبور کرنے کے لئے آمادہ ہیں، اور میرے پاس ۴۰ جنگی جہاز موجود ہیں جو آپ کے پہلے اشارہ پر حرکت کرنے کے لئے مستعد ہیں۔

ان اسباب کے ساتھ میں یقین رکھتا ہوں کہ میرے پاس کوششوں کا سامان پہلے کی طرح مکمل ہے۔ کوئی شخص اپنے دل میں یہ خیال نہ کرے کہ اب خوف میری رہنمائی کر رہا ہے۔ خود میری گذشتہ زندگی ایسے دعوے کو باطل ثابت کرنے کے لئے کافی دلیل ہے۔ اگر خوف میری رہنمائی کرتا تو ضرور گذشتہ پندرہ ۱۵ دنوں میں میرے ارادے ضعیف ہو جاتے کیونکہ میرا وجود ان ایام میں سخت خطرات سے گھرا رہا ہے۔ برخلاف اسکے آج میرا وجود سیاسی فرانس کے اعلان کی بدولت زیادہ محفوظ ہوگیا ہے اور خواہ جنگ کتنا ہی طول کھینچے، مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں۔

ہاں، اسوقت سب سے مجھے کوئی خوف نہیں جو میرے خلاف صرف کیجا رہی ہے۔ البتہ مجھے جس چیز کا خوف ہے وہ صرف یہ ہے کہ میں ایک عام جنگ کا سبب نہ بنوں اور فرانس کو جس کا میں پہلے ہی زیر بار احسان ہوں، ایک ایسی جنگ میں نہ کھینچ لاؤں جس میں میرے ذاتی فوائد کے علاوہ اسکا اپنا کوئی فائدہ نہیں ہے؛

اسی لئے میں حقیقت معاملہ آپ کے سامنے پیش کئے دیتا ہوں اور اسکے ساتھ ہی آپ کے احسانات کا اعتراف بھی پیش کرتا ہوں جو مجھپر فرض اور لازمی ہے۔ اسکے علاوہ میں یہ بھی ظاہر کئے دیتا ہوں کہ میں بادشاہ فرانس پر اعتماد رکھتا ہوں اور انھیں پسند کرتا ہوں اور یہ پسندیدگی و اعتماد آسا کی اس حکمت و ذکاوت پر مبنی ہے جسے میں نے اپنے معاملہ میں سیاہ و سفید کا اختیار دیدیا ہے۔ آپ جو کچھ فیصلہ کرینگے میں تشکر و امتنان کے ساتھ اسے قبول کروں گا۔ اور دل عظیم سے جس صورت پر بھی اتفاق کرکے آپ میرا حصہ اور میرا مستقبل طے کرینگے اُسپر راضی ہو جاؤنگا۔

آخر میں توقع رکھتا ہوں کہ ہر صورت و ہر حال میں آپ میرے اس قول پر اعتماد کرینگے۔ کہ آپکے اور ملک فرانس کے احسان کا شکریہ میرے دل میں ہمیشہ قائم رہیگا۔ اور میں ایک مقدس فرض کی طرح اسکو اپنے بیٹوں اور پوتوں کے لئے ورثہ میں چھوڑ جاؤں گا۔

میں دراصل چاہتا تو یہ تھا کہ اپنے کسی معتبر اور ذی مرتبہ افسر کو یہ خط لیکر آپکی خدمت میں بھیجوں، مگر سفر کی صعوبات اور قرنطینہ کی طول مدت نے مجھے کونٹ والوسکی کو تکلیف دینے پر مجبور کیا ہے۔ (محمد علی)

تیسری مصیبت تیسرا فتنہ

(جنگ کریمیا)

قارئین کرام کو گذشتہ بحث سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ انگلستان نے باب عالی پر روس کی جگہ اپنا اثر قائم کر لیا تھا، اور مسئلہ شام کے دوران میں دولت عثمانیہ کے مدبرین صرف اسی کی آواز پر کان دھرنے لگے تھے۔ یہاں تک کہ اُس نے اپنے اثر سے معاہدۂ خونکار اسکلہ سی کو باطل کر دیا تھا جس کی رو سے دولت روس کو ہر موقع پر ممالک محروسہ عثمانی میں اپنی فوجیں بھیجدینے کا اختیار ملگیا تھا۔ اس حرکت سے روس کے دل میں گرہ بیٹھ گئی اور اُس نے فیصلہ کر لیا کہ دولت علیہ سے اس کا بدلہ لیگا

سلطان غازی عبد الحمید خان مرحوم نے سلطنت کی تنظیم و اصلاح کا کام مکمل کرنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں مشہور فرمان گلخانہ نافذ فرمایا جسکی رو سے چند سال ہی میں سلطنت کا بگڑا ہوا انتظام درست ہو جانے کی توقع تھی۔ زار نکولس اوّل کو یہ بات پسند نہ آئی کیونکہ وہ ٹرکی کو روز بروز پیچھے ہٹتا ہوا اور اصلاح حال اور درستی نظام سے کلیتہً غافل دیکھنا چاہتا تھا۔ اس لئے اُسنے ٹرکی کے ارتھوڈوکس عیسائیوں کو تنظیمات کی مخالفت کرنے اور اُن کے نفاذ کو روکنے پر اکسانا شروع کیا، مگر اُن عیسائیوں کی کوششوں اور مزاحمتوں کے باوجود حکومت عثمانیہ نے جس کے صدر اسوقت رشید پاشا تھے تنظیمات جدیدہ کا نفاذ شروع کر دیا اور تمام عثمانیوں کو امید بندھ گئی کہ عنقریب ان کے ملک کی حالت درست ہو جائیگی۔

نکولس اوّل کو یہ اور بھی شاق گذرا اور اسکا کینہ یہاں تک بڑھ گیا کہ اُس نے دولت علیہ کو کمزور کر کے اصلاح کا کام روکنے کے لئے جنگی تیاریوں کا حکم دیدیا۔ اسکے ساتھ ہی اندرونی مشکلات پیدا کرنے کے لئے زار کے ڈانیلو (prince Danilo) کو جو دولت علیہ کے زیر فرمان ریاست مانٹی نگرو کا حاکم تھا، علم بغاوت بلند کرنے پر آمادہ کیا۔ اور اس سے پہلے اُسے اپنے پاس سینٹ پیٹرس برگ میں دعوت دی جب وہاں پہنچا تو حد سے زیادہ اسکی خاطر اور بہت کچھ زر و سیم اور طمغات و نشانات دیکر ہر طریقہ سے سلطنت عثمانیہ کے خلاف بھڑکا دیا حتےٰ کہ اُسنے مانٹی نگرو پہنچتے ہی ارتھوڈوکس مذہب اور صلیب مقدس کے نام سے تمام باشندوں کو بغاوت پر آمادہ کر دیا اور چند ہی دنوں میں ایک عام غدر برپا ہو گیا

دولت علیہ کو جب یہ معلوم ہوا تو عمر پاشا کی قیادت میں (جو بوسینیا کی بغاوت فرو کر کے بہت مشہور ہوئے تھے) ایک لشکر جرار کے اہل مانٹی نیگرو کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ چند مقامات پر اس لشکر سے اہل جبل اسود کی سخت خونریز لڑائیاں ہوئیں جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ عمر پاشا کو بغاوت فرو کرنے میں پوری کامیابی ہوئی۔ اس حادثہ سے یورپ میں عام طور پر اثر لیا گیا اور تمام دول نے اس طرف توجہ کی خصوصاً آسٹریا کو اس بات کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ کہ ممالک بلقان میں امن و سکون قائم ہو کر روس کی کوششوں کا سدباب ہو جائے۔ چنانچہ اُس نے باب عالی کو اواخر ۱۸۵۲ء میں لکھا کہ اہل جبل اسود سے بدلہ لینے میں ذرا نرمی کریں تاکہ روس کو جدید مشکلات پیدا کرنے کے لئے کوئی

بہانہ ہاتھ نہ آسکے ؛

اسی سال شام کے اماکن مقدسہ کے بارہ میں روس، اور فرانس کے درمیان سخت اختلاف پیدا ہو گیا۔ اسکا قصہ کا یہ ہے کہ فرانس کو معاہدات قدیمہ کی رو سے مشرق کے کیتھولک عیسائیوں پر معنوی حمایت کے حقوق حاصل تھے۔ اور اس حمایت کا نتیجہ یہ تھا کہ یوروشلیم کے معابد کی کنجیاں کیتھولک پادریوں کو دیدی گئی تھیں۔ روس نے ارادہ کیا کہ آرتھوڈوکس پادریوں کو ان معابد کی کنجیاں دلواکر آرتھوڈوکس مذہب کا نام بڑھائے اور مشرق میں اپنا نفوذ اقتدار وسیع کرے۔ مگر یہ فرانس کے مصالح اور اسکی عزت کے عین منافی تھا، اسلئے حکومت فرانس نے روس کے ارادہ پر احتجاج کیا اور باب عالی سے مطالبہ کیا کہ حقوق و معاہدات کے مطابق اس کا فیصلہ کرے۔ چنانچہ ایک کمیشن تحقیقات کے لئے مقرر کیا گیا جس نے ایک طویل بحث و تحقیق کے بعد فیصلہ کیا کہ صرف کیتھولک عیسائیوں کو یوروشلیم کے معابد کی کلید برداری کا حق ہے۔ باب عالی نے اس فیصلہ کے مطابق ۹ رفروری ۱۸۵۲ء کو ایک فرمان شائع کر دیا جس میں مذکورۂ بالا فیصلہ کا اعلان کیا گیا تھا۔ روس اس پر بہت بگڑا اور اسنے یہ دعوے کرتے ہوئے کہ کینارجی اور اڈریانوپل کے عہدنامے اسے یہ حق دیتے ہیں، باب عالی پر زور دیا کہ اس فرمان کو منسوخ کر دے، مگر باب عالی نے روس کے الحاح اور مخالفت کے باوجود اپنے ۹ رفروری والے فرمان کو بحال رکھا۔

اواخر ۱۸۵۲ء میں لوئی نپولین ثالث فرانس کا بادشاہ ہوا جس نے مشرق میں اپنے ملک کی رفع شان کے لئے روس اور فرانس کے اس بڑھتے ہوئے اختلاف کو پسند کیا اور کیتھولک مذہب کی سخت حمایت کر کے مذہبی آدمیوں کو اپنا حامی بنا لیا۔

آسٹریا اس زمانہ میں بغاوت جبل اسود سے خوفزدہ تھا کہ کہیں سارے بلقان میں فساد مشتعل نہ ہو جائے اور اس کے بعد دولت علیہ اور روس میں برپا ہو۔ اسلئے مسئلہ جبل اسود کو طے کرانے کے لئے عملی وسائل اختیار کئے اور جنوری ۱۸۵۳ء میں کونٹ ڈی سننگن (Count Leinin gen) کو آستانہ بھیجا جس نے باب عالی سے آسٹریا کی دوستی کا واسطہ دیکر درخواست کی کہ فسادی علاقوں میں امن بحال کرنے کے لئے باغیوں کی معافی کا اعلان کر دے اور ان لوگوں کے نقصانات کی تلافی کر دے جو باغی نہ تھے اور جنہیں اس اضطرابات سے نقصان پہنچا تھا۔ باب عالی نے اس درخواست کو قبول کیا اور مضطرب علاقوں میں نرمی کے ساتھ امن و سکون پیدا کرنے پر راضی ہو گیا۔

رہا مسئلہ اماکن مقدسہ، تو اسکے متعلق فرانس نے مناسب سمجھا کہ روس سے سہولت کے ساتھ معاملہ طے کر لے، اور اسکے لئے نپولین ثالث نے کیتھولک عیسائیوں کو آمادہ کر کے دولت علیہ سے درخواست کی کہ یروشلم کے معابد میں ارتھوڈوکس پادریوں کو خاص خاص حقوق و امتیازات عطا کر دے۔ اور دوسری طرف حکومت روس سے درخواست کی کہ سینٹ پیٹرسبرگ میں ایک کانفرنس منعقد کر کے مسئلہ اماکن مقدسہ کو طے کر لے۔ روس اور باب عالی دونوں نے ان درخواستوں کو قبول کر لیا جس سے عام طور پر یقین کیا جانے لگا کہ عنقریب یہ نزاع امن و سلامتی سے ختم ہو جائیگی۔

مگر نکولس اول کچھ اور سوچ رہا تھا۔ اسنے پرنس منچیکوف (Prince Menlchi-koff)

کو آستانہ بھیجا تاکہ دولت علیہ کے ساتھ جنگ چھیڑنے کے لئے کوئی بہانہ پیدا کرے۔ بظاہر شہزادۂ مذکور کے سفر کا مقصد یہ تھا۔ کہ باب عالی سے اماکن مقدسہ اور جبل اسود کے مسائل طے کرے۔ ۱۰ فروری ۱۸۵۳ء کو نیچیکوف سینٹ پیٹرسبرگ سے روانہ ہوا۔ اور شان یہ تھی کہ قاعدہ کے خلاف کثیر التعداد محافظ سپاہی جلوس تھے۔ عام طور پر جب ایک سلطنت کا نمائندہ دوسری سلطنت سے گفتگو کرنے کے لئے اس کی پایہ تخت کی طرف جاتا ہے تو اس کو کچھ فوج ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مگر نیچیکوف کا مقصد گفت و شنید سے کچھ زیادہ نہ تھا۔ دوسری طرف روس نے دریائے پرتھ (   ) کے کنارے ۵۰ ہزار فوج جمع کر لی تھی۔ جس سے تمام یورپ نے سمجھ لیا کہ وہ نہ صرف جنگ چاہتا ہے۔ بلکہ اعلان جنگ کا عزم کر چکا ہے۔

زار نکولس کا خیال تھا کہ پروشیا اور آسٹریا اس کو دولت علیہ کے خلاف مدد دینگے اور انگلستان غیر جانبدار رہیگا۔ ایسی حالت میں اُسے ٹرکی کے ساتھ فرانس کے اتحاد کی کچھ پرواہ نہ تھی۔ اُسے بالکل خیال نہ تھا۔ کہ انگلستان اور فرانس اس کے مقابلہ میں ٹرکی سے ملجائیں گے۔ اس کے سفیر متعینہ لندن پر آخر وقت تک یہ ظاہر ہوتا رہا۔ کہ انگلستان امن چاہتا ہے۔ انگریزی رائے عامہ جنگ کی مخالفت سے اور انگلستان و فرانس کے تعلقات اتنے اچھے نہیں ہیں کہ دونوں جنگ کے لئے متحد ہو جائیں۔ ان تمام باتوں نے ملکر زار نکولس اول کو دھوکھ دیا اور وہ نتائج پر غور کئے بغیر جنگ کے لئے مستعد ہو گیا۔

زار نے دولت علیہ کو تقسیم کرنے کے لئے انگلستان کو اپنے ساتھ ملانے کی بہت کوشش کی اور بارہا سر ہملٹن سیمور (Hamilton Seymour) سفیر انگلستان متعینہ سینٹ پیٹرسبرگ سے اسبارہ میں گفتگو کی مگر کامیاب نہوا۔ کیونکہ انگلستان سمجھتا تھا کہ بقیہ دول یورپ کبھی ایسے بڑے کام کو پورا نہ ہونے دینگے۔ اور صرف یہ بلکہ ویسے بھی دولت علیہ کی تقسیم کوئی آسان کام نہیں ہے پھر اگر بفرض محال یہ ممکن بھی ہو تو یہ تقسیم سب سے زیادہ روس کے لئے مفید ہو گی، جس پر مزید یہ ہے کہ تمام عالم انسانیت کو اس کی بدولت سخت مصائب برداشت کرنے پڑینگے۔

۲۸ فروری ۱۸۵۳ء کو پرنس نیچیکوف اپنے سپاہیوں اور افسروں کے ساتھ آستانہ پہنچا۔ اور ایسی شان و شوکت کا اظہار کرنے لگا جس سے مقصود دولت عثمانیہ کے مدبرین پر رعب ڈالنے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اس کی بات بات سے جنگجوئی ٹپکتی تھی؛ اور صاف معلوم ہوتا تھا کہ جنگ کا بہانہ ڈھونڈھنے آیا ہے۔ پہنچتے ہی نے سب سے پہلے باب عالی سے مطالبہ کیا کہ گفت و شنید کا راستہ صاف کرنے کے لئے فواد پاشا وزیر خارجہ کو معزول کر دیا جائے کیونکہ وہ روس کے دشمن ہیں پھر تجویز پیش کی کہ دولت علیہ روس کے ساتھ ایک دائمی معاہدۂ اتحاد کرے جسمیں

گریک چرچ پر زار کی حمایت تسلیم کی جانے۔ عثمانی مدبرین اس عجیب و غریب تجاویز پر حیران رہ گئے انہوں نے سمجھ لیا کہ روس محض جنگ چاہتا ہے۔ کیونکہ گریک چرچ کے ۵۰ لاکھ عیسائیوں پر روسی حمایت تسلیم کرنے کے معنے یہ ہیں کہ دولت علیہ اپنی مملکت میں روسی حکومت کا قیام تسلیم کرے۔

باب عالی نے روس کے اس مطالبہ کو خفیہ طریقے سے تمام دول یورپ کے پاس بھیج دیا تھا تاکہ وہ بھی اسکے ارادوں سے واقف ہو جائیں اسی اثنا میں انگلستان اور فرانس کے سفیر آستانہ پہنچے اور انہوں نے اپنی حکومتوں کیطرف سے باب عالی کو اتحاد عمل کی دعوت دی۔ پرنس نیچیکوف ابھی تک بھی اعلان کر رہا تھا۔ کہ وہ صرف جبل اسود اور اماکن مقدسہ کے مسائل حل کرنے کیلئے بھیجا گیا ہے۔ اس لئے دونوں سلطنتوں (یعنی فرانس و انگلستان) کے سفیروں نے اس اعلان کی حقیقت کھولنے کے لئے طے کیا کہ دونوں مسائل کے متعلق فیصلہ کا اعلان کر دیں تاکہ نیچیکوف آستانہ چھوڑنے اور اپنے مشن کی اصلی غرض بتلا دینے کے لئے مجبور ہو جائے۔ چنانچہ اعلان کر دیا گیا کہ آسٹریا کی سفارش سے جبل اسود کا معاملہ طے کر دیا گیا (یعنی وہی جو ہم اوپر لکھ آئے ہیں) اور اماکن مقدسہ کے مسئلہ پر ۴ رمئی ۱۸۵۳ء کو خود زار کی گورنمنٹ اور حکومت فرانس کے درمیان ایک تصفیہ ہو گیا ہے اس اعلان کے بعد نیچیکوف کے آستانہ میں ٹھہرنے کا کوئی سبب بظاہر باقی نہیں رہا۔ مگر اصلی سبب بہر حال باقی تھا اور زار ابھی تک اس دھوکہ میں تھا کہ انگلستان اسکے خلاف ٹرکی کی مدد نہیں کریگا۔ اسلئے نیچیکوف نے ۵ رمئی ۱۸۵۳ء کو باب عالی کے نام ایک نہایت شدید اللہجہ الٹی میٹم بھیجا جس میں مطالبہ کیا گیا تھا۔ کہ ۵ دن کے اندر اندر معاہدہ اتفاق کے بارہ میں قطعی انکار یا اقرار کر دیا جائے۔ اور آخر میں لکھا تھا۔ کہ اگر باب عالی نے روس کے مطالبہ کو تسلیم کر کے گریک چرچ کو کامل دینی و دنیوی آزادی نہ عطا کی اور اسپر روس کی حمایت تسلیم کرنے سے انکار کیا تو دونوں سلطنتوں میں جنگ چھڑ جائے گی۔ باب عالی نے اس کا جواب یہ دیا کہ یونانی کلیسا اب بھی پوری طرح آزاد ہے۔ لیکن اگر اس کی آزادی کا اعلان دوبارہ کرنے کی ضرورت ہو تو دولت علیہ بڑی خوشی سے تمام دنیا کو آگاہ کئے دیتی ہے کہ اسکی عیسائی رعایا دینی حیثیت سے کلیۃً آزادانہ حقوق رکھتی ہے البتہ روس کا مطالبہ قطعاً ناقابل قبول ہے کہ یونانی کلیسا کو اسکی حمایت میں دیدیا جائے ایسے مطالبہ کو تسلیم کرنا دوسرے الفاظ میں دولت علیہ کے استقلال کو دائمی خطرہ میں مبتلا کرنا۔ اور اسکے داخلی معاملات کو ایک غیر ملکی قوت (یعنی روس) کی نگرانی میں دیدینا ہے۔

اس موقع پر رشید پاشا صدر اعظم اور وزیر خارجہ مقرر کئے گئے جو روس کے ساتھ شدید عداوت و کراہت کیلئے عام شہرت رکھتے تھے۔ یہ حال دیکھ کر نیچیکوف نے اپنی پالیسی میں ذرا نرمی برتنی شروع کی اور باب عالی سے درخواست کی کہ اگر وہ حکومت روس کے نام صرف ایک مراسلہ بھیجکر اس کے مطالبات کے متعلق اپنی رضامندی کا اظہار کر دے تو وہ معاہدہ کرنے پر زور نہ دیگا۔ مگر ۲۰ مئی ۱۸۵۳ء کو باب عالی نے صاف جواب دیا، اور دونوں سلطنتوں کے درمیان مخابرات کا سلسلہ ختم کر کے نیچیکوف پیٹرسبرگ کی طرف روانہ ہو گیا۔ ۳۱ رمئی سنہ مذکور کو نسلرود (Nesselrode) روسی وزیر اعظم نے ایک اور تنبیہی پیغام اس مضمون کا بھیجا کہ اگر نیچیکوف کے مطالبات نہ منظور کئے گئے تو حکومت روس صوبہ ہائے والشیا اور مالڈویا پر قبضہ کرلے گی۔ باب عالی کو بہر حال ایسے مطالبہ کا جواب انکار سے دینا تھا، اور اس نے ایسا ہی کیا۔ جس پر ۱۱ ار جون کو نسلرود نے روسی سفراء کے ذریعہ تمام دول یورپ کو ایک اعلان بھیجا جس میں وہ اسباب ظاہر کئے گئے تھے جن کی بنا پر حکومت

روس نے والیشیا اور مالڈیویا پر قبضہ کیا بالفاظ دیگر دولت عثمانیہ پر اعلان جنگ کیا۔ یہ خبر مشہور ہوتے ہی کہ روس نے والیشیا اور مالڈیویا پر قبضہ کرکے دولت علیہ کو دھمکی دی ہے، انگلستان اور فرانس کی رائے عامہ میں ایک عام ہیجان پیدا ہو گیا اور دونوں سلطنتوں کے ارباب سیاست روس کی اس غیر معمولی جرأت اور سخت ہولناک نتائج پیدا کرنے والے فعل پر ایسے بیباکانہ اقدام کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ پس دونوں سلطنتیں اسکے خلاف دولت علیہ کی مدد پر متفق ہو گئیں اور اپنے بڑے بیزیکا (Basika) کے بحری اسٹیشن پر جو درۂ دانیال کے دہانہ پر واقع ہے بھیجدیئے تاکہ ضرورت کے وقت سلطنت عثمانیہ کی عملی مساعدت کرسکیں۔

اور جنگ چھڑتے ہی باب عالی نے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ تمام عثمانی رعایا باوجود مذہبی و جنسی اختلاف کے خاندان عثمانی سے کیسی محبت رکھتی ہے، اور دولت علیہ کا انکے ساتھ کیسا اچھا معاملہ ہے ۶ جون ۱۸۵۳ سنہ کو ایک خط شریف[۱] صادر کیا۔ جس میں دولت علیہ کے تمام عیسائیوں کو کامل مذہبی آزادی عطا کی گئی تھی، یعنی ان کو یقین دلایا گیا تھا کہ حکومت عثمانیہ اب بھی اسی طرح ان کی دینی حریت کا احترام کرتی ہے جسطرح صدہا برس سے کرتی رہی ہے۔ دوسری طرف فرانس نے تمام دول یورپ کے سامنے ایک تجویز اس مضمون کی پیش کی کہ دول عظمےٰ ایک متحدہ کانفرنس منعقد کرکے روس اور ٹرکی کے اختلاف کو رفع کردیں۔ گویا اس طرح خود دولت عثمانیہ اور اسکے سب سے بڑے اتحادی نے اپنے اعتدال اور اپنی امن پسندی کو تمام عالم پر ظاہر کردیا، اور جنگ و خونریزی کی ساری ذمہ داری حکومت روس پر عائد کردی جو اپنے عناد پر بدستور قائم تھی اور کسی طرح مصالحت پر نہ جھکتی تھی۔

زار نکولس اول کو جب یہ ظاہر ہوا کہ فرانس اور انگلستان نے درۂ دانیال پر اپنے بیڑے بھیجدیئے ہیں تو سخت غضبناک ہوا، اور اسکا غضب اور زیادہ ہو گیا جب موسیو ڈی نسلروڈ وزیر اعظم روس کے تہدیدنامہ کا جواب باب عالی کی طرف سے قطعی انکار کی صورت میں ملا۔ پس اسی غضب میں اس نے ۲۵ جون سنہ مذکور کو ایک عام اعلان روسی قوم کے نام شائع کیا جس میں ٹرکی سے اعلان جنگ کی اطلاع دیتے ہوئے اس بات کو ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ اس جنگ کو صلیبی جنگ اور آرتھوڈوکس مذہب کی حمایت میں جہاد سمجھنا چاہئے۔ اسی طرح ڈی نسلروڈ نے ایک یادداشت تمام دول یورپ کے نام شائع کی جس میں ظاہر کیا کہ دولت علیہ، فرانس اور انگلستان نے اپنے معاندانہ طرز عمل سے دولت روسیہ کو جنگ پر مجبور کردیا ہے۔ گویا زار کے وزیر اعظم نے اس میمورینڈم سے یورپ کو مغالطہ دینا چاہتا تھا، یا وہ خود بھول گیا تھا کہ اسی کی سلطنت نے ٹرکی کو والیشیا و مالڈیوا کے احتلال[۲] کی دھمکی دی تھی، اور انگلستان و فرانس نے اپنے بیڑے اسوقت بھیجے تھے جب انھیں یقین ہو چکا تھا کہ روس جنگ چھیڑے بغیر نہ مانیگا۔

۴ جولائی ۱۸۵۳ سنہ کو روسی فوجوں نے والیشیا اور مالڈیوا پر ہجوم کیا اور چند روز میں اُنپر قابض ہو گئیں۔ اس سے دول یورپ کے مدبرین کو سخت افسوس ہوا، خصوصاً حکومت آسٹریا کی پوزیشن بہت

۱؎ ٹرکی کے سرکاری اصطلاح میں خط شریف سلطانی فرمان کو کہتے ہیں ۲؎ سیاسی اصطلاح میں احتلال اس قبضہ و تصرف کو کہتے ہیں جو ایک غیر قوم کسی ملک پر کرلے یہ انگریزی لفظ (Occupation) کا ہم معنی ہے

نازک ہوگئی، کیونکہ نہ وہ روس سے بگاڑ سکتی تھی اور نہ اُسے اتنا پھیلتا ہوا دیکھنا چاہتی تھی ۱۸۴۹ء میں ملک کی بغاوت ہنگری میں روس سے مدد لے کر وہ اُسکے زیر بار احسان تھے اور سمجھتی تھی کہ صرف روس ہی اس کو ہر قسم پر ہنگریوں کی بغاوت میں مدد دے سکتا ہے۔ اس لئے وہ اُسے خوش رکھنا چاہتے تھے؛ مگر دوسری طرف وہ بھی جانتی تھی کہ روس کا اثر جتنا جتنا بڑھتا جائیگا۔ اُتنا ہی اُتنا اُسکے لئے آسٹریا کو اپنا تابع فرمان بنانے کا موقع ہاتھ آئے گا۔ اور وہ ہر وقت سلافی ([illegible]) عنصر کو بغاوت پر اُکسا کر آسٹرین امپائر کا عین وجود خطرہ میں ڈال سکیگا۔ پھر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر اُس نے روس کی طرف میلان ظاہر کرکے اُس کا ساتھ دیا تو فرانس اور انگلستان کے لئے بہت آسان ہوگا کہ اٹلی، ہنگری اور پولینڈ میں بغاوت کی آگ مشتعل کرکے اُسے اندرونی خطرہ میں مبتلا کردیں۔ ان تمام حالات کو دیکھتے ہوئے آسٹرین مدبرین نے بڑے غور و خوض کے بعد باب عالی سے درخواست کی کہ وہ ایشیا اور مالڈیویا پر روسی احتلال کا جواب اعلان جنگ سے نہ دے بلکہ محض امن پسندانہ احتجاج کرکے آسٹریا کو دول یورپ سے صلح کی گفت و شنید کا ایک آخری موقع عطا کردے۔ باب عالی نے اس درخواست کو قبول کرلیا اور اس طرح تمام دُنیا پر اپنے انتہائی اعتدال اور پورے میلان امن کا ثبوت دیدیا۔ آسٹریا نے اس مصلحانہ رویہ پر اُسکا شکریہ ادا کرتے ہوئے یورپ کو دعوت دی کہ وائنا میں کانفرنس منعقد کیجائے۔ چنانچہ ۲۴ر جولائی ۱۸۵۳ء کو تمام دول کے نمائندے وائنا میں جمع ہوگئے، مگر روس نے شرکت قبول کرنے کی بجائے صرف یہ عذر کیا کہ اگر دول کا متفقہ فیصلہ اسکے مصالح کے مطابق ہوا تو وہ اُسے قبول کریگا۔

اس کانفرنس نے ایک ایسا مبہم المعنی اور مبہم العبارت فیصلہ کیا جو ہر وقت روس کو ایجاد مشکلات کے لئے حسب دلخواہ تفسیر کرلینے کا موقع دیسکتا تھا۔ اسلئے دولت علیہ نے اُسے رد کردیا۔ جب فرانس اور انگلستان نے دیکھ لیا کہ اب اتفاق محال ہے اور روس جنگ کے سوا کسی اور صورت پر راضی نہیں ہوسکتا تھا۔ تو انہوں نے اواخر ستمبر ۱۸۵۳ء میں باب عالی کے طلب کرنے پر اپنے بیڑے درۂ دانیال میں داخل کردئے اور آستانہ کے سامنے انھیں لنگر انداز کیا۔

اس اثنا میں زار نکولس اول نے شہنشاہ جوزف سے شہر المونز میں ملاقات کی اور چاہا کہ ٹرکی فرانس اور انگلستان کے خلاف آسٹریا کی مدد طلب کرے؛ مگر شاہ آسٹریا نے عذر پیش کیا اور اپنے عدم استطاعت پر افسوس ظاہر کیا۔ پھر جب اسطرف سے زار کو ناامیدی ہوئی تو شاید پروشیا سے ملا اور اس سے بھی اسی قسم کے اتحاد کی درخواست کی مگر یہاں بھی وہی نتیجہ برآمد ہوا جو آسٹریا میں ہوا تھا، آخر مایوس ہوکر تنہا جنگ کا عزم کرلیا۔ دوسری طرف دولت عثمانیہ نے پورے اہتمام کے ساتھ تجہیزات حربیہ کو مکمل کرلیا اور لوازم حرب میں سے ایک کو بھی فروگذاشت نہ کیا۔ عثمانی رعایا کے عامہ روس کے خلاف سخت مشتعل ہو رہی تھی، خصوصاً روسی قوم کے نام زار کے اس اعلان سے کہ یہ جنگ صلیبی جنگ ہے اُسکا جوش حد کو پہنچ گیا، اور انہوں نے ہزاروں کی تعداد میں سرائے[۱] سلطانی کے سامنے جمع ہوکر بآواز بلند اعلان جنگ کا مطالبہ کیا جسے سلطنت نے قبول کرلیا اور سلطان مرحوم غازی عبدالحمید خان کی صدارت میں وزرا و اکابر دولت کا ایک جلسہ منعقد کرنے کے بعد باب عالی نے ۴ر اکتوبر ۱۸۵۳ء کو

[۱] سرائے سے مراد اردو کی "سرائے" نہیں بلکہ قصر شاہی ہے؛

روس پر اعلان جنگ کر دیا۔ ۸ ر اکتوبر کو عمر پاشا سپہ سالار عساکر عثمانی نے پرنس گورچیکوف (Gortchakoff) سپہ سالار عساکر روسیہ کو دھمکی دی کہ اگر اس نے ۱۵ روز کے اندر والیشیا اور مالڈیویا کو خالی نکر دیا تو جنگ شروع کر دیجائیگی۔

زار نکولس اول نہ صرف اپنے لشکر جرار سے ٹرکی کو شکست دینے کی توقع رکھتا تھا بلکہ اُسے اپنے اُن ایجنٹوں پر بھی بہت کچھ بھروسہ تھا جنھیں اُسنے دولت علیہ کے ممالک محروسہ میں بغاوت کی آگ بھڑکانے کے لئے بھیج رکھا تھا۔ چنانچہ تھسلی (Thissaly) اور ایپائرس (Epirus) کے یونانی باشندوں کو خصوصیت کے ساتھ بغاوت پر اُکسایا گیا، اور حکومت یونان نے نہ صرف روسی ایجنٹوں کو مدد دی بلکہ بہت سے یونانی افسر اور سپاہی چھپ چھپ کر اُن ملحقہ ترکی علاقوں میں گئے اور غدر عام برپا کرنے کا سامان کیا۔ اس کے ساتھ ہی زار نے شاہ ایران کو بھی دولت علیہ کے خلاف جنگ کرنے کے لئے اتحاد کی دعوت دی۔

جب ان تدابیر سے اُسے اعتماد ہو گیا کہ عنقریب دولت علیہ میں ہر طرف حوادث و اضطرابات برپا ہو جائینگے تو اب وہ دول یورپ کی طرف متوجہ ہوا اور اُنپر ظاہر کیا کہ وہ امن و سلامتی سے معاملہ کا تصفیہ کرنے کے لئے تیار ہے۔ اس سے مقصد در اصل یہ تھا کہ دولت علیہ کو باتوں میں لگا کر تجہیزات حربیہ سے غافل کر دے اور اندرونی اضطرابات برپا ہونے کے بعد اُسپر حملہ کرے۔ آسٹریا اس راز کو نہ سمجھ سکا اور اُس نے روس کو اپنے اظہار میں خالص و صادق سمجھ کر وائنا میں سفراء دول کی ایک دوسری کانفرنس منعقد کی۔ ۵ ر دسمبر ۱۸۵۳ء کو اس کانفرنس نے دو قراردادیں اس مضمون کی پاس کیں کہ تمام دول سلطنت عثمانیہ کے داخلی و خارجی استقلال تام کو تسلیم کرتے اور اُس کی حفاظت کا عہد کرتے ہیں ان قراردادوں کے ساتھ آسٹریا نے باب عالی کو ایک مراسلہ بھیجا اور اُس سے دریافت کیا کہ وہ کن شرائط پر صلح کی گفت و شنید کر سکتا ہے؟

مگر ترکی فوجیں عمر پاشا کی قیادت میں اپنی مذکورالصدر دھمکی کے مطابق پیشقدمی شروع کر چکی تھیں اور انہوں نے روسی فوج کو شکست فاش دیکر والیشیا کو چاپ اور بسریبیا سے (جہاں وہ دولت کے خلاف باشندوں کو بھڑکا رہی تھیں) بھگا دیا، اور دوسری طرف ایشیا میں عبدی پاشا (جو عمر پاشا کے مثیل تھے) روسی علاقہ میں داخل ہو کر قلعہ سینٹ نکولس فتح کر لیا۔ یورپ ان فتوحات سے حیران رہگیا اور زار کے حواس پراگندہ ہو گئے ہیں نے ٹرکی سے بدلہ لینے کے لئے اپنے بحر اسود کے بیڑے کو حکم دیا کہ ترکی بیڑے کو برباد کر دے، چنانچہ وہ چھپ کر بندرگاہ سینوپ (Sinope) تک پہنچ گیا اور بڑی کوششوں کے بعد ترکی بیڑے کو جو وہاں لنگرانداز تھا آگ لگا دی۔

واقعہ سینوپ کی خبر جب سلطان مرحوم غازی عبدالمجید خاں کو پہنچی تو انہوں نے فرانس اور انگلستان سے درخواست کی کہ اپنے بیڑوں سے بحر اسود کے ترکی بندرگاہوں کی حفاظت کریں۔ فرانس نے بلا تامل اُسے قبول کر لیا، مگر انگریزی سلطنت نے کچھ پس و پیش کیا، کیونکہ برطانی وزیر اعظم لارڈ ایبرڈین (Aberdeen) جنگ کی طرف مائل نہ تھا اور مسئلہ کو امن و سلامتی سے طے کرنا چاہتا تھا۔ حالانکہ انگریزی رائے عامہ روس کے خلاف جنگ پر برابر زور دے رہی تھی اور خود پامرسٹون وزیر خارجۂ انگلستان جنگ کا سب سے بڑا حامی تھا۔ آخر جب اُس نے دیکھا کہ وزیر اعظم کسی طرح

انگریزی بیڑہ کو بحر اسود میں بھیجنے کے لئے تیار نہیں ہے تو ۱۵ دسمبر ۱۸۵۳ء کو استعفا پیش کر دیا اس پر انگلستان کی پبلک میں عام ہیجان برپا ہو گیا اور ایبرڈین نے مجبور ہو کر پامرسٹن کو بلایا اور اُسکا استعفا واپس کرتے ہوئے اُسکو اجازت دی کہ جسطرح چاہے اور مناسب سمجھے انگریزی سیاست خارجہ کو چلائے۔ یہ اختیار حاصل ہوتے ہی پامرسٹن نے فوراً دولت علیہ کے حسب طلب انگریزی بیڑے کو بحر اسود میں بھیجدیا۔ ۲ دسمبر کو فرانس اور انگلستان نے ایک مشترکہ یادداشت سلطنت روسیہ کو بھی جس میں لکھا کہ وہ اپنے جہاز بحر اسود سے واپس بلا لے، کیونکہ صرف دولت عثمانیہ ہی کو بحر اسود میں جہاز رکھنے کا حق ہے، نیز لکھا تھا کہ ہم اپنے جنگی بیڑے بحر اسود میں بھیج رہے ہیں۔ یہ دراصل انگلستان و فرانس کی طرف سے روس کو اعلان جنگ تھا۔ ان سلطنتوں نے صراحتہً اعلان کرنے سے اس لئے پرہیز کیا کہ ہنوز اُن کے انتظامات جنگ مکمل نہ تھے؛

یہ تمام حوادث آسٹریا کے لئے روز بروز زیادہ پریشانی کا سامان کر رہے تھے۔ اب پھر اس نے تیسری مرتبہ دولت علیہ اور دیگر دول یورپ سے صلح کے بارہ میں مخابرت شروع کی اور سلطنت عثمانیہ کو لکھا کہ جن شرطوں پر وہ صلح کر سکتی ہے انھیں بصراحت پیش کر دے۔ اس کے جواب میں باب عالی نے لکھا کہ ہماری شرطیں ۴ ہیں۔ اولاً عثمانی مقبوضات کے استقلال تام کو تسلیم کیا جائے اور فرانس، انگلستان، آسٹریا اور پروشیا اس استقلال کی ضمانت لیں۔ ثانیاً روسی فوجیں صوبہ ہائے والیشیا اور مالڈیویا کو خالی کر دیں۔ ثالثاً ان ضمانتوں کی دوبارہ تجدید کیجائے جو دول یورپ نے ۱۸۴۱ء میں پیش کی تھیں۔ رابعاً، یورپ عموماً اور دولت روسیہ خصوصاً حکومت عثمانیہ کی کامل آزادی کو خواہ وہ داخلی ہو یا خارجی تسلیم کرے۔

جب یہ شرطیں پروشیا، فرانس، آسٹریا اور انگلستان کے سفراء کے سامنے وائنا میں پیش کی گئیں تو سب نے انھیں پسند اور منظور کیا، اور حکومت آسٹریا کے ذریعہ ۱۳ جنوری ۱۸۵۴ء کو حکومت روسیہ کے پاس بھیجدیا۔ دول اربعہ منتظر تھے کہ روس ان شرائط اور انگلستان و فرانس کے متحدہ تنبیہ نامہ کا کیا جواب دیتا ہے۔ مگر زار نکولس اول دوسرے ہی فکر میں تھا، وہ آسٹریا و پروشیا کو اپنے ساتھ متحد کرنے کی ابتک کوشش کر رہا تھا اور اس مقصد کے لئے اُس نے بیرن ڈی بوڈبرگ کو برلن اور کونٹ اورلوف کو وائنا بھیجا تھا کہ دونوں سلطنتوں کو اثناء حرب میں غیر جانبداری پر قائم رہنے کو ترغیب دے اور لالچ دلائے کہ اگر وہ اس پر قائم رہے تو روس انھیں مسئلہ شرقیہ کے حل کرنے میں اپنا ساتھی بنائیگا۔ آسٹریا نے کونٹ اورلوف کو جواب دیا کہ اگر روسی فوجیں دریائے ڈینیوب کو عبور نہ کریں تو وہ اسکا مطالبہ قبول کر سکتا ہے۔ مگر روس نے اس شرط کو اپنے لئے مضر پایا اسلئے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اسطرح آسٹریا نے اپنے لئے حریت عمل حاصل کر لی۔ علیٰ ہذا پروشیا نے بھی باوجودیکہ اُس کے بادشاہ سے زار نکولس اول کی قرابت تھی؛ اس مطالبہ کو رد کر دیا۔

اب زار کو یقین ہو گیا کہ یورپ میں اُس کا کوئی ساتھی نہیں ہے، اس لئے اُسے تنہا ہی ٹرکی سے جنگ کرنی ہوگی۔ پس اُس نے ۱۳ جنوری والے بین الاقوامی میمورنڈم کو مسترد کر دیا۔ اور نپولین ثالث شاہ فرانس کے اس دوستانہ خط کا جس میں اُس نے دول کے مطالبات مان لینے کی نصیحت کی تھی، یہ جواب دیا کہ روس کی عزت محض جنگ کا مشورہ دیتی ہے اور اس طرح اُس نے

نتائج جنگ کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کرکے جنگ کا عزم بدستور قائم رکھا۔
جب فرانس اور برطانیہ کو زار کے ان ارادوں کا علم ہوا تو اُنہوں نے ۲۷ر فروری ۱۸۵۴ء کو پھر ایک تہدید نامہ بھیجا جس میں لکھا تھا کہ وہ صوبہ ہائے والیشیا اور مالڈیویا کو خالی کردے ورنہ دونوں سلطنتیں اسکے خلاف جنگ کردینگی۔ اسکے ساتھ ہی فرانس و انگلستان نے آسٹریا اور پروشیا کو بھی روس کے خلاف شریک کرنے کی کوشش کی مگر شاہ پروشیا نے شرکت قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے فرانس، انگلستان اور آسٹریا کی حکومتوں کو مسیح کیا کہ وہ بعض سیاسی اُصولوں کو طے کرلینا چاہتا ہے جو بعد میں روس اور ٹرکی کے درمیان اختلاف رفع کرنے کے لئے اساس و بنیاد کا کام دینگے۔ ہر سہ دول نے اس تجویز کو قبول کرلیا، پروشیا، آسٹریا، فرانس، اور انگلستان کے نمائندے چوتھی مرتبہ دائنا میں جمع ہوئے اور ۹ر اپریل ۱۸۵۴ء کو سب نے ایک پروٹوکل پر دستخط کئے جو حسب ذیل ۴ قواعد پر مشتمل تھا۔ اولاً دولت علیہ کا استقلال تسلیم کیا جائے ثانیاً روسی فوجیں صوبہ ہائے والیشیا اور مالڈیویا کو خالی کردیں ثالثاً حکومت عثمانیہ کو تمام داخلی وخارجی معاملات میں کلیتہً آزاد تسلیم کیا جائے اور اُسے کلی اختیار دیا جائے کہ جسطرح چاہے اپنی عیسائی رعایا کو امتیازات و رعایات عطا کرے رابعاً، دولت علیہ کے سیاسی تعلقات کو یورپ کے توازن دولی کے لحاظ سے مقرر کیا جائے۔
ادھر فرانس و انگلستان کا مذکورۂ بالا تہدید نامہ جب زار نکولس اول کے پاس پہنچا تو اُس نے اُسے بالکل مسترد کردیا اور دونوں سلطنتوں کے اعلان جنگ کو قبول کیا۔ پس ۱۲ر مارچ ۱۸۵۴ء کو دونوں سلطنتوں نے سلطنت عثمانیہ کے ساتھ روس کے خلاف ایک معاہدۂ اتحاد مکمل کرلیا جسمیں ابتدائی شرط یہ تھی کہ فرانس ۵۰ ہزار اور انگلستان ۲۵ ہزار فوج میدان جنگ میں بھیجے گا، مگر اقتضاء جنگ نے انھیں اس شرط پر قائم نہ رہنے دیا، چنانچہ صرف فرانس کی تقریباً ایک لاکھ فوج میدان جنگ میں کام آئے۔ نیز یہ شرطیں بھی تھیں کہ دونوں سلطنتیں انعقاد صلح کے بعد ۵ ہفتہ کے اندر اندر اپنی فوجیں واپس بلالینگی اور دونوں کے بیڑے بحر اسود میں دوران جنگ تک رہینگے۔
ان شرطوں کے مطابق دونوں سلطنتوں نے اپنے بیڑے بحر اسود میں بھیجدیئے، دریائے ڈینیوب پر فوجیں اُتار دیں، اور تھسلی وایپاروس کی بغاوت فرو کرنے کے لئے ٹرکی کو اپنی فوجیں دیں۔
روس کے خلاف دونوں سلطنتوں نے اتفاق مکمل کرنیکے بعد آسٹریا کو پھر اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی، کیونکہ روسی فوجیں ڈینیوب پر تھیں اور اگر آسٹریا بھی دول ثلاثہ کا ساتھ دیتا تو اُن کو بڑی آسانی سے مغلوب کیا جاسکتا تھا۔ مگر آسٹریا نے روس کے خلاف ایسے اتحاد سے انکار کرکے پروشیا سے اس معاملہ پر اتفاق کرلیا۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ سلطنت (یعنے سلطنت پروشیا) جسکا فائدہ اسی میں تھا کہ سب سے پوشیدہ رہکر روس کی خدمت کرے، ایک معاہدۂ اتحاد کے بارے میں گفتگو شروع کی اور عرصہ تک مخابرات کا سلسلہ جاری رہنے کے بعد ۲۰ اپریل ۱۸۵۴ء کو آسٹریا سے اس مضمون کا ایک معاہدہ کرلیا کہ حکومت آسٹریا دولت روس کو اپنی پیشقدمی روکنے اور صوبہ ہائے والیشیا اور مالڈیویا خالی کردینے کے لئے تہدید نامہ بھیجے، اور پھر اگر وہ اُسے تسلیم نہ کرکے کوہ بلقان کو عبور کرجائے تو آسٹریا و پروشیا اُسکے خلاف اعلان جنگ کردیں۔
اس معاہدہ کو مکمل کرنے کے بعد پروشیا نے اپنی توجہ اس کوشش پر صرف کردی کہ معاہدہ تو باقی رہے مگر اُس پر عمل کرنے کا وقت نہ آئے۔ چنانچہ اُس نے طے شدہ تہدید نامہ کو اس امید پر کہ انکی کوشش کی کہ

الٰہی ثابیں روسی فوجیں شہر سلسٹریا (Silistria) پر قابض ہوجائیں۔ اور اس کوشش میں وہ کامیاب بھی ہوا، یعنی آسٹریا نے ۳ جون ۱۸۵۴ء تک اپنا تہدیدنامہ نہ بھیجا، مگر پروشیا کی عین خواہش کے خلاف روسی فوجیں سلسٹریا فتح نہ کرسکیں۔

جب گورچیکوف شہر سلسٹریا پر قبضہ کرنے میں ناکام ہوا تو محاصرہ اٹھاکر پیچھے ہٹ گیا۔ اس پر آسٹریا نے بھی ۱۴ جون ۱۸۵۴ء کو باب عالی سے اس باب میں اتفاق کرلیا کہ والیشیا و مالڈیویا پر قبضہ کرلے، ان دونوں صوبوں پر روسی ہجوم کو روکے، اور انگلستان و فرانس کو اُن کی کارروائیوں میں مدد دے۔ مگر پروشیا، جیساکہ ہم اوپر کہہ چلے ہیں آسٹریا کی اس پالیسی کے خلاف عمل کررہا تھا، چنانچہ اس نے اتحاد جرمانی (German Confederation) کی ریاستوں کو اشارہ کیا کہ ۲۰ اپریل کے اتفاق پروشیا اور آسٹریا کی تصدیق کے لئے بہت سی شرطیں مقرر کردیں۔ پس ان حکومتوں نے متعدد شرطیں مقرر کیں، منجملہ اُن کے ایک یہ تھی کہ عنقریب جو مغابرات دول یورپ کے مابین مسئلہ مشرقیہ کے متعلق جاری ہونیوالے ہیں اُن میں شرکت کیجائے، اور یہ کہ اگر آسٹریا نے روس کو صوبہ ہائے والیشیا اور مالڈیویا کے تخلیہ پر مجبور کیا تو اُسے انگلستان اور فرانس کو بھی وہاں پیشقدمی روکنے اور عارضی صلح پر دستخط کرنے کے لئے مجبور کرنا پڑیگا۔ آسٹریا نے مجبوراً ان شرطوں کو مان لیا اور فرانس و انگلستان نے بھی اُسکی درخواست پر ہر دو مذکورۂ بالا علاقوں میں فوجیں لیجانے سے احتراز کیا یہی بناتھی کریمیا پر حملہ اور سیباسٹوپول (Sevastopol) کے محاصرہ کے۔

آسٹریا کی درخواست پر اس طرح والیشیا و مالڈیویا سے ترکی، فرنچ اور انگریزی فوجوں کے ہٹ جانے کی بدولت روس بہت سے خطرات و نقصانات سے بچ گیا، اور یہ صرف پروشیا کی عنایت کا نتیجہ تھا جس نے جرمن کانفڈریشن کو حکومت آسٹریا پر مذکورۂ بالا شرطیں عائد کرنے کی ترغیب دی تھی۔

پس جب روس کو علم ہوگیا کہ پروشیا اور اتحاد جرمانی کی حکومتیں اُس کی طرف مائل ہیں تو اُس نے ۲۹ جون ۱۸۵۴ء کو آسٹریا کے تہدیدنامہ کا یہ جواب دیا کہ وہ اپنی فوجوں کو صوبہ ہائے والیشیا و مالڈیویا سے واپس بلانے پر بالکل تیار نہیں ہے، مگر اس صورت میں کہ آسٹریا کافی ضمانتیں پیش کرے، فرانس و انگلستان سے اتحاد نہ کرنے کا اعلان کرے، اور صوبہ ہائے مذکورہ میں اُسکے خلاف جنگ کے روکنے کا عہد کرے۔ یہ جواب پاکر آسٹریا نے مناسب سمجھا کہ فرانس و انگلستان سے نئی شرائط پر معاہدہ کرلے جو روس کے لئے نئی تہدید کے ہم معنی ہو۔ چنانچہ ان شرائط کو طے کرنے کے لئے دونوں سلطنتوں کے نمائندے وائنا پہنچ گئے۔ شاہ پروشیا کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اُس نے زار کو مشورہ دیا کہ وہ والیشیا و مالڈیویا کو خالی کردے، اس امید پر کہ شاید اس سے وائنا کا اجتماع بیکار ہوجائے۔ مگر اسکا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور انہوں نے چند روز کے بحث مباحثہ کے بعد ۸ اگست ۱۸۵۴ء کو طے کیا کہ ٹرکی اور روس کے درمیان تعلقات سیاسی اسوقت تک قائم نہیں ہوسکتے جب تک (۱) روس صوبہ ہائے والیشیا و مالڈیویا، اور سرویہ پر اپنی حمایت قائم رکھیگا اور ان امتیازات سے دست بردار نہ ہوگا جو باب عالی نے دول کی متعدد ضمانت کے ساتھ اُسے صوبہ ہائے مذکورہ میں عطا کی تھیں، (۲) جبتک ڈینیوب کی جہازرانی آزاد نہ کردیجائیگی، (۳) جب تک ۱۳ جولائی ۱۸۴۱ء کے معاہدہ کو بدلا نہ جائیگا (۴) جب تک روس یہ دعوے کرتا رہیگا کہ اُسے دولت علیہ کے تمام عیسائی باشندوں پر یا اُن کے

کسی حصہ پر حمایت کا حق رہے (۵) اور جب تک دول یورپ سب کے سب دولت علیہ کے استقلال اور اسکی سلامتی ذمہ نہ لے لینگے۔ اسکے ساتھ ہی دول کے نمائندوں نے یہ بھی اقرار کیا کہ انکی سلطنتیں بعد میں اس فیصلہ سے نہ پھرینگی اور اُسے قبول کئے بغیر صلح منعقد نہ ہوسکیگی۔

آسٹریا نے کوشش کی کہ پروشیا اور حکومت ہائے اتحاد جرمانی اس فیصلہ کو تسلیم کرلیں، مگر انہوں نے پہلے دو شرطوں کے سوا بقیہ تمام شرطوں کو رد کردیا، اور اعلان کردیا کہ وہ اسوقت تک اتحاد کو منظور نہیں کرسکتے جب تک آسٹریا صوبہ ہائے مذکورہ بالا میں ترکی، فرنچ اور انگریزی فوجوں کے داخلہ اور اس جانب سے روسی علاقہ پر ہجوم کو روکنے کا عہد نہ کرے آسٹریا کو اس سے سخت حیرانی ہوئی، کیونکہ وہ ٹرکی، فرانس اور انگلستان سے اپنے تعلقات مکدر کئے بغیر ان شرطوں کو قبول نہیں کرسکتا تھا۔

اسی اثناء میں اتحادی فوجوں نے روسی فوجوں پر زبردست فتوحات حاصل کیں اور دریائے الما (Alma) کے کنارے اُسے شکست فاش دیکر مختلف مقامات پر قبضہ کرلیا۔ ۲۵ر اکتوبر ۱۸۵۴ء کو انہوں نے بلکلاوا (Belaklava) پر زار کی فوجوں کو ہزیمت دی اور ۵ر نومبر کو انکرمان (Inkerman) پر دوسری زبردست فتح حاصل کی سباسٹوپول کا محاصرہ اس دوران میں بدستور جاری رہا۔

فرانس و انگلستان نے جب دیکھا کہ آسٹریا نے اُن قطعی و عملی اتفاق کے معاملہ میں بہت جھولا یا ہے۔ تو انہوں نے ایک ایسا طریقہ سوچا جو اُسے ان کے ساتھ اتفاق پر مجبور کرے اور وہ یہ تھا کہ انہوں نے پیڈمونٹ کی حکومت کو اپنے ساتھ شرکت کی دعوت دی ہر شخص جو تاریخ پر اطلاع رکھتا ہے، ناواقف نہ ہوگا کہ آسٹریا کو اٹلی کی حکومت پیڈمونٹ (Peedmont) سے انتہائی بغض تھا، کیونکہ وہ آسٹرین حکومت سے تمام اٹالین علاقہ کو آزاد کرنے میں سعی بلیغ کررہی تھی۔ وائنا کی حکومت کو جب یہ علم ہوا کہ پیڈمونٹ عنقریب فرانس و انگلستان سے اتحاد کرنیوالا ہے تو اُسے خوف پیدا ہوا کہ کہیں بعد میں بھی یہ حکومتیں اس چھوٹی سی ریاست کی مساعدت نہ کریں۔ اور فوراً انھیں پیغام بھیجا کہ وہ ان سے اتفاق کرنے کے لئے تیار ہے۔ ۲ر دسمبر کو عملاً یہ اتحاد مکمل ہوگیا جس میں آسٹریا نے عہد کیا کہ وہ ۸ر اگست والی قرارداد پر قائم رہیگا، انفرادی حیثیت سے روس کے ساتھ کوئی گفت و شنید نہ کریگا، اور صوبہ ہائے والیشیا، مالڈویا اور سربیا کو ہر حملہ سے بچانے کی کوشش کریگا۔ اسکے مقابلہ میں فرانس و انگلستان نے عہد کیا کہ اگر روس نے اُسکے خلاف اعلان جنگ کردیا تو وہ اسکی ہر طرح مدد کرینگے۔ اور یہ کہ ان شرطوں پر جو دول ثلاثہ نے ۸ر اگست ۱۸۵۴ء کی قرارداد میں طے کی تھیں، یکم جنوری ۱۸۵۵ء تک صلح نہ ہوئی تو دول متحدہ کے نمائندے پھر جمع ہوکر اس مقصد کو حاصل کرنے کے موثر ذرائع سوچینگے۔

قارئین کرام کو اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ پروشیا روس کی طرف مائل تھا اور اُسے جنگ کے نقصانات سے بچانے کی کوشش کررہا تھا جب اُسے علم ہوا کہ آسٹریا بھی روس کے خلاف دول ثلاثہ سے متفق ہوگیا ہے تو اس نے اس اتحاد کے نفاذ کو اتنی تاخیر میں ڈالنے کی کوشش کی کہ روس اپنی تیاریاں مکمل کرکے اپنی فوجی قوت میں ضروری اضافہ کرلے، یا اس اتحاد کو فسخ کرالے یا کم از کم ضعیف کرنیکا کوئی موقعہ ہاتھ آجائے پس اس نے حکومت روس کو مشورہ دیکر اُس سے اعلان کرادیا کہ وہ ۸ر اگست ۱۸۵۴ء والے قرارداد سے متفق ہے اور وائنا میں ایک کانفرنس کے انعقاد کو پسند کرتی ہے تاکہ بحث و نظر سے معاملہ طے ہوجائے آسٹریا کو اس سے بڑی مسرت ہوئی اور اس نے روس کو اپنے اس اظہار میں صادق سمجھ کر فرانس و انگلستان سے درخواست کی کہ وہ اپنی طرف سے وائنا کانفرنس کیلئے نمائندے بھیجیں۔ دونوں سلطنتوں نے بھی اسے منظور کرلیا۔ مگر ساتھ ہی آسٹریا

سے مطالبہ کیا کہ وہ پرنس گورچکوف کو جو وائنا میں روسی سفیر مقرر ہؤا تھا ایک مشترکہ یادداشت بھیجیں جس میں ۸ اگست والی قرارداد کے معنے اُسے سمجھا دیئے جائیں۔ آسٹریا نے اس تجویز کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا اور ۲۸ دسمبر ۱۸۵۴ء کو اس مطلب کی ایک یادداشت بھیجدی۔ ۱۰ دن کے بعد پرنس گورچکوف نے جواب میں اسے ۸ اگست والی قرارداد کے بالکل خلاف و مختلف معنے بتائے جو قرارداد مذکور کے مضمون کے منشا سے تناقض تام رکھتے تھے۔ یہ مناقشہ عرصہ تک جاری رہا۔ اور کانفرنس کی تمہید ہی ختم نہ ہونے پائی۔

اب فرانس اور انگلستان کے ناظموں نے پھر محسوس کیا کہ آسٹریا ان کو دھوکہ دے رہا ہے اور اپنے تعہدات سے پھر جانا چاہتا ہے۔ پس انہوں نے اپنی حکومتوں کو اس حال سے مطلع کیا۔ اور انھیں مشورہ دیا کہ آسٹریا سے بدلہ لینے کے لئے حکومت پیڈمانٹ سے اتحاد کریں۔ اس زمانہ میں فرنچ اور انگلش فوجوں کو بخار اور دیگر امراض بہت نقصان پہنچا رہے تھے اور جاڑے کی سختی نے جنگی کارروائیوں کو معطل کر رکھا تھا۔ ایسی ضرورت کے وقت آسٹریا کو دغا بازی کرتے دیکھ کر دونوں سلطنتوں نے وکٹر ایمانویل (Victor Emmanuel) شاہ پیڈمانٹ سے معاہدۂ اتحاد کر لیا جس کی رو سے شاہ مذکور نے ۱۰ ہزار فوج روس کے خلاف بھیجنے کا عہد کیا اور ۲۶ جنوری ۱۸۵۵ء کو پیڈمانٹ کے مشہور وزیر اعظم کافور (Cavour) نے اس معاہدہ پر دستخط کر دیئے۔ کافور کو اس معاہدہ سے بہت خوشی حاصل ہوئی کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ فرانس اور انگلستان کے ساتھ روس کے خلاف شرکت کرنے سے پیڈمونٹ کو ایسا موقع حاصل ہو جائیگا کہ جنگ کے بعد شرائط صلح کی بحث میں اسکے نمائندے مسئلہ اطالیہ کو دول کے سامنے پیش کر دیں اسی بنا پر ۲۶ جنوری ۱۸۵۵ء کے معاہدہ کو مورخین نے وحدۃ الطالیہ کی تعمیر کا بنیادی پتھر قرار دیا ہے۔ اسی اتحاد کے مکمل ہوتے ہی حکومت پیڈمانٹ نے جنرل لامامورا (Lamarmora) کو قیادت میں اپنی فوجیں ترکی کی طرف روانہ کر دیں۔

اسی زمانہ میں عمر پاشا قائد جیوش عثمانی نے شہر ایپاٹوریا (Eupatoria) پر پیشقدمی کی۔ اور ۱۷ فروری ۱۸۵۵ء کو وہاں روسی فوجوں پر ایک نمایاں فتح حاصل کی۔ اس فتح کے بعد وہ ان ترکی اور فرانسیسی و انگریزی فوجوں سے ملا جو سباسٹوپول کو گھیرے پڑی تھیں۔

ادھر آسٹریا نے جب یہ دیکھا کہ فرانس اور انگلستان نے اس سے بدگمان ہوکر پیڈمانٹ سے معاہدۂ اتحاد کر لیا ہے، تو اُسنے انھیں راضی کرنے اور ان سے پھر اتحاد پیدا کرنے کی کوشش شروع کی۔ چنانچہ پروشیا اور حکومتہائے اتحاد جرمنی سے درخواست کی کہ وہ جنگی تیاریاں شروع کرکے روس کے خلاف فوجیں بھیجیں۔ مگر موخر الذکر حکومتوں نے بدترین طریقہ سے اس کی اس درخواست کو رد کر دیا اور اسکو اس بات پر سخت ملامت کی کہ وہ پروشیا اور اتحاد جرمنی کے مصالح کا ذرہ برابر لحاظ کئے بغیر فرانس اور انگلستان کے مشوروں پر عمل کر رہا ہے؛

اس زمانہ میں آسٹریا کے خلاف جرمنوں کو بھڑکانے والا موسیو ڈی بسمارک مشہور مدبر سیاست تھا۔ وہ اسوقت فرینکفورٹ (Frankfort) حکومتہائے اتحاد جرمن کی مجلس مشترکہ کا ممبر تھا اور حکومت پروشیا میں اسکی آواز خاص وقعت رکھتی تھی۔ اس نے اپنی سیاسی مہارت سے حکومت پروشیا اور حکومتہائے اتحاد جرمنی کو بتلایا کہ روس کی عملی مساعدت کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جرمن اور پروشین فوجیں فرانس کے حدود پر جمع کیجائیں تاکہ فرانس کو ان سے خوف پیدا ہو اور نپولین ثالث اپنے ارادہ سے باز آئے جو وہ اپنا ایک لشکر جرار جرمن علاقوں کو چیرتا ہوا روس سے لڑنے کے لئے آسٹریا کی طرف بھیجے

اور اُسکو یعنی روس کو ایک طرف والیشیا و مالڈیویا کی طرف سے اور دوسری طرف کریمیا کی طرف سے گھیر لینے کے لئے کر رہا ہے۔ بسمارک کی یہ سیاست کامیاب ہوئی اور نپولین ثالث نے یہ معلوم کر کے کہ پرشین اور جرمن فوجیں سرحد فرانس پر جمع ہو رہی ہیں اپنا ارادہ ملتوی کر دیا

اب نپولین ثالث کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ خود مشرق کا رُخ کرے اور ترکی فرنچ اور انگریزی فوجوں کی قیادت عام اپنے ہاتھ میں لے۔ مگر انگلستان نے اور خود اس کے اُمرا و وزرا نے اسے اس ارادہ سے باز آنے کی نصیحت کی۔

۲ر مارچ ۱۸۵۵ء کو زار نکولس اول مرگیا اور اُسکی جگہ اسکندر ثانی تخت نشین ہوا۔ نئے زار نے یورپ پر اپنے امن پسندی اور صلح کی جانب میلان کا اظہار کیا اور فرانس سے درخواست کی کہ ویانا میں بین الدول کانفرنس منعقد کر کے مسائل متنازع فیہ کو طے کر لیا جائے۔ اس سے اکثر رجال سیاست کو بہت مسرت ہوئی اور فرانس نے اُسے منظور کر کے ۱۶ر مارچ کو کانفرنس کے انعقاد کا سامان کیا۔

یہ کانفرنس جب منعقد ہوئی تو آسٹریا، انگلستان، فرانس، ترکی اور روس کے نمائندوں میں ان دو شرطوں پر تو اتفاق ہوگیا کہ روس صوبہ ہائے مالڈیویا و والیشیا پر سے اپنی حمایت اُٹھالے اور دریائے ڈینوب کی جہازرانی آزاد کر دی جائے مگر استقلال دولت علیہ کی ضمانت کے باب میں اختلاف واقع ہوا۔ روسی نمائندے کہتے تھے کہ اُن کی سلطنت ترکی کے استقلال کا احترام تو ضرور کرتی ہے، مگر وہ دول یورپ کے ساتھ اس کی ذمہ داری لینے پر تیار نہیں ہے۔ اسی طرح چوتھی شرط کو بھی روس نے مسترد کر دیا جو بحر اسود میں روسی جہازوں کی تحدید سے متعلق تھے۔ اس عدم اتفاق کے باعث ۲۷ر مارچ ۱۸۵۵ء کو کانفرنس کے اجتماع بند ہوگئے۔ پھر جب دوبارہ اجتماع ہوا تو گورچیکوف بدستور اپنی ضد پر قائم رہا اور روسی جہازوں کی تحدید اور استقلال دولت علیہ کی ضمانت کے بارہ میں اختلاف کرتے ہوئے تجویز پیش کی کہ ۱۸۴۱ء والے معاہدہ کی رو سے درۂ دانیال و باسفورس کی حربی آمد و رفت بند کر دی جائے اور باب عالی کو حق دیدیا جائے کہ ضرورت کے وقت جن سلطنتوں کے جہازوں کو وہ آنے کی اجازت دینا چاہے اُن کے لئے دروازہ کھولدے۔ آخر ۲۱ر اپریل ۱۸۵۵ء کو دوبارہ کانفرنس ناکام رخصت ہوگئی۔ جون کے اوائل میں تیسری مرتبہ یہ کانفرنس مجتمع ہوئی مگر پہلے دوسرے اجتماعات کی طرح یہ تیسرا اجتماع بھی ناکام ہوا اور اختلاف آرا کے باعث نمائندگان دول کسی نتیجہ پر متفق نہ ہو سکے۔ پس اس مرتبہ کانفرنس کے قطعی خاتمہ کا اعلان کر دیا گیا۔

انگلستان و فرانس نے اب محسوس کیا کہ بین الدول کانفرنس کی ناکامی کے بعد انھیں باہمی اتحاد زیادہ بڑھانے کی ضرورت ہے، اس لئے نپولین ثالث شاہ فرانس نے ملکہ وکٹوریا سے ملاقات کے لئے لندن کا سفر کیا اور وہاں نہایت شان و شوکت سے اُس کا خیر مقدم کیا گیا۔ تھوڑے عرصہ بعد ملکۂ وکٹوریہ نے پیرس کا سفر کر کے بازدید کا فرض ادا کیا۔ ان دوستانہ ملاقاتوں کے بعد دولتیں فرانس و برطانیہ نے متفقہ طور پر کریمیا کی فوجوں کو جدید احکام بھیجے جنہیں انھیں سباسٹوپول پر آخری حملہ کی تاکید کی گئی تھی۔ اسکے ساتھ ہی حکومت فرانس نے کانروبرٹ (Canrobert) کی بجائے جنرل پلیسیہ (Pelissier) کو اپنی فوجوں کا سپہ سالار مقرر کیا۔ اور اُسے حکم دیا کہ دشمن کے قلعوں اور استحکامات

پر پیشقدمی کرے۔ چنانچہ اس نے ۷ رجون ۱۸۵۵ء کو ترکی فوجوں کی مساعدت سے قلعہ مامون فیر پر قبضہ کر لیا جو قمتہ الخضراء کے نام سے مشہور تھا۔ ۱۸ رجون کو اس نے قلعہ ملاکوف (Malakoff) پر ہجوم کیا مگر روسی فوجوں نے وہاں فرنچ فوجوں کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ اس سے فرانس، انگلستان اور ترکی نے بگڑ کر اپنی تمام فوجوں کو اکٹھا کیا اور جیوش متحدہ کے کمانڈروں (عمر پاشا، پلیسیر، سمپون (Simpson) اور لا مارمورا) نے متفق ہو کر فیصلہ کر لیا کہ سباسٹوپول پر آخری حملہ کر دیا جائے۔ چنانچہ ۸ ستمبر ۱۸۵۵ء کو جیوش متحدہ نے سباسٹوپول پر حملہ کیا اور اسی اثناء میں جیوش متحدہ اور افواج روس کے سخت نقصان کے بعد جنرل میک موہن (McMohon) نے قلعہ ملاکوف پر قبضہ کر لیا یہ دن اس جنگ کا سب سے زیادہ زبردست دن شمار ہوتا ہے جو سباسٹوپول کی فتح پر ختم ہوا

سباسٹوپول کے سقوط نے تمام یورپ پر ایک ہولناک اثر پیدا کیا اور تمام عالم اسوقت کا انتظار کرنے لگا جب یہ جنگ ختم ہو، اور دول متحدہ سے روس کی صلح ہو جائے۔ مگر جنگ برابر جاری رہی اور افواج متحدہ نے تمام اہم مواقع پر قبضہ کر لیا جن میں شہر کینبرن (Kinburn) بھی شامل تھا۔ بلکہ اگر موسم سرما کی آمد آمد نہ ہوتی تو شاید جنگ بلا انقطاع جاری رہتی۔ اثناء جنگ میں انگریزی اور فرانسیسی بیڑوں نے بندرگاہ پیٹرو پاوسک (Petropavlovsk) پر قبضہ کر لیا بحر بالٹک (Baltic sea) پومارسنڈ پر قابض ہو گئے اور سفیابورگ (Bomarsund) پر گولہ باری کی

اب جب روس نے دیکھا کہ وہ زیادہ عرصہ تک جنگ کرنیکی قدرت نہیں رکھتا، تو اس نے فرانس کو اپنی جانب مائل کرنے اور انگلستان سے اسکے دوستانہ اتحاد کو قطع کرنے کی انتہائی کوشش شروع کی اور اس مقصد کے لئے کثیر التعداد ایجنٹ پیرس بھیجے تاکہ فرانس کے رجال سیاست کو پرچائیں اور ان مقررین و محررین کو جو فرنچ رائے عامہ کی باگیں رکھتے تھے روس کا حامی بنانے کی کوشش کریں۔ شاہ نپولین ثالث اول اول تو ان چالوں سے متاثر ہو گیا اور روس کی ساعات پر کچھ آمادگی ظاہر کی مگر بعد میں جب اسے معلوم ہوا کہ وہ فاتح قوتوں کے مطالبات ماننے پر تیار نہیں ہے تو اپنی پہلی سیاست پر پھر محکم ہو گیا۔

ادھر انگلستان اپنی اغراض کیلئے روس کو بحر بالٹک میں ضعیف کرنا ضروری سمجھتا تھا، اسلئے اس نے فرانس کو متفق کر کے حکومت سویڈن (Sweden) سے ایک معاہدہ اتحاد کر لیا، جو اسوقت روس کی شدید ترین دشمن تھی، اور فنلینڈ (Finland) واپس لینا چاہتی تھی۔

اس اثناء میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ارانوئل شاہ پیڈمانٹ اپنے مشہور وزیر کاؤر کے ساتھ پیرس گیا۔ اس موقع کو نپولین ثالث نے آسٹریا سے بدلہ لینے اور اسے فرانس و انگلستان کے ساتھ مکاری کی سزا دینے کا بہترین موقع خیال کیا۔ اور شاہ پیڈمانٹ کا فراخدلی کے ساتھ خیر مقدم کر کے اس سے وعدہ کیا کہ اس کی حکومت اٹلی کو آزاد کرانے اور اسے ایک علم کے ماتحت متحد کرنے میں مدد دیگی۔ حکومت آسٹریا اسکے برے نتائج سے ڈر گئی۔ اور اپنے گھبرا کر فرانس اور انگلستان کو پیغام بھیجا کہ وہ ان کے ساتھ ملکر روس کو ایک تہدید نامہ بھیجنے کے لئے تیار ہے جس میں اسے دول ثلاثہ کے مطالب قبول نہ کرنے پر اعلان جنگ کی دھمکی دیجائیگی۔ نیز حکومت آسٹریا نے یہ بھی تجویز پیش کی کہ فرانس اور انگلستان اسکے ساتھ ملکر ایک معاہدۂ اتحاد پر دستخط کریں جو دولت علیہ کے استقلال و سلامتی کا ضامن ہو۔ دونوں سلطنتوں نے اس کی اس درخواست کو منظور کیا، اور تینوں سلطنتوں نے مجوزہ تہدید نامہ پر اتفاق کر کے ۲۶ دسمبر

سنہ ۱۸۵۵ء کو زار روس کے پاس بھیجدیا اور مطالبہ کیا کہ ایک مہینہ گزرنے سے قبل یعنے ۱۷ رجنوری ۱۸۵۶ء سے پہلے اسکو رد یا قبول کرنے یہ تہدید نامہ حسب ذیل شرائط پر مشتمل تھا۔

اولاً۔ ڈینوب کے علاقے دول عظمٰے کی نگرانی و ضمانت میں دیدیئے جائیں، دولت علیہ کو دول کی اجازت بغیر انھیں فوج بھیجنے کا اختیار رہے اور بسرہیا کے حدود میں ترمیم کیجائے۔

ثانیاً۔ دریائے ڈینوب کی جہازرانی دول کی ضمانت میں آزاد کر دیجائے۔

ثالثاً۔ بحر اسود آزاد رہے خصوصیت کے ساتھ اس بارہ میں دولت روسیہ اور دولت علیہ کے درمیان ایک اتفاق ہوجائے جس پر دونوں عامل رہیں سو دول یورپ کی برادری میں دولت عثمانیہ کی شرکت قبول کیجائے اسکے اور کسی دوسری سلطنت کے درمیان جو اختلاف واقع ہو وہ بقیہ دول کے سامنے پیش ہوا کرے اور آبنائے باسفورس و دردہ دانیال کے سدباب کا مسئلہ طے ہوجائے۔

رابعاً۔ ٹرکی کے عیسائیوں کے حقوق اس طرح محفوظ کئے جائیں کہ سلطان کے استقلال اور انکی سیادت کو ذرہ برابر ضرر نہ پہنچے۔

خامساً۔ دول یورپ کو حق ہو کہ حسب اقتضاء وقت ان شرائط میں جس قسم کی تبدیلی چاہیں کریں۔

روس نے اس تہدید نامہ کا جواب ۵ رجنوری ۱۸۵۶ء کو دیا جس میں اول الذکر چاروں شرطوں کو قبول کرتے ہوئے پانچویں شرط کو اسکے ابہام کی وجہ سے رد کر دیا تھا۔ مگر پروشیا کو خوف تھا کہ کہیں اس انکار سے یورپ میں عام جنگ نہ برپا ہوجائے۔ اور اندرونی بغاوت سے روس کا وجود ہی خطرہ میں نہ مبتلا ہوجائے۔ اس لئے اُسنے رُوس کو مشورہ دیا کہ پانچویں شرط کو قبول کرکے اس خطرہ کو بہر صورت رفع کرنے کی کوشش کرے۔ چنانچہ روسی حکومت نے ۱۶ رجنوری ۱۸۵۶ء کو ایک دوسرا پیغام بھیجا جس میں دول اربعہ کے مطالب خمسہ کو منظور کرلینے کی اطلاع دیدی۔

اسپر ۲۵ رفروری ۱۸۵۶ء کو پیرس میں ایک بین الدولی کانفرنس منعقد ہوئی، اور کونٹ والوسکی (Walewski) وزیر خارجیۂ فرانس کے زیر صدارت تمام دول متعلقہ کے نمائندے جمع ہوئے دولت علیہ کی طرف سے عالی پاشا اور حکومت پیڈمانٹ کی طرف سے کونٹ کا فور نمائندے تھے۔

دول کے نمائندوں نے اس کانفرنس میں بغیر کسی وقت کے ان شرطوں پر اتفاق کر لیا جو پہلے فرانس، انگلستان اور آسٹریا نے پیش کی تھیں اور جو ہم ابھی ابھی اوپر مندرج کرچکے ہیں۔ اختلاف صرف نپولین ثالث کی اس تجویز پر ہوا کہ والیشیا مالڈویا کو ایک ریاست میں ضم کر دیا جائے۔ بحث و مباحثہ کے بعد یہ طے ہوا کہ کانفرنس ختم ہونے کے بعد اسپر غور کیا جائیگا۔ چنانچہ اس کانفرنس کے ۲ سال بعد اسی پیرس میں ۱۹ اگست ۱۸۵۸ء کو دول یورپ نے طے کیا کہ یہ دونوں صوبے دول کی ضمانت میں ایک ریاست بنا دیئے جائیں۔ (یہی ریاست رومانیہ کی تخلیق تھی)

پیرس کے عہدنامہ پر ۳۰ رمارچ ۱۸۵۶ء کو دول کے نمائندوں نے دستخط کر دیئے۔ اسکے بعد کانفرنس ۱۶ راپریل تک ہوتی رہی اور تمام دیگر مسائل پر بحث ہوئی جس میں سب سے زیادہ اہم مسئلہ اطالیہ تھا۔ کونٹ کافور نے اسے بڑے اہتمام کے ساتھ کانفرنس میں پیش کرکے دول کو اسطرف توجہ دلائی مگر کوئی مسئلہ طے نہیں ہوا اور صرف جہازرانی و تجارت کے متعلق چیدہ معاملات کے تصفیہ پر قناعت کی گئی۔

یہ جنگ مختلف نتائج کے ساتھ ختم ہوئی جنھیں ہر ایک ایک کرکے یہاں پیش کرتے ہیں قارئین

کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ جنگ دراصل مسئلہ اماکن مقدسہ اور آرتھوڈوکس اور کیتھولک عیسائیوں کے اختلاف کی بدولت برپا ہوئی تھی۔ یورپ کی ہر سلطنت یہ خواہش رکھتی تھی کہ شاید استیلا حاصل کرکے کنائس بیت المقدس کی کنجیاں اپنے ہاتھ میں لے لے، مگر فرانس اور روس کے اختلاف اور اس اختلاف کے ہولناک نتائج نے یہ حقیقت صاف ظاہر کردی کہ یہ اماکن مقدسہ ایک بڑی اسلامی حکومت کے پاس رہنے چاہئیں اور وہی ایسی قوت ہوسکتی ہے جو بیت المقدس میں تمام مذاہب کے درمیان توازن قائم رکھنے اور حقدار کو اُسکا پورا حق دینے پر قدرت رکھتی ہے نیز یہ بھی بتلا دیا کہ اگر ان مقدس مقامات کو دول یورپ کے لئے چھوڑ دیا جائے، تو ان میں باہم سخت نزاع برپا ہوگی۔ اور ہر سلطنت دوسری پر سبقت لیجانے اور صرف اپنے لئے ان مقامات کی کنجیاں مخصوص کرلینے کے لئے خونریزی کریگی۔ پس اس عظیم الشان خطرہ کو دور کرنے کے لئے دولت علیہ کے پاس اماکن مقدسہ کو رکھنا لازم ہوگیا اور مدبرین یورپ نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ مسئلہ اماکن مقدسہ ان اہم اسباب میں ایک ہے جن کے باعث دولت علیہ کا بقا و وجود ضروری ہے۔

دولت علیہ نے اس ایک فائدہ کے سوا جنگ کریمیا سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ اُس نے اپنا مال اپنے سپاہی، اپنا بہترین وقت سب کچھ ضائع کیا مگر روس سے اسکو ایک انچ زمین نہیں ملی بلکہ فی الحقیقت اس سے والیشیا و مالڈیویا کے صوبے الگ کرلئے گئے۔ دول نے اسکو دہوکہ دیا اور اسی دو امتیاز دیکر بہلانے کی کوشش کی، مگر بعد کے واقعات نے ثابت کردیا کہ سوا فائدہ مذکورہ کے اُسے اور کسی امتیاز سے کوئی فائدہ نہیں حاصل ہوا۔ دول نے عہد کیا تھا کہ وہ سب دولت علیہ کے استقلال و سلامتی کی ذمہ واری لیتے ہیں مگر حوادث نے ہمیں بتلایا کہ خود وہی دول اس ضمانت استقلال و سلامتی کے نام سے دولت علیہ کے جسم کی قطع و برید کررہے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے اتفاق کیا تھا کہ وہ دولت علیہ کو یورپین طاقت تسلیم کرینگے اور اُسے دول یورپ کی برادری میں شریک کرینگے مگر دولت علیہ کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا بلکہ اس کی بدولت دول یورپ کو اُس کے داخلی معاملات میں زیادہ مداخلت کرنے کا موقع ملگیا جسے الٹا نقصان سمجھنا چاہیئے۔

روس نے اس جنگ میں سوائے مال و رجال کے اور کچھ نہ کھویا۔ بحر اسود کے معاملہ میں بھی دول نے جو کچھ اسکی مخالفت کی تھی وہ محض وقتی تھی چنانچہ پیرس کانفرنس کے بعد جو واقعات پیش آئے انھوں نے اس حقیقت کو روشن کردیا۔

صرف پروشیا ایک ایسی سلطنت تھی جس نے جنگ کریمیا میں سب سے زیادہ فائدہ اُٹھایا۔ اُس نے روس کو اپنی سیاسی معاونت سے اپنا دوست بنالیا، اور دولت روس کو آسٹریا کے خلاف بغض و عناد سے بھر دیا، کیونکہ اس نے جنگ میں اسکی (یعنی روس کی) کوئی مدد نہ کی حالانکہ ۱۸۴۹ء کی بغاوت ہنگری میں اُس نے اسے (آسٹریا کو ہر طرح مدد دی تھی) اور حلقہ ہائے اتحاد جرمنی اور آسٹریا کے درمیان سخت مخالفت پیدا کرادی۔ ان سب باتوں سے پروشیا نے یہ فائدہ اُٹھایا کہ جب ۱۸۶۶ء میں اُسنے آسٹریا سے جنگ کی تو روس نے معنوی حیثیت سے اسکو (یعنی پروشیا کو) مدد دی اور اسطرح اُسنے آسٹریا کو شکست دیکر وہ علاقے فتح کرلئے[1]، نہ صرف یہ بلکہ جنگ کریمیا کے نتائج نے پروشیا کو ۱۸۷۰ء کی جنگ فرانس میں بھی مدد دی گویا

[1] ۱۸۶۶ء کی جنگ پروشیا و آسٹریا جو اگست ۱۸۶۶ء میں عہدنامہ پراگ پر ختم ہوئی جرمن امپائر کی بقیہ صفحہ

گویا اس جنگ کے نتائج اُن اسباب میں سے تھے جنھوں نے پروشیا کو جرمن امپائر میں تبدیل کیا۔

آسٹریا نے نہ صرف اس جنگ سے یہ نقصان اُٹھایا کہ ۱۸۶۶ء میں اس کے دو علاقے نکل گئے، بلکہ ہنگری بھی اندرونی حیثیت سے مستقل ہو گیا، اور یہ نتائج جنگ کریمیا میں سے ایک اہم نتیجہ ہے۔

پیڈمانٹ کی حکومت نے بھی پروشیا کی طرح جنگ کریمیا سے فائدہ اُٹھایا جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں اُسنے پیرس کانفرنس میں اپنے مشہور وزیر اعظم کافور کو بھیجا تھا۔ وہاں اُس نے دول یورپ کے نمائندوں کو اٹلی کی حالت اور آسٹریا کے مظالم کی طرف توجہ دلائی تھی کہ اُس کے ان حملوں کی بدولت تمام دنیا کی نظریں اٹلی اور آسٹریا کے معاملہ کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ پیڈمانٹ کی خوش نصیبی سے نپولین ثالث کو اُن ممالک سے خاص شفقت تھا جو استقلال کے لئے جنگ کرتے تھے۔ اس پر مزید یہ کہ پیڈمانٹ نے جنگ میں اُس کا ساتھ دیا تھا، اور اُس کی جدوجہد اس سلطنت کے خلاف تھی جس نے فرانس اور انگلستان سے بیوفائی کی تھی (یعنی آسٹریا) ان سب باتوں نے مل کر نپولین ثالث کو خصوصیت کے ساتھ اٹلی کا معاون بنا دیا۔ چنانچہ جنگ کریمیا کو چند ہی برس گزرے تھے کہ ان اسباب کی مدد سے اٹلی نے اپنا استقلال حاصل کر لیا۔ اور اس کی وحدت مکمل ہو گئی[۲] اس لحاظ سے جنگ کریمیا سب سے زیادہ آسٹریا کے لئے منحوس ثابت ہوئی کہ اُس نے دو صرف دو صوبے پروشیا کے ہاتھ کھوئے، اور نہ صرف ہنگری کو داخلی آزادی دینی پڑی، بلکہ اطالین علاقے بھی قطعی طور پر اس کے ہاتھ سے نکل گئے۔

انگلستان نے اس جنگ کی بدولت آستانہ میں خاص اقتدار حاصل کیا، اور اپنے مصالح کی خاطر ٹرکی کو استعمال کرنے لگا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کی مشہور بغاوت سپاہیان میں قریب تھا کہ ہندوستانی اپنے ملک سے انگریزوں کو نکال دیتے مگر انگریزوں کی درخواست پر مرحوم سلطان عبدالحمید خاں نے تمام مسلمانان ہند کے نام ایک اعلان شائع کیا جس میں اُنھیں امن و سکون سے رہنے اور ملکہ وکٹوریہ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا یہ بات سب کو معلوم ہے کہ مسلمان ہندوستان میں قوی، زبردست اور صاحب نفوذ و اقتدار ہیں اور سب کے سب خلیفۂ اسلام کا احترام کرتے، اور اُن کی فرمانبرداری کو اپنا فرض جانتے ہیں۔ اُن کو جب اعلیٰحضرت خلیفۃ المسلمین کا فرمان پہنچا۔ تو اُنھوں نے اُسے سر آنکھوں پر رکھا، اُنھیں جو کچھ حکم دیا گیا تھا، اُسپر عمل کیا، اور اپنے ہتھیار رکھدیئے۔ اور اسطرح یہ بغاوت ختم ہو کر انگریزی اقتدار مضمحل ہوتے ہوتے مستحکم ہو گیا

(بقیہ صفحہ ۷۷) تاریخ تعمیر میں نہایت اہم درجہ رکھتی ہے۔ اسکی بدولت پروشیا نے آسٹریا کو جرمن علاقوں سے قطعاً نکالدیا اور شمالی ریاستہائے اتحاد جرمنی کو اپنی صدارت میں ملکر سلطنت کی بنیاد رکھدی۔ جسکی تعمیر ۱۸۷۰ء کی جنگ فرانس اور جرمنی پر مکمل ہو گئی۔

[۲] وحدت ایطالی کے لئے ۱۸۵۹ء میں پیڈمانٹ نے فرانس کی مدد سے آسٹریا کے ساتھ جنگ کی جو ۱۸۶۰ء کے عہدنامہ کی رو سے آسٹریا کے پاس صرف شرقی لومبارڈی اور وینیشیا کے علاقے رہ گئے۔ اسی سال گیریبالڈی نے نیپلز اور سسلی کو بوربون کی فرمانروائی سے آزاد کرایا اور اسطرح جنگ کریمیا کے ۵ سال بعد ۱۷ مارچ ۱۸۶۱ء کو وکٹر امانویل نے پادشاہ اٹلی کا لقب اختیار کیا ۱۸۶۶ء کی جنگ پروشیا و آسٹریا میں اٹلی کی اس نئی حکومت نے پروشیا کا ساتھ دیا اور اس طرح آسٹریا کو قطعی طور پر اطالین علاقوں سے نکالکر "اٹلی صرف اطالیوں کے لئے" کا مقصد تکمیل کے ساتھ حاصل کر لیا۔

یہ سنکر قدرتاً انسان کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس احسان کا شکریہ حکومت انگلستان نے کس صورت سے ادا کیا؟ ہاں اُس نے ادا کیا اور ایسا بہتر شکریہ ادا کیا جو اسکی شرافت وعزت کے عین مطابق تھا۔ اُسنے غدر ہند کے ایک دو سال بعد ہی ۱۸۵۸ء میں اپنا ایک جنگی جہاز بھیجکر کامل دو گھنٹہ تک جدہ پر گولہ باری کی سینکڑوں جانیں ضائع ہوئیں اور آباد گھر برباد کئے گئے۔ بہانہ یہ تھا کہ بعض مسلمانوں نے چند عیسائیوں پر زیادتی کی تھی اور اس فتنہ میں فرینچ کونصل زخمی ہوا تھا اور اس کی بی بی قتل کر دی گئی تھی۔ حکومت انگلستان کے لئے اس معاملہ میں مداخلت کی نہ کوئی وجہ تھی اور نہ ہو سکتی تھی کیونکہ دولت علیہ نے خود اپنی طرف سے ایک کمشنر فتنہ کی تحقیقات کرنے اور فتنہ پردازوں کو سزا دینے کے لئے بھیجدیا تھا۔

فرانس کو بھی ٹرکی میں ایسا ہی نفوذ حاصل ہو گیا، اور اس نے اس نفوذ کو مشرق میں اپنا اقتدار بڑھانے کے لئے استعمال کرنا شروع کیا۔ چنانچہ اُس نے ۱۸۶۰ء میں اپنا ایک لشکر شام کی طرف بھیجدیا اور باوجودیکہ دروزیوں اور مارونیوں کے فتنہ کو فرو کرنے اور امن وسکون بحال کرنے کیلئے دولت علیہ کی فوجیں بہت کافی تھیں، مگر اُس نے خواہ مخواہ اپنی فوجیں مدد کے بہانے سے بھیجدیں۔ یہ فوجیں ۵ جون ۱۸۶۱ء تک برابر شام میں مقیم رہیں۔

یہ تھے وہ عظیم الشان نتائج جو جنگ کریمیا نے پیدا کئے۔ اس بحث سے قارئین کرام کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ کس سلطنت نے جنگ میں کتنا حصہ لیا، دولت علیہ سے ہر سلطنت کی کیا پالیسی تھی اور ان میں سے ہر ایک کے اصل اغراض ومقاصد کیا تھے؟

چوتھا فتنہ

ٹرکی و روس کی جنگ اور اُسکے حوادث ماقبل ومابعد

۱۸۷۵ء سے ۱۸۸۱ء تک

ہم گذشتہ فصل کے خاتمہ میں بتلا چکے ہیں کہ جنگ کریمیا کے نتائج آسٹریا کیلئے سخت منحوس تھے، کیونکہ اس نے حرب مذکور کے بعد اٹلی کے علاقے کھو دیئے۔ ۱۸۶۶ء کی جنگ میں پروشیا نے اُس سے دو نہایت اہم علاقے چھین لئے، اور ہنگری نے اندرونی آزادی حاصل کر لی یعنی اُس پر سے آسٹریا کا عمل دخل اُٹھ گیا، پس اس سلطنت کو یہ طمع دامنگیر ہوئی کہ دولت علیہ کا کوئی علاقہ لے کر اپنے نقصانات کی کچھ تلافی کر لے۔ اس خیال سے اُس نے جرمنی کیساتھ (جو اسکا دشمن جان تھا اور جس نے اُسکو اور فرانس کو شکست دیکر اپنی متحدہ سلطنت قائم کی تھی) ربط ضبط بڑھانا شروع کیا اور بجائے اسکے کہ اس سے بدلہ لینے اور ان علاقوں کو واپس لینے کی کوشش کرتا جو اُسنے چھین لئے تھے، اُس کا دوست بنگیا اسی طرح اُس نے روس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور اُسے اپنی جانب مائل کر کے ٹرکی کے خلاف جنگ پر بھڑکانے لگا۔

پچھلے بحث میں ہم یہ بھی ظاہر کر چکے ہیں کہ پروشیا اور روس کے سیاسی تعلقات بہت مستحکم اور

دوستانہ ہوگئے تھے۔ جنگ کریمیا میں پروشیا کی روس کے ساتھ مساعدت نے روس کو اسبات پر مجبور کیا کہ وہ پروشیا کو آسٹریا سے لڑا کر اُسے زیر کرنے، فرانس سے لڑا کر اُسے شکست دینے، دونوں سلطنتوں سے بڑے بڑے علاقے فتح کر لینے، اور اس طرح وحدت المانی کو تکمیل کر لینے کے لئے آزاد چھوڑ دے روس نے بغیر کسی مزاحمت کے شاہ پروشیا کو شہنشاہ جرمنی بن جانے دیا، بلکہ اُس کی کارروائیوں میں کوئی مزاحمت کرنے کی بجائے جانبداری سے کام لیا، اور آسٹریا و فرانس کے خلاف جنھوں نے جنگ کریمیا میں اس کی (یعنی روس کی) مخالفت کی تھی، پروشیا کی کامیابی پر مسرت ظاہر کی۔

اس بنا پر قارئین کرام دیکھینگے کہ روس، آسٹریا اور جرمنی ۱۸۷۰ء کو جنگ پروشیا و فرانس کے بعد باہم متحد ہوگئے اور ان تینوں بادشاہوں نے ایک متحد پالیسی اختیار کی۔ روس نے اس اتحاد سے فائدہ اٹھا کر اس شرط کو بدلنے کی کوشش کی جس پر تمام دول یورپ نے ۱۸۵۶ء کی پیرس کانفرنس میں بحر اسود کی روسی قوت کے متعلق اتفاق کیا تھا، اور دول کو دعوت دی کہ ایک کانفرنس منعقد کر کے اسپر غور کریں دول نے اس دعوت کو منظور کیا اور اُن کے نمائندے ۱۳ مارچ ۱۸۷۱ء کو برطانی پایہ تخت (لندن) میں جمع ہوئے۔ اور اس شرط میں ترمیم کر کے سب نے بالاتفاق روس کو بحر اسود میں جہازرانی کا حق دیدیا (فرانس نے اس کانفرنس میں شرکت نہیں کی کیونکہ وہ پروشیا سے صلح کرنے میں مشغول تھا)۔

جب روس کو تحقیق ہوگیا کہ جرمنی اور آسٹریا اس کی مساعدت پر مستعد ہیں، اٹلی ایک نوخیز قوت ہے جس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، فرانس شکست کھانے کے بعد ضعیف ہوگیا ہے اور اس کی آواز پست ہو گئی ہے، اور اب انگلستان کے سوا دول یورپ میں کوئی نہیں رہا جو اس کی مزاحمت کر سکے، تو اس نے یہ سمجھ کر کہ اول تو تنہا انگلستان اسکے لئے کچھ مضر نہیں ہو سکتا، دوسرے اس سے ٹرکی کو کوئی نفع حاصل نہیں ہو سکتا (کیونکہ اس کی سیاست تمام معاملات میں یہ ہے کہ دوسرے سے ہر قسم کا نفع حاصل کرے اور خود اُسے کوئی نفع نہ پہنچائے)، بلقانی اقوام میں ہیجان و اضطراب پیدا کرنے کی کوشش شروع کی اور تمام بلقانی علاقوں میں اپنے ایجنٹ بھیجدیئے جو عام بغاوت کی تخم ریزی کرنے لگے، اور بلقانیوں میں مشہور کیا کہ آرتھوڈوکس مذہب کی حمایت میں دولت علیہ کے خلاف بغاوت کر کے گناہوں کا کفارہ دیا جا سکتا ہے نیز اُنھوں نے زار کے ماتحت تمام سلافی اقوام کی وحدت کا علم اٹھایا۔ اسی طرح آسٹریا کی عین مصلحت تھی کہ بوسینیا (Bosnia) اور ہرزی گوونیا (Herzigovina) میں باغیانہ جذبات پھیلائے جائیں کیونکہ اُسے انکو دولت علیہ سے نکالکر اپنی حکومت میں لانے کی توقع تھی پس اُس نے بھی روسی ایجنٹوں کی مدد کی اور ان علاقوں میں یہاں تک تبلیغ کی گئی کہ آخر کار بوسینیا و ہرزی گوونیا کے تمام عیسائی یکبارگی آمادۂ بغاوت ہوگئے۔ سریا، مانٹی نیگرو سے عیسائیوں کی جماعت جوق در جوق ان کی مدد کو پہنچنے لگے اور آسٹریا سے اسلحہ و ذخائر حرب خفیہ خفیہ انھیں پہنچائے جانے لگے۔

دولت علیہ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اس نے مشہور سپہ سالار اور نامور ہیرو غازی مختار پاشا کو ایک لشکر جرار کے ساتھ بوسینیا و ہرزی گوونیا کی طرف بھیجا جنھوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں باغیوں کی سرکوبی کر کے بغاوت فرو کر دی۔ مگر روس، آسٹریا اور جرمنی کی حکومتیں جو دولت علیہ میں عذر و اضطراب کو جاری رکھنا چاہتی تھیں، باغیوں اور باب عالی کے درمیان بچاؤ کرانے کے لئے پہنچ گئیں۔ اور دولت علیہ سے درخواست کی کہ ٹیکس کم کر دینے اور اہالی بوسینیا و ہرزی گوونیا ہی میں سے پولیس بھرتی کرنے کے متعلق

باغیوں کے مطالبات قبول کرے۔ مرحوم سلطان عبدالعزیز خاں نے وعدہ فرمالیا کہ ان مطالبات پر غور فرماکر ان لوگوں کو باوجود ان کے اختلاف مذہبی کے وہ سب کچھ عطا کردینگے جو وہ طلب کرتے ہیں بشرطیکہ اس سے سلطنت کے مصالح کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ چنانچہ ۱۲ر دسمبر ۱۸۷۵ء کو سلطان نے ایک فرمان صادر کرکے اہالی بوسنیا وہرزیگووینا کے مطالبات منظور کرنے اور اس طرح اپنے غیر مسلم رعایا کے ساتھ اپنے غیر متعصبانہ سلوک کو پھر ظاہر کردیا۔ اگر دول درحقیقت عیسائیوں کے خیرخواہ ہوتے اور ان کے دلوں میں دولت علیہ کو ضرر پہنچانے اور اسے ضعیف کرنے کا خیال نہ ہوتا، تو وہ ضرور اس فرمان سلطانی پر قناعت کرلیتے اور باغیوں کو جنہیں خود انہی نے دولت علیہ کے خلاف بھڑکایا تھا۔ امن وسکون اور حکومت عثمانیہ کی اطاعت کا حکم دیکر اس فرمان کے نفاذ میں سہولت بہم پہنچاتے۔ مگر برخلاف اسکے انہوں نے فتنہ وفساد کی اشاعت میں سعی کی اور باغیوں کو مشورہ دیا کہ ہتھیار نہ رکھیں بلکہ جنگ کے لئے تیار رہیں۔

۳۰ر جنوری ۱۸۷۶ء کو تمام دول نے جنہیں فرانس واٹلی بھی تھے، باب عالی کو ایک متفقہ نوٹ بھیجا جس میں اس سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ اہالی بوسنیا وہرزیگووینا کو کامل مذہبی آزادی دیدیجائے، تمام مذاہب میں مساوات قائم کیجائے، ہلکے کردیئے جائیں، پولیس فورس مقامی ہو اور سلطان کے ۱۲ر دسمبر ۱۸۷۵ء والے فرمان کی تنفیذ پر نگرانی کرنے کے لئے ایک فوج ترتیب دیجائے جو نصف عیسائیوں اور نصف مسلمانوں سے مرکب ہو۔

اس یادداشت کی تحریر میں سب سے زیادہ جس شخص کا حصہ تھا وہ آسٹریا کا وزیر اعظم کونٹ انڈراسی (Count Andraaoy) تھا، اور اسی کے نام سے یہ تحریر مشہور بھی ہے۔ اس ہنگرین شخص نے دولت علیہ کے ساتھ اپنی معاندانہ پالیسی سے تمام ہنگرین قوم کو برانگیختہ کردیا، کیونکہ یہ قوم دولت علیہ کے احسانات کا دل سے اعتراف کرتی اور اس سے خاص تعلق رکھتی ہے۔ دولت علیہ نے اس نوٹ کے مطالب کو بھی قبول کرلیا۔ اور ۱۱ر فروری ۱۸۷۶ء کو دول کے نام اپنے جواب میں اس منظوری کی تصریح کردی۔

اس نے جب یہ دیکھا کہ دولت علیہ نے بغاوت بھی فرو کردی باغیوں کے مطالبات کو بھی مسترد نہ کیا دول کی تجاویز بھی منظور کرلیں، تو ایسی حالت میں ناممکن ہے مغابرات کے ذریعہ مشکلات پیدا کرنے اور یورپ کی رائے .. کو ٹرکی کے خلاف بھڑکاکر جنگ کے موقع حاصل کرنے کی کوئی صورت نکل سکے پس اس نے اپنی تمام تر توجہ اس کوشش میں صرف کردی کہ تمام بلاد بلقان میں بغاوت عام ہوجائے، یہاں تک کہ ایک طرف اندرونی بغاوتوں اور بدنظمیوں سے دولت علیہ کمزور ہوجائے اور دوسری طرف عیسائیوں کے ساتھ ترکوں کی بدمعاملگی کے جھوٹے واقعات یورپ میں شائع کرکے دولت علیہ اور مسلمانوں کے خلاف یورپ کی رائے عامہ کو بھڑکادیا جائے۔ ۲۸ر فروری ۱۸۷۶ء کو عین اس وقت جبکہ دولت علیہ نے تمام مطالبات قبول کرلئے تھے بوسنیا وہرزیگووینا کے باغی کو سپرود میں جمع ہوئے اور انہوں نے روس کے اشارہ سے فیصلہ کیا کہ بغاوت بدستور جاری رہے اور دولت علیہ کی اطاعت نہ کیجائے۔

روس نے سرویا کے لوگوں کو بھی دولت علیہ کے خلاف بھڑکادیا۔ اور وہاں کے عام باشندوں نے ترکوں کے خلاف محاربہ ومظاہرہ کرکے اپنی حکومت سے مطالبہ کیا کہ ٹرکی سے جنگ کرے۔ حکومت سرویا نے اس معاملہ میں مانٹی نیگرو سے گفت وشنید کی اور دونوں نے متفق ہوکر سرگرم تیاریاں شروع کردیں

اس طرح تمام بلاد بلقان دولت علیہ کے خلاف کھڑے ہوگئے اور روس کی عنایت سے طوائف الملوکی ان علاقوں میں انتہا کو پہنچ گئی مجرموں نے بیگناہوں پر ظلم و تعدی کی حد کردی، باغیوں کے نزدیک مسلمانوں کو لوٹنا اور قتل کرنا ایک شان افتخار تھی کہ باہم اس کام میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتے تھے۔ سب سے زیادہ قابل تعریف کام یہ تھا، کہ سب سے زیادہ لوٹ مار کیجائے۔ انھوں نے ہنستے ہنستے مسلمانوں کو جو مدافعت سے عاجز تھے اپنے جرائم اور بداعمالیوں کا دل کھولکر تختۂ مشق بنایا۔

ادہر تو بیچارے مسلمان عیسائیوں کے ہاتھوں بلقان میں لٹ رہے تھے، طرح طرح کی اہانتوں اور بیعزتیوں کے شکار ہورہے تھے اور ادہر ظلم و زیادتی کے مددگاروں نے یورپ میں شور مچا رکھا تھا کہ دولت علیہ ایک وحشی سلطنت ہے جو عیسائیوں کو قتل کررہی ہے، ان کی عورتوں کو بیعزت کررہی ہے، اور ان کے گھروں اور گرجاؤں کو ڈھا رہی ہے۔ یہ عثمانیوں کے دشمن بلکہ حق و صداقت کے دشمن دنیا کو اس کے بالکل برعکس دکھا رہے تھے جو درحقیقت بلاد بلقان میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان پیش آرہا تھا۔

ٹرکی کے دشمن ان تمام وسائل سے یورپ کی رائے عامہ کو اسکے خلاف بھڑکانے میں مشغول تھے۔ کہ اتفاقاً سالونیکا کے نواح میں ایک عیسائی لڑکی نے اسلام قبول کیا اور شرعی طریقہ سے اپنا اسلام ثابت کرنے کے لئے شہر پہنچی۔ عیسائیوں کو کسی طرح اس معاملہ کی اطلاع ہوگئی اور انھوں نے راستہ میں اسے پکڑ کر ایک عیسائی کے گھر میں چھپا دیا۔ مسلمانوں میں اسپر جوش پھیل گیا اور انہوں نے حاکم شہر سے مطالبہ کیا۔ کہ لڑکی کو چھڑایا جائے۔ پھر وہ لوگ ایک مسجد میں جمع ہوکر آپس میں اس معاملہ پر گفتگو کرنے لگے۔ اسی حال میں دفعتاً جرمنی و فرنسیسی قونصل وہاں پہنچے اور مسجد میں بلا تکلف داخل ہوگئے، مسلمانوں میں جوش تو تھا ہی، یہ نئی حرکت دیکھکر کہ دو عیسائی بلا تکلف مسجد میں گھسے چلے آتے ہیں بعض حاضرین نے انپر حملہ کیا اور انھیں اتنا زدوکوب کیا کہ مرگئے۔

یورپ میں جب یہ خبر پہنچی تو دولت علیہ کے دشمنوں نے اسپر ایک طوفان برپا کردیا، اور اسلام اور سلطنت اسلام پر ایسے بہتان لگائے گئے کہ یورپ میں عثمانیوں کے خلاف عام ہیجان، اور جذبۂ نفرت و عداوت بھڑک اٹھا۔ تمام دول یورپ نے اپنے جنگی جہاز بندرگاہ سالونیکا پر بھیجدیئے، باب عالی نے لاکھ سمجھایا۔ کہ قونصلوں نے مسجد میں جاکر خود غلطی کی اور اپنے ہاتھوں موت کا سامان کیا۔ مگر سب نے بجبر مطالبہ کیا۔ کہ مجرموں کو سزا دیجائے، آخر جب دولت علیہ نے دول کے اس مطالبہ کو رد کرنے کی کوئی صورت نہ دیکھی تو مجبوراً ان لوگوں کو جنپر جرم ثابت ہوسکا سزائے موت دیگئی۔ یہ حادثہ منجملہ ان بیشمار حوادث کے ہے جنہیں دشمنوں کی مکارانہ چالوں نے دولت علیہ کو نقصان پہنچانے اور اسے جنگ میں مبتلا کرنے کیلئے پیدا کیا۔ میں تو کچھ بعید نہیں سمجھتا کہ خود اس لڑکی کا اسلام بھی مصنوعی ہو اور سارا حادثہ اول سے لے کر آخر تک کسی پہلے سے سوچے ہوئے دستور العمل پر پیدا کیا گیا ہو۔ جن لوگوں نے ان فریب کاریوں کا مطالعہ کیا ہے جن سے دولت علیہ میں ارباب وسائس کام لیتے ہیں، انھیں خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ ایسے ایسے حادثات بلکہ ان سے کچھ زیادہ اہم حوادث کی تخلیق پر قادر ہیں۔

اس اثنا میں بوسنیا و ہرزگوینا کے باغیوں نے دول یورپ کے سامنے تجویز پیش کی کہ اگر حسب ذیل شرائط منظور کرلئے جائیں تو وہ بغاوت ختم کرکے اپنے ملک میں امن و سکون بحال کرسکتے ہیں کہ

اولاً۔ دولت علیہ ان اراضی کا تیسرا حصہ عیسائیوں کو دیدے جو مسلمانوں کے پاس ہیں۔

ثانیاً۔ بغاوت کے باعث جو مکانات منہدم ہوگئے ہیں اُنہیں تعمیر کردے، اُنھیں مالی مدد دے، اور زمین جوتنے کے لئے بیل دے۔

ثالثاً۔ تین سال کی مالگذاری معاف کردے۔

رابعاً۔ بلاد بوسینیا و ہرزیگونیا سے باقاعدہ ترکی فوج ہٹا لیجائے، اور صرف نکشیش (Nekaica) اسٹولاز (Stolaze) فوچہ (Folcha) ٹرینجہ (Trinja) پلیولجی (Plevlje) مروسوشار (Mostar) میں رکھی جائیں۔ اور ان شرائط کی تنفیذ کے وقت روس اور آسٹریا کی حکومتیں اپنے معائنہ دے بھیجیں۔

خامساً۔ مسلمانوں سے ہتھیار لے لئے جائیں۔

سادساً۔ دول یورپ ان شرطوں کو نافذ کرانے کی ذمہ داری لیں۔

اسکے ساتھ ہی سرویا، بلغاریا، اور مانٹی نیگرو نے جب دیکھا کہ روس، آسٹریا اور جرمنی، بوسینیا و ہرزیگونیا کے باغیوں کی ہمت افزائی و اعانت کررہے ہیں تو اُنھوں نے بھی بغاوت کی دعوت دینے والوں کو لبیک کہا اور اسلام سے صلیب کا بدلہ لینے کیلئے ترکی سے لڑنے پر مستعد ہوگئے۔ روس نے اس موقع کو دیکھ کر جنگ کے لئے جلدی کی اور ترکی پر مصیبتیں ڈالنے کے لئے آسٹریا اور جرمنی سے درخواست کی کہ وہ باب عالی کو ایک نیا تہدید نامہ بھیجنے میں اس کے ساتھ شریک ہوں دونوں سلطنتوں نے اسکو قبول کیا۔ اور روس کی طرف سے گورچیکوف، آسٹریا کی طرف سے کونٹ اندراسی اور جرمنی کی طرف سے بسمارک نے برلن میں جمع ہوکر ۱۱ مئی ۱۸۷۶ء کو متفقہ طور پر ایک میمورنڈم مرتب کیا تاکہ اُن کی سلطنتیں اسے باب عالی کو بھیجیں اس میں دول ثلاثہ نے صرف وہی مطالبات نہیں پیش کئے تھے جو تیس ۳۰ جنوری ۱۸۷۶ء والے اندراسی نوٹ میں درج تھے۔ بلکہ ان سے آگے بڑھ کر باغیان بوسینیا و ہرزیگونیا کے مطالبات جو اوپر ہم درج کرچکے ہیں اس کی بنیاد تھے۔ یہ حسب ذیل دفعات پر مشتمل تھا۔

اولاً۔ باب عالی ان تمام مکانات کو تعمیر کرے۔ جو بغاوت کے سبب سے منہدم ہوگئے ہیں۔ کسانوں کو بیل اور آلات وغیرہ" ضروریات زراعت مہیا کردے۔ اور اہالی بوسینیا و ہرزیگونیا کو تین سال کے لئے ٹیکس معاف کردے۔

ثانیاً۔ بوسینیا و ہرزیگونیا کے مسیحی اعیان و اکابر کی ایک کمیٹی مقرر کرکے اسکے ذریعہ باشندوں کو مالی مدد پہنچائے۔

ثالثاً۔ بلاد بوسینیا و ہرزیگونیا سے تمام ترکی افواج ہٹا لیجائیں اور صرف دس قلعوں پر مامور رہیں

رابعاً۔ تمام اصلاحات اور اعادۂ امن و سکون مکمل ہونے تک بوسینیا و ہرزیگونیا کے عیسائیوں کو مسلح رہنے دیا جائے۔

خامساً۔ دول کے قنصلوں کے نمائندوں کو حق دیا جائے کہ ان مطالبات کی تنفیذ پر نگرانی کریں۔

ان مطالبات کے علاوہ دول ثلاثہ نے ایک مطالبہ یہ بھی کیا تھا۔ کہ ترکی حکومت باغیوں کو دو مہینہ کی مہلت دے۔ اور آخر میں دھمکی دی گئی تھی۔ کہ اگر دو مہینہ کے اندر یہ مطالبات پورے نہیں کئے گئے۔ تو انہیں تسلیم کرانے کے لئے۔ جبر و قوت کا طریقہ اختیار کیا جائیگا۔ فرانس اور اٹلی نے بھی اس یادداشت پر دستخط کرنا قبول کیا۔ مگر انگلستان نے متعدد مرتبہ اس سے انکار کیا۔

کوئی شک نہیں کہ جب ایک شخص ان شرطوں کو دیکھیگا تو دولت علیہ کے ساتھ دول یورپ کے اس بدترین اور قبیح ترین معاملہ پر حیرت زدہ اور متعجب ہوکر رہجائیگا اور اپنے دل میں سوچیگا کہ اگر ایسی شرطیں دنیا کی کسی ذلیل سی ذلیل اور حقیر سے حقیر ریاست کے سامنے بھی پیش کیجائیں تو خواہ اُسے انکار کے بدلہ میں تباہی و بربادی کے سوا کچھ اور نہ دیکھنا پڑے، اگر وہ یقیناً انھیں مسترد کردیگی۔ کیونکہ جو موت عزت کے ساتھ ہو وہ ذلت کی زندگی سے بدرجہا بہتر ہے۔ اسلئے دولت علیہ کے لئے ناممکن تھا کہ ایک لمحہ کیلئے بھی ایسی شرطوں کو قبول کرے دول کا یہ مطالبہ کہ ترکی فوجیں، بالخصوص قلعوں کے سوا بلاد بوسینیا وہرزیگونیا میں کہیں نہ رہیں اور ان صوبوں کے عیسائی مسلح رہیں، دوسرے معنی میں باغیوں کی حکومت تسلیم کرنے کے ہم معنی تھا، اور ان کا یہ مطالبہ کہ حکومت عثمانیہ عیسائی باشندوں کو مالی مدد پہنچائے، اور شکستہ مکانات تعمیر کرے، اگر حکومت عثمانیہ کے بجٹ میں اسکو پورا کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں تھی پھر ان کی یہ دہمکی کہ اگر یہ مطالبات پورے نہ کئے گئے تو جبر قوت کے طریقے اختیار کئے جائینگے، دراصل تمام بلقانی اقوام کو دولت علیہ کے خلاف بغاوت برپا کرنے کی تحریص تھی۔

دولت عثمانیہ کی بدقسمتی سے عین اس پرخطر اور پراضطراب زمانہ میں مرحوم سلطان عبدالعزیز خان تخت سے اُتار دیئے گئے اور ان کی جگہ سلطان مراد خامس بٹھلائے گئے جنہوں نے صرف ۵ مہینہ حکومت کی۔

یہ امر بدیہی ہے کہ روس اسطرح اندرونی بغاوتوں اور شورشوں سے ٹرکی کو ضعیف کرنا چاہتا تھا تاکہ اقوام بلقان سے لڑتے لڑتے اس کی قوت وہمت بہت کچھ صرف ہوجائے اور اس کے (یعنی روس کے) مقابلہ میں جنگ کرنے کے لئے وہ اپنی پوری قوت نہ لاسکے۔ یہ ایسی سیاست ہے، کہ کوئی ایماندار مورخ اس کو شریفانہ سیاست نہیں کہہ سکتا، کیونکہ روس کو اگر لڑنا تھا تو میدان میں لڑنا چاہئے تھا، نہ کہ بوسینیا، ہرزگونیا، سرویا، مانٹی نیگرو اور بلغاریہ کے پردہ میں۔

بوسینیا اور ہرزیگونیا کا تو اوپر کچھ ذکر آچکا۔ بلغاریوں کا بھی انہی جیسا حال تھا، انہوں نے دولت علیہ کے خلاف عام بغاوت برپا کی اور اپنا مقصد صرف مسلمانوں کو قتل کرنا قرار دیا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جیسے بدترین جرائم کا ارتکاب انہوں نے کیا اسکے بیان سے قلم عاجز ہے۔ مگر لطف یہ ہے کہ اصل میدان بغاوت میں تو بیگناہ مسلمانوں کو عیسائی باغی ہاتھ صاف کر رہے تھے اور ادہر ظلم وطغیان کے اعوان و انصار یورپ میں اسکے بالکل برعکس تصویر دکھا رہے، کہ ترک بیگناہ عیسائی باشندوں (مرد)، عورتوں اور بچوں کو قتل کر رہے ہیں۔

اسی طرح سرویا و مانٹی نیگرو بھی دولت علیہ سے لڑنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ ان دونوں ریاستوں کے رئیسوں نے متحد ہوکر کثرت کے ساتھ فوج جمع کی اور روس نے اپنے نہایت ماہر فوجی افسر جرنیل Tchernaieff کو ان کی قیادت کے لئے بھیجدیا۔ دولت علیہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ سرویا اور مانٹی نیگرو جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں تو ۹ جون ۱۸۷۶ء کو اُسنے ان دونوں رئیسوں سے اُن کی تیاریوں کا سبب دریافت کیا۔ جواب میں سرویا نے لکھا کہ یہ تیاریاں باب عالی سے اس بات کا مطالبہ کرنے کے لئے کی جارہی ہیں کہ وہ بوسینیا وہرزیگونیا سے اپنی فوجیں ہٹالے تاکہ اول الذکر پر سروین فوجیں اور آخر الذکر پر مانٹی نیگرو کی فوجیں قابض ہوجائیں۔ باب عالی نے اس بیہودہ مطالبہ کو سختی کے ساتھ رد کردیا اور اپنی فوجیں سرویا اور مانٹی نیگرو کی سرحدوں پر بھیجدیں۔ اس پر ۳۰ جون کو سرویا نے اور ۲ جولائی کو مانٹی نیگرو نے ٹرکی سے اعلان جنگ کردیا۔

روس کو خوف پیدا ہوا کہ اسکے اشارہ سے سرویا و مانٹی نیگرو کا بلاد بوسنہ و ہرسک پر قبضہ کی کوشش کرنا، کہیں آسٹریا کے لئے تکدر کا باعث نہو کیونکہ وہ خود ممالک بلقان پر اپنا اثر بڑھانا اور خصوصاً مذکورہ صوبوں پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ پس اس معاملہ کو صاف کرنے کے لئے زار اسکندر ثانی نے بذات خود بوہیمیا کے شہر ایشٹاڈ (Rischladt) میں فرانسو جوزف شہنشاہ آسٹریا سے ملاقات کی اور عرصہ تک مسائل مشرق پر گفتگو کرتا رہا۔ بہت سے مورخوں کا بیان ہے کہ اس ملاقات میں زار نے جوزف سے وعدہ کیا تھا۔ کہ اس تازہ جھگڑے کے اختتام پر وہ اُسے بوسینیا و ہرزیگونیا دلوا دیگا۔ اور اسی بنا پر سرویا و مانٹی نیگرو سے دولت علیہ کی جنگ کے دوران میں آسٹریا جانبداری پر قائم رہا۔

یورپ کے ارباب سیاست، ارباب قلم اور رجال حرب کا خیال تھا۔ کہ دولت علیہ اس جنگ میں سرویا اور مانٹی نیگرو سے شکست کھا جائیگی، مگر اُنھیں تھوڑے ہی عرصہ بعد معلوم ہو گیا کہ ترکی اب بھی ایسے مرد میدان اور جنگ و پیکار کے شیر ہیں۔ چنانچہ انھوں نے غازی عثمان پاشا اور مرحوم عبدالکریم پاشا کی قیادت میں سرویا اور مانٹی نیگرو پر نمایاں فتح حاصل کی اور دونوں کی متحدہ فوجوں کو زیتشار (Zajechar) پر ایسی زبردست شکست دی کہ یورپ کانپ اُٹھا، اور مجالس و محافل میں ماتم پڑ گیا۔

اس شکست سے حکومت سرویا نے محسوس کیا کہ خود اس کا پایہ تخت بلگریڈ خطرہ میں ہے، اسلئے ۲۸ اگست ۱۸۷۶ء کو دول سے درخواست کی کہ اس کے اور دولت علیہ کے درمیان صلح کرا دیں۔ چنانچہ دول نے دولت علیہ سے وہ شرائط دریافت کیں جنپر وہ سرویا سے صلح کر سکتی تھی۔ اسکے جواب میں دولت علیہ نے حسب ذیل شرطیں پیش کیں:-

اولاً- ۱۸۶۷ء سے قبل سرویا کی جو حالت تھی وہی اب قبول کرے۔

ثانیاً- ۱۸۶۷ء کے بعد سرویا نے جو قلعہ بنائے ہیں وہ منہدم کر دے۔

ثالثاً- ۱۸۶۷ء سے قبل جن قلعوں پر ترکی حکومت کا قبضہ تھا وہ اب پھر اسے واپس کر دے۔

رابعاً- سرویا ایک خاص مقدار میں تاوان جنگ ادا کرے ورنہ اُس سالانہ خراج میں اضافہ قبول کرے جو وہ ترکی کو دیا کرتا ہے۔

خامساً- سرویا کی فوج ۱۰ ہزار سے زیادہ نہ بڑھنے پائے۔

سادساً- سرویہ کا رئیس خود آستانہ جاکر بارگاہ سلطانی میں واجبات خضوع و تابعیت ادا کرے اور اس فرمان کو بوسہ دے جو اُسے دوبارہ رئیس مقرر کرنے کے لئے صادر کیا جائے۔

دول نے ان شرطوں کو بہت سخت اور سرویہ کیلئے حد درجہ ضرر رساں قرار دیا، حالانکہ اگر قارئین کرام اس موقع پر ان شرطوں کو یاد کریں جو بوسینیا و ہرزیگونیا کے متعلق آسٹریا، روس، اور جرمنی نے برلن میں مرتب کر کے باب عالی کے سامنے پیش کیں تھیں، تو وہ سرویا کے لئے، باب عالی کی ان شرطوں کو دول کی شرطوں سے بدرجہا زیادہ نرم پائینگے، جو ایسی حالت میں کہ دولت علیہ نے سرویا پر ایک نمایاں فتح حاصل کی تھی، بالکل جائز اور معقول تھیں، دول نے باب عالی کی شرطوں کو نامنظور کر کے انگلستان سے جو ترکی کی دوستی کا مدعی تھا مگر در اصل دوستی کے پردہ میں ترکی کی مدبرین کو یہ جانتے ہوئے بھی کہ دول یورپ سب کے سب ترکی کے خلاف متحد ہو گئی ہیں، دول کے خلاف بھڑکا رہا تھا درخواست کی کہ باب عالی کے سامنے دوسری شرطیں پیش کرے۔

اسی اثنا میں جلالت مآب سلطان المعظم وخلیفۂ اکبر غازی عبد الحمید خاں مملکت عثمانیہ کے تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ یہ وہ وقت تھا جب مصائب ومشکلات نے ہر طرف سے سلطنت کو گھیر رکھا تھا، سلطنت کے دشمن ہر طرف اپنے جال بچھائے ہوئے تھے اور تمام دول یورپ اس ایک سلطنت کے خلاف متحد ہوگئی تھیں۔ اس حالت میں سلطان المعظم نے عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لے کر اپنی ساری کوششیں مصائب وخطرات کو دفع کرنے اور امور سلطنت کے تنظیم واصلاح میں صرف کر دی۔ لارڈ بیکنسفیلڈ (Lord Beacon) وزیر اعظم برطانیہ نے دولت علیہ کے سامنے تجویز پیش کی کہ ۶ ہفتہ کیلئے عارضی صلح کر لی جائے جس میں شرائط صلح طے کیے جائیں۔ سرویا کو اس حالت پر باقی رکھا جائے جو جنگ سے پہلے تھی، اور بوسینیا وہرزیگونیا کو اندرونی آزادی دیجائے دولت علیہ نے ان شرائط کو بھی نامنظور کیا، اور ادھر زار کے بھڑکانے سے پھر سرویا نے دوبارہ جنگ جاری کر دی خود زار نے بھی تیاری شروع کی اور یکم اکتوبر ۱۸۷۶ء کو فرانسو جوزف شہنشاہ آسٹریا سے ایک خفیہ خط میں درخواست کی کہ وہ بھی اسکے ساتھ تمام ممالک بلقان پر قبضہ کرنے کی تجویز میں شریک ہو جائے مگر جوزف نے ایسے خطرناک عمل کے نتائج سے ڈر کر درخواست کو قبول نہ کیا۔

۵ اکتوبر کو انگلستان نے پھر دولت علیہ سے درخواست کی کہ ۶ ہفتہ کے لئے عارضی صلح کر کے شرائط صلح طے کرنے کے لئے گفت وشنید شروع کرے، مگر باب عالی نے جواب دیا کہ عارضی صلح چھ مہینہ کے لئے ہونی چاہیئے تاکہ فوجیں ذرا آرام لے لیں اور بوسینیا وہرزیگونیا کے باغیوں اور سرویا ومانٹی نیگرو کو اسلحہ وسامان رسد پہنچنا بند کیا جا سکے۔ دول نے اس مناسب تجویز کو رد کر دیا اور ۳۰ اکتوبر سنہ کو روس نے جنرل اگناٹیف ر) کے ہاتھ باب عالی کو حسب ذیل الٹی میٹم بھیجا:-

اولاً۔ ۶ ہفتہ کے لئے غیر مشروط عارضی صلح قبول کیجائے۔

ثانیاً۔ بوسینیا وہرزیگونیا اور بلغاریا کو اندرونی آزادی دیجائے۔

ثالثاً۔ ان صوبوں کے حقوق کی ضمانت دول یورپ کو دیجائے۔

اگناٹیف کے آستانہ پہنچنے پر کچھ زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ مظفر ومنصور عثمانی فوجوں کے سامنے سرویا کو پے در پے شکستوں کی خبریں پہنچنے لگیں، ترکی فوجوں نے ڈیلگریڈ (Delegrad) اور الکسیناٹز (Alexinatz) پر فیصلہ کن ہزیمتیں دیکر بلگریڈ کے سامنے خیمے ڈالدیئے تھے اور اس کا بھی انکے ہاتھوں مفتوح ہو جانا یقینی تھا۔ اس حال کو دیکھ کر اگناٹیف نے اپنا الٹی میٹم باب عالی کے سامنے پیش کر دیا اور ۲ نومبر ۱۸۷۶ء کو دولت علیہ نے عارضی صلح قبول کر لی۔

انگلستان نے جب دیکھا کہ روس نے جنرل اگناٹیف کے ذریعہ باب عالی کو دھمکی دی ہے، تو اس نے ٹرکی سے دوستی ومساعدت کا اظہار شروع کیا تاکہ وقت پر اس اظہار سے فائدہ اٹھائے، اور اپنے بیڑے کو شرق میں جا کر درۂ دانیال کے دروازہ پر بیزیکا میں ٹھہرنیکا حکم دیا۔ اس موقع پر دول نے طے کیا کہ دولت علیہ کے ساتھ گفتگو کرنے کے لئے آستانہ میں کانفرنس منعقد ہو۔

اوائل دسمبر ۱۸۷۶ء میں نمائندگان دول آستانہ میں جمع ہوئے، اور سب سے پہلے انھوں نے طے کیا کہ ٹرکی کو اپنے مداولات ومناقشات میں شریک نہ کریں بلکہ خود بحث وتمحیص کے بعد متفقہ طور پر اپنی آخری تجاویز ٹرکی کے سامنے رد یا قبول کرنے کے لئے پیش کر دیں۔ یہ پہلی بین الدول کانفرنس تھی جس نے ایک

سلطنت کے پایہ تخت میں جمع ہو کر خود اسی سلطنت کو شریک نہیں کیا۔ ۲۳ دسمبر کو دول کے نمائندے ایک آخری فیصلہ پر متفق ہو گئے اور ۲۴ کو وہ باب عالی کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ فیصلہ یہ تھا۔ کہ دولت علیہ ریاستہائے سرویا و مانٹی نیگرو کو تھوڑا تھوڑا علاقہ واگذاشت کر دے (گویا کہ وہ غالب تھیں اور ٹرکی مغلوب) بوسینیا و ہرزیگونیاں کو اندرونی آزادی دیجائے، ان صوبوں کا گورنر دول کی رضامندی سے ہر پانچسال کے لئے مقرر کیا جایا کرے، پولیس فورس عیسائیوں میں سے بھرتی ہو۔ کہ سرکاری زبان وہی ہو جو بوسینیا کی دیسی زبان ہے، اور ان دونوں صوبوں کی نصف آمدنی بالکل انہیں کے لئے مخصوص ہو۔ شمالی بلقان کے بلغاری علاقے بھی بوسینیا و ہرزیگونیا کی طرح اندرونی حیثیت سے آزاد کر دیئے جائیں، ایک بین الدولے کمیشن مقرر کیا جائے جو ان قراردادوں کی تنقید پر نگرانی کرے، اور زمانہ تنقید میں مذکورہ بالا علاقوں سے ترکی فوج ہٹا کر ان کی بجائے بلجین فوج مامور کیجائے۔

اس قرارداد کو پیش کر کے درحقیقت دول نے اعلان کر دیا۔ کہ وہ سب کے سب ٹرکی سے سخت تعصب رکھتے ہیں۔ اور اسکو نقصان پہنچانے کے لئے متحد ہو گئی ہیں اُنھیں اچھی طرح معلوم تھا۔ کہ ٹرکی ایسے مطالبات کو بالکل مسترد کر دینے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا کیونکہ اُن میں اُس کی حق تلفی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ پھر وہ یہ بھی خوب جانتے تھے۔ کہ بوسینیا و ہرزیگونیا کے باغیوں کو پوری طرح شکست دینے اور سرویا و مانٹی نگرو کو نہایت ذلیل ہزیمت دینے کے بعد ٹرکی کے لئے ناممکن ہے کہ وہ فاتح ہو کر مفتوحانہ شرطوں کو قبول کر لے۔ مگر اُن کا مقصد صرف یہی تھا۔ کہ وہ اُنھیں رد کر دے۔ اور اُس کے خلاف کارروائی کرنے کا بہانہ ہاتھ آئے۔

صرف ایک انگلستان تھا جس نے اس کانفرنس میں دولت علیہ کے ساتھ دوستی کا اظہار کیا، مگر اس نے اس ظاہری دوستی سے دولت علیہ کو اوروں کے مقابلہ میں کچھ زیادہ نقصان پہنچایا۔ دولت علیہ انگریزی مدبرین کے دھوکہ میں آگئی۔ اور اُس نے ان کے ظاہری میلان کو دیکھ کر خیال کیا۔ کہ اُس سے لڑائی کے موقع پر وہ اُسکی مدد کرینگے۔ مگر جب جنگ کا وقت آیا تو اُسے معلوم ہوا۔ کہ انگلستان نے یہ دوستی صرف بھڑ کانے اور یورپ کے خلاف عمل کرانے کے لئے ظاہر کی تھی۔ اور یہ سمجھتے ہوئے کی تھی۔ کہ تمام دول یورپ اُسکے خلاف متحد ہو گئے ہیں۔ اسی طرح انگلستان نے برلن کانگریس کے موقع پر بھی ٹرکی سے قرض لے لیا۔ اور پھر اُس کی کوئی مدد نہ کی۔ جیسا کہ قارئین کرام کو آئندہ معلوم ہوگا۔

فرانس کے نمائندوں نے جب دیکھا۔ کہ دولت علیہ بہرصورت ۲۴ دسمبر والی قرارداد کو مسترد کرنے پر تلی ہوئی ہے، تو اُنھوں نے کانفرنس سے درخواست کی کہ اپنے مطالبات میں کچھ اعتدال پیدا کریں۔ یہ درخواست قبول کی گئی اور باب عالی کو مطلع کیا گیا کہ وہ (یعنی دول کے نمائندے) سرویا و مانٹی نیگرو کے حق میں کچھ اراضی سے دست بردار ہونے کے مسئلہ کو بعد کے مخابرات پر چھوڑ دیتے ہیں، بوسینیا و ہرزیگونیا کے گورنر کے تعین میں پہلے تقرر کے سوا آئندہ مواقع پر دول سے مشورہ لینے کی قید بھی اُٹھا دیتے ہیں، بلغاریاں کو دو حصوں پر تقسیم کر کے ایک حصہ کو اندرونی آزادی دینے کے مطالبہ سے بھی دست بردار ہوتے ہیں، بوسینیا و ہرزیگونیا کی پولیس کے متعلق بھی وہ یہ شرط اُٹھا دیتے ہیں کہ وہ صرف عیسائی ہو بلکہ عیسائی و مسلمان دونوں کو قبول کرتے ہیں، اسی طرح ہر دو صوبہ ہائے مذکورہ کی سرکاری زبان سلافی کے ساتھ ترکی بھی تسلیم کرتے ہیں، اور باب عالی کو بقیہ مطالبات کی تنقید کیلئے ۳ مہینہ کی مہلت دیتے ہیں۔

اس ترمیم و تعدیل کے بعد انگلستان کے نمائندوں نے بھی دیگر دول کے ساتھ اس قرارداد پر دستخط کردئے مگر وہ برابر خفیہ خفیہ ترکی مدبرین کی یہی نصیحت کرتے رہے کہ ان مطالبات کو مسترد کردے۔

سلطان المعظم نے عثمانی قوم کو یہ بتلانے کے لئے کہ وہ ٹرکی کے مصالحہ کو جان بوجھ کر خطرات میں مبتلا نہیں کررہے ہیں، اور اہم معاملات میں کبرائے امت کے مشورہ سے فیصلہ کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں، ایک مجلس عالیہ قائم کی جس میں ۱۸۰ رؤسا و اکابر ملت اور ہر قوم کے بزرگ جمع کئے اور ان کے سامنے دول کے مطالبات پیش کرکے ان سے رائے طلب کی۔ ان سب نے بحث و تمحیص کے بعد بالاجماع سے مطالبات کو رد کردیا۔ اور جلالت مآب کو مشورہ دیا کہ انھیں قبول کرنے سے بالکل انکار کردیں، چنانچہ جلالت مآب نے بزرگان قوم اور اپنی رعایا کے تمام فرقوں اور مذاہب کے نمائندوں کی رائے پر عمل کرکے ملک و ملت کے شرف کی حفاظت کرتے ہوئے ان مطالبات کو رد کردیا۔ ۲۰ جنوری ۱۸۷۷ء کو صفوت پاشا نے دول کے نمائندوں کو سرکاری طور پر مطلع کردیا کہ دولت علیہ ان کے مطالبات کو مسترد کرتی ہے کیونکہ وہ اسکے مصالح جوہریہ[1] کو نقصان پہنچانے والے ہیں۔ اسیروں کے نمائندوں کا اجتماع منتشر ہوگیا اور انہوں نے اپنے غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہوئے آستانہ چھوڑدیا۔ اور دولت علیہ سے علائق سیاسیہ منقطع کرلئے۔

۳۱ جنوری سنہ مذکور کو موسیو گورچیکوف روسی وزیر اعظم نے دول یورپ سے وہ طریقے دریافت کئے جنھیں اپنے مطالبات کو جبراً تسلیم کرانے کے لئے وہ اختیار کرنا چاہتے تھے، اور ساتھ ہی انھیں مطلع کیا کہ تنہا روس دولت علیہ کے خلاف کارروائی کرنے پر مستعد ہے۔ اسوقت فرانسو جوزف شہنشاہ آسٹریا نے زار سے معاملہ طے کرلیا۔ کہ وہ اثناء حرب میں غیر جانبداری پر قائم رہیگا اور اس کے مقابلہ میں زار نے اس کی حسب ذیل شرطیں قبول کرلیں :-

اولاً- دول یورپ میں کسی ایک کا یہ دعوے تسلیم کیا جائے کہ تنہا اسی کو ٹرکی کے عیسائیوں کی حمایت کا حق ہے۔ اور دول یورپ کو جمیعاً یہ حق ہوگا۔ کہ جنگ ختم ہونے پر ٹرکی اور روس کے معاملہ میں قول فیصل پیش کریں۔

ثانیاً- روس دریائے ڈینوب کے داہنی جانب کسی علاقہ پر قبضہ نہیں کریگا، رومانیہ کے استقلال کا احترام کریگا اور آستانہ کو کوئی گزند نہ پہنچائیگا[2]۔

ثالثاً- اگر روس کوئی نئی سلافی ریاست قائم کرلے تو لازم ہے کہ وہ ریاست غیر سلافی بلاد و اقوام کے مصالح کے خلاف نہو، اور روس بلغاریا پر کسی نئی حق کا دعوے نہ کرے۔ نیز لازم ہے کہ بلغاریا کا رئیس نہ کوئی روسی ہو اور نہ آسٹروی۔

رابعاً- روسی فوجیں بلاد سرویا کو عبور کریں۔

روس نے اس فتنہ کی ابتدا سے صرف آسٹریا و جرمنی ہی کی مساعدت پر قناعت نہ کی بلکہ بقیہ دول یورپ کی بھی کم از کم معنوی مساعدت متحقق کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ اسنے جنرل اگناتیف کو یورپ کے تمام دارالسلطنتوں کی طرف بھیجا، اور وہ ایک کے بعد دوسری دارالسلطنت میں پہنچتے کہ لندن بھی۔

---

[1] مصالح جوہریہ سے مراد وہ مصالح ہیں جنپر نفس حیات کا دارومدار ہے

[2] یہ کچھ اسلئے نہیں کہ آسٹریا کو قسطنطنیہ سے کوئی دوستانہ محبت تھی۔ بلکہ درحقیقت اسے روس کا قبضہ گوارا نہ تھا۔

ہر جگہ اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ اور وعدہ کیا گیا۔ کہ کسی صورت میں بھی روس سے تعرض نہ کیا جائیگا۔ لندن میں برطانی وزارت نے اسکے ساتھ اس باب میں اتفاق کیا کہ باب عالی کو ایک آخری تنبیہ نامہ بھیجنے کے لئے بین الدولی کانفرنس منعقد کرنی چاہئے۔ چنانچہ یہ کانفرنس ۸ مارچ ۱۸۷۷ء کو منعقد ہوئی اور اس نے باب عالی کو اس مضمون کا ایک پروٹوکل بھیجا کہ:۔ دولت علیہ مانٹی نیگرو سے صلح کرلے، جو اراضی وہ طلب کرے اُن سے اس کے حق میں دست بردار ہوجائے، دول نے جن اصلاحات کو نافذ کرنے کا مطالبہ کیا ہے اُنہیں قبول کرے، اور اپنی فوجی طاقت کو جسے اُسنے جنگ کے لئے جمع کیا ہے، گھٹا کر حالت امن پر لے آئے۔ آخر میں دول نے دہمکی دی کہ اگر جلد سے جلد ان مطالبات کو نہ قبول کیا گیا تو تمام دول یورپ تیار ہیں کہ متحدہ قوت سے جبراً انہیں تسلیم کرائیں۔ اس طرح گویا تمام یورپ ٹرکی کی مخالفت اور اقوام بلقان کی ہمت افزائی اور تشجیع میں روس کے ساتھ معناً شریک ہوگیا تھا اور گویا ان تمام اعمال کی ذمہ واری میں بھی حصہ دار ہوگیا تھا جو روس سے ٹرکی کے خلاف سرزد ہوئے۔

روس سے دول کے مشترک پروٹوکل پر بس نہ کرکے ایک اور الٹی میٹم باب عالی کے پاس بھیجا جو اول الذکر سے بہت زیادہ سخت اور درشت تھا۔ باب عالی نے ان دونوں کو پارلیمینٹ کے سامنے پیش کیا تاکہ اپنی رائے ظاہر کرے۔ ۹ اپریل کو اس مجلس نے دونوں تہدید ناموں کو مسترد کردیا اور ۱۱ اپریل کو باب عالی نے اعلان کردیا کہ وہ ان دونوں کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہے۔ پس اسی دن سے جنگ ٹرکی کے لئے اٹل ہوگئی۔ ایک طرف روس نے اور دوسری طرف ٹرکی نے جنگی تیاریاں شروع کردیں اور دونوں جانب سرحدوں پر اجتماع ہونے لگا۔

روس نے خیال کیا کہ وہ ٹرکی پر اسوقت تک غالب نہیں جب تک اس کی فوجیں رومانیا کے علاقہ سے نگذر جائیں۔ پس اپنے اس معاہدہ کے بالکل خلاف، جو اُسنے آسٹریا سے کیا تھا، ۱۶ اپریل ۱۸۷۷ء کو ریاست رومانیا سے ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے اس ریاست نے اپنے علاقہ سے فوجیں گذارنے کی اجازت دیدی۔ ۲۴ اپریل ۱۸۷۷ء کو روس نے باقاعدہ ٹرکی پر اعلان جنگ کردیا اور اپنے اعلان میں ظاہر کیا کہ یہ جنگ عیسائیوں کی نصرت و حمایت کے لئے ہے۔ انگلستان کو جب علم ہوا کہ جنگ اب یقینی ہے تو اس نے روس سے درخواست کی کہ اسکے (یعنی انگلستان کے) مصالح کو کوئی نقصان نہ پہنچائے گا اور اسکے مفاد کا احترام ملحوظ رکھیگا، جس کا اُسنے وعدہ کرلیا۔ یہ تھی وہ مساعدت جو انگلستان نے جنگ کیوقت دولت علیہ کے ساتھ کی۔

روس نے کریمیا کے ساتھ بحر اسود میں مدافعانہ پالیسی اختیار کی اور قفقاز اور ڈینیوب کیطرف حملہ آور ہوا۔ ایشیا میں روسی فوجوں نے جنرل لوریس ملیکوف (Loris Melikoff) کے زیر قیادت پیشقدمی شروع کی اور سخت جنگ و جدل کے بعد ۱۹ مئی کو اردھان پر قابض ہوگئیں۔ اوائل جون میں ارض روم پر چڑھائی کی گئی۔ یورپ میں اُس نے ریاست رومانیہ کو اکسا کر اُس سے اعلان کرایا کہ اب وہ ٹرکی سے کلیتاً آزاد ہے اور اُس کے بعد ۴ مئی ۱۸۷۷ء کو اُس سے ایک دفاعی و ہجومی معاہدہ کرلیا۔ جس کی رو سے رومانی فوجیں بھی اسی افواج کے ساتھ ملکر شمالی بلغاریا کو عبور کر آئیں۔ اوائل جولائی میں ان فوجوں نے شہر نیکوپولی (Nicopolis) پر قبضہ کرکے جنرل گورکو (General Gourko) کے زیر قیادت کوہ بلقان کے اُن دروں پر قبضہ کرلیا جو مشہور درہ شپکا (Shipka) کے قریب واقع ہیں

ان خبروں نے آستانہ میں ایک اضطراب پیدا کر دیا اور باب عالی فوج کی حالت درست کرنے کے لئے خاص اہتمام کرنے لگا۔ یورپ میں بھی روسی افواج کی اس پیشقدمی سے بہت اثر لیا گیا۔ دولت علیہ کی بدقسمتی ہے اس موقع پر بعض خلفانے قائد مشہور عبدالکریم پاشا کے خلاف بدظنی پھیلا دی جس کی وجہ سے انہیں معزول کر کے اُن کی جگہ محمد علی پاشا کو مقرر کیا گیا۔ جو ایک روسی الاصل شخص تھا۔ اور اسلام قبول کر کے ترکی میں داخل ہو گیا تھا۔ رولف پاشا وزیر جنگ مقرر کئے گئے؛

دولت الغازی[1] عثمان پاشا کو جب معلوم ہوا کہ روسی و رومانوی فوجیں اس حد تک بڑھ آئی ہیں۔ تو وہ اپنا لشکر لے کر پلونا (Plevna) پہنچے اور اس کو بہترین استحکامات سے مستحکم کر لیا؛

بلاد ہنگری میں ترکی فوجوں پر روسیوں کی فتوحات سے ایک عام ہیجان پیدا ہو گیا، اور ہنگری نے عام شاہراہوں پر روس کے خلاف مظاہرے کر کے اپنی حکومت پر زور دیا کہ عملاً ٹرکی کی مدد کرے۔ کیونکہ ۱۸۴۹ء کی بغاوت میں ٹرکی ذاتی مدد کی تھی۔ مگر آسٹریا جس کے ہاتھ میں ہنگری و آسٹروی افواج کی متحدہ قیادت تھی، غیر جانبداری پر قائم تھا اور پرنس بسمارک نے اُس کو یقین دلا دیا تھا کہ اس غیر جانبداری کے عیوض ترکی مقبوضات میں سے بوسینیا و ہرزیگوینا اُسکے حصہ میں آئینگے۔ اس رشوت پر آسٹریا کی حکومت نے ممالک بلقان میں روس کے بڑھتے ہوئے اثر سے آنکھیں بند کر لیں۔

غرض اس موقع پر تمام یورپ میں ہنگری کے سوا اور کوئی موقع ٹرکی کے ساتھ محبت خالص رکھنے والی نہ تھی اور بدقسمتی سے وہ بھی اس کے حق میں کوئی بھلائی کرنے سے عاجز تھی۔

یورپ کے ارباب سیاست اور رجال حرب اس خیال میں تھے کہ روس برابر ٹرکی کو شکست دیتا ہوا بڑھتا چلا جائے گا، مگر ان کی توقعات کے خلاف دفعتاً خبریں پہنچنی شروع ہوئیں کہ عثمانی فوجوں نے غازی احمد مختار پاشا کے زیر قیادت قارص پر روسیوں کو ایک زبردست شکست دی اور انہیں اس شہر کا محاصرہ اٹھا دینے پر مجبور کر دیا، پھر جولائی ۱۸۷۷ء میں روسی فوجوں نے متعدد مرتبہ پلونا پر ہجوم کیا۔ مگر بار بار غازی عثمان پاشا کے استحکامات اور ناقابل تسخیر قلعہ بندی کے سامنے سے انکو ناکام ہٹ جانا پڑا۔

دولت علیہ کی مزید بدقسمتی یہ ہے کہ اس نے غازی احمد مختار پاشا کو کوئی کمک نہ بھیجی حالانکہ روسیوں کے مقابلہ میں وہ اپنی فوج کا ایک بڑا حصہ کھو چکے تھے۔ آخر اس غفلت کا نتیجہ یہ ہوا کہ نومبر ۱۸۷۷ء میں قارص روسیوں نے فتح کر لیا۔ اور اُسکے بعد روسی جنرل ملیکوف نے ارض روم پر چڑھائی کر دی اُدھر پلونا کو روسیوں نے اپنی پوری قوت کے ساتھ گھیر لیا۔ اور اس محاصرہ میں ترکوں کی قوت و شہامت کا ایسا مشاہدہ کیا۔ کہ خود زار کو غازی عثمان پاشا کی مہارت و ذکاوت پر تعجب کا اظہار کرنا پڑا پلونا کا محاصرہ اسوقت تک جاری رہا۔ جب تک ترکوں کو رسد پہنچنی بند ہو گئی اور قلعہ کے تمام ذخائر ختم نہ ہو چکے آخر عثمان پاشا نے اپنے بھوکے پیاسے سپاہیوں کو لے کر قلعہ سے نکل جانے کا ارادہ کیا۔ اور دس دسمبر ۱۸۷۷ء کو دفعتاً قلعہ سے نکلکر اعدا کی کثرت اور ان کی شدید آتشباری کا ذرہ برابر خوف کئے بغیر ان استحکامات کا رُخ کیا۔ جو پلونا کے گرد روسیوں نے تین پے در پے خطوط کی صورت میں قائم کئے تھے پہلا اور دوسرے خط پر قبضہ کر کے قریب تھا کہ عثمانی فوجیں تیسرے خط کو بھی توڑ دیں مگر عین وقت پر غازی

[1] دولت الغازی لفظ "دولت" اصطلاحاً ہز ایکسلنسی کے ہم معنی ہے؛

عثمان پاشا زخمی ہو کر گر پڑے اور یہ سمجھ کر کہ وہ شہید ہو گئے ہیں، اُن کی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس اضطراب سے فائدہ اُٹھا کر روسی فوجیں پلونا میں گھس گئیں اور عثمانی فوج کے سرداروں نے مجبور ہو کر روسی سپہ سالار کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس محاصرہ میں روسیوں کے ۲۸۰۸۰ ہزار سے سپاہی کام آئے اور عثمانیوں کے ۱۵۳۰۰ ہزار تین سو

یورپ کے تمام رجال حرب نے پلونا کے سقوط کو عثمانیوں پر روسیوں کی فتح نہیں سمجھا، بلکہ انھوں نے روسیوں سے زیادہ عثمانیوں کی قوت و شجاعت کا اعتراف کیا، کیونکہ روسی فوج ۱۵۰۰۰۰ تھی اور عثمانی فوج اسکے ایک تہائی یعنی صرف ۵۰۰۰۰ ہزار۔ خود زار اسکندر ثانی نے غازی عثمان پاشا کے دفاع پلونا کی بیحد تعریف کی اور ان سے کہا کہ یہ دفاع اُن عظیم الشان اعمال حرب میں شمار ہو گا جن کی مثال تاریخ بشر میں مشکل سے ملسکتی ہے!

بالجملہ روس نے اس جنگ میں ٹرکی پر کوئی حربی فتح نہیں حاصل کی بلکہ اُن ریشہ دوانیوں سے فائدہ اٹھایا جن کا جال اُسنے بوسنیا و ہرزیگوینا اور بلاد بلقان میں پھیلا رکھا تھا۔ چنانچہ قارئین کرام دیکھ چکے ہیں۔ کہ اس جنگ سے پہلے دولت عثمانیہ کو بوسنیا و ہرزیگوینا کی بغاوت فرو کرنی پڑی، سرویا اور مانٹی نیگرو سے لڑنا پڑا، اور اسی طرح ان اندرونی فتنوں میں اس کی کثیر التعداد فوج اور بیشمار مال و دولت کا نقصان ہوا۔

تاہم باوجود اسکے کہ بوسنیا، ہرزیگوینا کی بغاوت، اور سرویا و مانٹی نیگرو کی جنگ نے عثمانی فوج کو ضعیف کر دیا تھا، اُس نے روس کی زبردست قوت سے پوری شہامت و شجاعت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اور مختلف مواقع پر اُسے شکست دی پھر تنہا روس ہی نہ تھا بلکہ رومانیا سے بھی اُس نے مدد لی تھی جسکی تقریباً ایک لاکھ فوج اُسکے ساتھ میدان جنگ میں آئی۔ پس اگر روس تنہا ٹرکی سے جنگ کرتا۔ اور بوسنیا و ہرزیگوینا، بلغاریا، سرویا اور مانٹی نیگرو کو استعمال نہ کرتا تو یقیناً ٹرکی کو فتح حاصل ہوتی اور روس کو نہایت ذلیل شکست اُٹھانی پڑتی۔ اسپر اگر یہ حقیقت اور اضافہ کر دیجائے کہ ٹرکی نے وُخلاء جو اغیار کے مصالح پر عمل کر کے خود اُنہی کے مصالح کو برباد کرتے تھے بہت کچھ بھروسہ کیا، اور اس جنگ میں اپنی افواج کی قیادت عام ایک روسی الاصل شخص کے ہاتھوں میں دیدی، تو یقیناً ترکوں کی اس تھوڑی سی کامیابی کا وزن بھی زیادہ ہو جاتا ہے جو انھیں اس داخلی کمزوری کے باوجود حاصل ہوئی۔ قارئین کرام کو اس کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اس جنگ کے دوران میں مانٹی نیگرو بدستور دولت علیہ کے خلاف کارروائیاں کر رہا تھا، اور سقوط پلونا کے بعد سے سرویا نے اپنی ساری فوج روسی افواج کے ساتھ شریک کر دی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دولت علیہ ہر طرف دشمنوں سے گھری ہوئی تھی، کہیں اس کا کوئی مددگار نہ تھا، اور اتنے دشمنوں کے مقابلہ میں وہ تنہا محض اپنی قوت کے سہارے جنگ کر رہی تھی۔

دولت علیہ کے دشمن اکثر دعوے کرتے ہیں کہ ترک کسی ملک کو فتح کرنے کے بعد ہر طرف اپنی فوجیں کو لوٹ مار اور قتل و غارت کے لئے پھیلا دیا کرتے ہیں، اور جب کبھی کسی علاقہ سے گذرتے ہیں تو اُسے تباہ و برباد کر کے آگے بڑھتے ہیں۔ اس کے لیئے قارئین کرام کو ذرا اُن حرکات کا حال معلوم ہونا چاہیئے جو بوسنیا اور اُن کے کارگذار بلغاریوں نے اس جنگ میں ان بیگناہ مسلمانوں کے ساتھ کی تھیں جن کے پاس مدافعت

کا کوئی سامان نہ تھا اور جو یہ سمجھ کر اپنے گھروں میں مطمئن بیٹھے تھے کہ جنگ انسانی ہے نہ کہ حیوانی و بربری۔

سر اشملڈ بارٹلیٹ نے اپنے تازہ تصنیف (مواقع نقلی) میں ان مظالم کے بہت سے واقعات درج کئے ہیں۔ ہم قارئین کرام کے سامنے ان میں سے بعض کو پیش کرتے ہیں:۔

"جنرل اسکوبلف (Scobeleff) نے جب جنوری ۱۸۷۸ء میں دریائے شبکا کو عبور کیا تو ہرسنلی کے قریب ایک چھاؤنی پر پہنچے جس میں ترکی فوجوں کی تقریباً ایک لاکھ عورتیں تھیں اس کی فوج نے ان عورتوں پر حملہ کیا اور آخر وہ اپنی جان بچانے کے لئے دریائے مارٹیزا (Moritza) کی طرف بھاگ گئیں، جہاں بھوک پیاس اور جاڑے کی شدت سے اکثر ہلاک ہوگئیں"۔

ان وحشیانہ معاملات اور بیگناہ مسلمانوں پر روسیوں اور بلغاریوں کے حیوانی مظالم کا حال لندن کے اخبار ڈیلی نیوز سے بھی معلوم ہوتا ہے جو اُس زمانہ میں روس کا بڑا حامی تھا چنانچہ اُسکے ۸ رفروری ۱۸۷۸ء کے پرچہ میں حسب ذیل خبر درج ہے:۔

ایڈریانوپل ۲۷ رجنوری ۱۸۷۸ء - میدان جنگ سے ہمارے خاص نامہ نگار کی اطلاع

"فلیپو پولیس (Philippopolis) سے ہرسنلی (Harmanly) تک ۵۰ میل کا راستہ کل تک ہزارہا خاندانوں سے آباد تھا، مگر آج ایک سنسان چٹیل میدان ہے جس میں مردہ لاشوں، مقتولوں کی ہڈیوں، اور نیم بسمل زخمیوں کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس کی پچھلی چہل پہل آج ایک بھیانک منظر سے بدل گئی ہے، اور یہ اُن ہولناک جرائم کا نتیجہ ہے جنکے تصور سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں ایک انسان خواہ کتنا ہی کوشش کرے مگر ناممکن ہے کہ وہ ان مظالم کا صحیح تصور کر سکے جو اُس سرزمین میں گذر گئے ہیں"

یہی نامہ نگار دوسری جگہ لکھتا ہے۔

"اس وقت کہ ہم فلیپو پولیس سے گذر رہے ہیں، ہم کو کسانوں کی برف سے ڈھکی ہوئی لاشیں نظر آتی ہیں اگرچہ اس افسوسناک حالت کو اُنپر دو تین ہفتہ گذر چکے ہیں، مگر بعض کے کپڑوں پر اب تک خون کے دھبے پڑے ہوئے ہیں اس سرزمین کو ہم مقتولوں کی ہڈیوں اور اُجڑی ہوئی بستیوں میں سے عبور کر رہے ہیں اور ہمارے گرد تمام میدان لاشوں اور برباد شدہ چھاؤنیوں کے اثاثے سے اس طرح پٹا پڑا ہے کہ جیسے اُسپر فرش کیا گیا ہے"

کم از کم ۳۵ میل کی مسافت ہم نے لاشوں اور ہڈیوں کو روندتے ہوئے طے کی ہے۔ اس میں ہم نے برف پر پڑی ہوئی عورتوں اور تالابوں میں گرے ہوئے بچوں اور زخموں سے چور مردوں کی لاشیں دیکھیں خون کے اثر سے برف سرخ ہوگئی تھی اور میں سمجھتا ہوں کہ اکثر عورتیں جاڑے کی شدت ہی سے ہلاک ہوئیں، کیونکہ ان کے چہروں سے زندگی کی رونق ٹپکتی تھی، گویا کہ وہ اس دُنیا کے مصائب سے بچنے اور اہل دنیا کے وحشیانہ برتاؤ سے محفوظ رہنے کے لئے خواب راحت میں پڑی سوتی تھیں۔ مردوں کے چہروں پر باوجود موت کے عظمت و شہامت کے آثار نمایاں تھے، اُن کی لاشیں اپنے خون سے بھری ہوئی تھیں۔ اور اُن کے ہاتھ اپنے سینوں پر رکھے ہوئے تھے گویا کہ وہ اپنے دشمنوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے اپنے شریف دلوں کو بچانا چاہتے تھے۔ بچے اور لڑکے بھی عورتوں کی طرح زیادہ تر برف باری اور شدت سرما کے باعث ہلاک ہوئے، ان کے چہرے بعض برف سے ڈھکے ہوئے اور بعض کھلے

ہوئے خوبصورت معلوم ہوتے تھے اور اُنپر معصومیت و بیگناہی اور طفولیت کے آثار نظر آرہے تھے جیسے کہ وہ طبعی نیند سو رہے تھے؟ اور صاف شفاف برف ان کے لئے بچھونا تھے۔ میرا خیال ہے کہ ان کی ماؤں نے جب انھیں دیکھا ہوگا کہ مرگئے اور ان کا پھر زندہ ہوجانا ناممکن ہے، تو آخر اپنے دل پر پتھر رکھ کر ان جگر کے ٹکڑوں کو پھینکدیا ہوگا؟ اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے ہوں گے جو گاؤں تک پہنچتے پہنچتے جاڑے کی شدت سے جم جاتے ہونگے۔

مجھے کبھی اپنی زندگی میں اتنی مایوسی اور افسردہ دلی محسوس نہیں ہوئی جتنی بنی نوع انسان پر ایسے ایسے مصائب ٹوٹتے ہوئے دیکھ کر اس موقع پر میں نے محسوس کی۔ میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ اپنی لڑکی کے ساتھ جو شکل سے دس برس کی ہوگی روسیوں کے ظلم و تعدی اور وحشیانہ بیرحمی کے خوف سے بھاگی جارہی تھی مگر بیچاری معصوم لڑکی برف پر ننگے پاؤں بھاگتے بھاگتے عاجز ہوگئی اور آخر اپنی ماں کی گود میں لیٹ کر اُسنے جاندیدی، غریب ماں اس ہو کے میدان میں رات بھر اسے لئے بیٹھی رہی اور جب ٹھنڈک حد برداشت سے گذر گئی تو اُسنے بھی اپنے بیٹے کے پاس آرام کیا۔

خاسکوئی (Khaskoy) کا راستہ بیشمار لاشوں سے پٹا پڑا تھا، جس گاؤں سے ہم گذرے اسے ویران پایا، جہاں مقتولوں اور مذبوحوں کے بقایا کے سوا اور کچھ نہ تھا، جس کسی بلغاری سے ہم پوچھتے کہ ان لوگوں کو کسنے قتل کیا ہے؟ تو وہ بڑے فخر و مسرت سے جواب دیتا کہ "ہمنے اور ہمارے مددگاروں نے ان کو ٹھکانے لگایا ہے"۔ خاسکوئی میں بیشمار ایسے ترکی سپاہیوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں جن کے جسم بالکل کچلے ہوئے تھے، بلغاری کسانوں نے ان مقتولوں پر بھی رحم نہ کھایا اور انھیں پتھروں سے کچلا تاکہ ان بہادر شہیدوں کی ہڈیاں تک فنا ہوجائیں

میں نے ایک ترکی خاندان سے سوال کیا کہ تم لوگ کہاں سے آتے ہو اور کہاں جاتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ "ہمیں پلونا چھوڑے ہوئے ۵ مہینہ ہوگئے ہیں، ایک دن کہیں چین سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوا، رات و دن برابر چلے جارہے ہیں، کسی قسم کی غذا میسر نہیں، راستہ میں جو کچھ پڑے گرے حیوانات ملجاتے ہیں اُن کا گوشت کھا کھا بسر کررہے ہیں"۔ یہ خاندان ایک میاں ایک بی بی، ایک شیر خوار بچے اور ایک دس سالہ لڑکے پر مشتمل تھا، یہ سب ننگے پاؤں تنگے سر تھے، زمین اُن کا بچھونا تھی، اور آسمان اُن کا اوڑھنا، پھٹے پرانے کپڑوں کے سوا ان کے پاس اپنے ستر چھپانے کو کچھ نہ تھا، اور گوشت پکانے لئے کوئی برتن تک نہ رکھتے تھے۔ خاسکوئی سے جب ہم آگے بڑھے تو اس سے زیادہ دردناک مناظر دیکھنے میں آئے۔ کہیں عورت مرد بچے ایک جگہ برف پر مقتول پڑے ملتے تھے، کہیں ضعیف مردوں کی لاشیں پڑی ہوتی تھیں جنکے پیٹ پھٹے ہوئے ہوتے تھے۔ گاؤں کے گاؤں اور بستیوں کی بستیاں اجڑی ہوئی ملتی تھیں جن کے مال و اسباب سب لُٹے اور عمارتیں گری ہوئی ہوتی تھیں۔ ان مناظر میں سب سے زیادہ حسرتناک منظر جس کے تصور سے دل بھر آتا ہے، میں نے دیکھا کہ ایک نہایت ضعیف العمر ترک زمین پر پڑا ہوا تھا، اور اسکے پہلو میں قرآن مجید اس کے خون سے تر کھلا ہوا رکھا تھا، بلغاری لٹیرے لوگوں کے اموال و اسباب لوٹ کر اپنے چھکڑوں پر لادے تھے اور بلا کسی رحم کے بلکہ اسے دردناک منظر سے کسی قسم کا ذرہ برابر اثر لئے بغیر ان چھکڑوں کو مردوں کی لاشوں پر سے لیجا رہے تھے، جنکے پہیوں سے گوشت کچلتے تھے ہڈیاں ٹوٹتی تھیں اور کھوپریاں پھٹ رہی تھیں ولئے بر حال مصیبت و قف بریں انسانیت!

جن بیگناہوں کو بلغاریوں نے قتل کیا اُن کی تعداد اندازہ سے باہر ہے۔ تقریباً ۵ ہزار آدمی ان علاقوں سے اپنے گھر چھوڑ چھوڑ کر بھاگے، مگر انھیں کہیں بھاگ کر پناہ لینے کا موقع نہ ملا اور بلغاریوں کے ہاتھوں اکثر موت کے گھاٹ اُتر گئے، بمشکل سے اُن کا ایک قلیل حصّہ بھاگ کر ٹرکی پہنچ چکا ہے۔ میرے خیال میں اگر فلیپو پولیس سے ہرمنلی کے راستہ کو "موت کا راستہ" کہا جائے تو غالباً ان کثیر التعداد ارواح بشر کے قتل کو دیکھتے ہوئے یہ خطاب کچھ نامناسب نہ ہوگا۔

ہمنے قسطنطنیہ جاتے ہوئے بہت سے ایسے ہی مناظر دیکھے۔ راستہ میں بیشمار مظلوم بھاگتے ہوئے ہمیں ملے جو دشمنوں کے خوف سے پیچھے پلٹ کر نہ دیکھتے تھے۔ اگر ان سے پوچھا جاتا کہ کہاں جاتے ہو تو شدت ضعف اور انتہائی کمزوری قویٰ کے باعث جواب نہ دے سکتے تھے، گویا کہ وہ خود نہ جانتے تھے کہ کہاں جارہے ہیں۔ اسوقت جو کچھ وہ سوچ سکتے تھے وہ صرف یہ تھا کہ اُنھیں بھاگ کر کہیں اپنی جان بچانا چاہیے۔ سخت گھبراہٹ اور بدحواسی کے عالم میں جو چیز ان کے پاس سے گر پڑتی اسکو اُٹھانے تک نہ تھے۔ اور اگر گاڑی ٹوٹ جاتی تو اُسے چھوڑ کر ویسے ہی بھاگنے لگتے تھے۔

جسوقت میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں، میرے نظروں کے سامنے کثیر التعداد چھکڑے اپنے مالکوں کو برفانی پہاڑوں پر سے اُتار لئے جارہے ہیں، اور بیشمار عورتیں ننگے سر ننگے پاؤں سخت ضعف وتعب کیحالت میں بھاگی جارہی ہیں۔ اس انسانی سیلاب میں ایک بلا کا ہنگامہ ہے، بچے رو رہے ہیں، لڑکے چیخ رہے ہیں، عورتیں آہ وبکا کر رہی ہیں، آندھیوں کے جھکڑ چل رہے، چھکڑوں کے پہئے کھڑک رہے ہیں۔ اور اس شور وغوغا نے منظر کی دردانگیزی کو اور بڑھا دیا ہے، اور یہ دیکھکر زیادہ افسوس ہوتا ہے کہ یہ بیکس مسکین مہاجر ظلم سے بھاگے جارہے ہیں، اور کوئی نہیں ہے جو انپر رحم کھائے"۔

اسطرح اسٹینڈرڈ کا نامہ نگار جسنے ڈیوک نکولس (Grand Duke Nicholas) کے ساتھ جزیرہ نمائے بلقان کے شمالی علاقہ کو دیکھا ہے، اس طرح گواہی دیتا ہے کہ:۔

"میں اپنے اندر ان عظیم الشان مظالم کے بیان کی بالکل تاب نہیں دیکھتا، جو میں نے یہاں دیکھے ہیں وحشی سے وحشی انسان بھی بھاگنے والے پناہ گزینوں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے جیسا بلغاریوں نے اپنے ہمسایہ ترکوں کے ساتھ کیا ہے۔ ان عیسائیوں نے یہ بربرانہ قساوت اور وحشیانہ بدسلوکی محض اپنے اس دلی خباثت کے تقاضا سے کی ہے جس نے اُنہیں اللہ کے بندوں کو قتل کرنے اور اپنے نہتے بیگناہ ہمسایوں کا خون پینے کے لئے آمادہ کیا ہے میرے ایک ماتحت شخص نے سسٹوا (Sistova) کے کسی شراب خانہ میں ایک بلغاری کو دیکھا کہ جو ہاتھ میں خون سے بھری ہوئی چھری لئے کہہ رہا تھا، میرے ساتھ ایک بندوق بھی تھی مگر اسکی بلائی ہی چھری نے مجھے بندوق سے زیادہ کام دیا۔ میں نے اس سے دس مسلمانوں کو اسطرح ذبح کیا ہے جیسے کوئی بھیڑ کو ذبح کرتا ہے"۔ خدا کی قسم اس فعل کے لئے اس سے زیادہ وحشیانہ مثال اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ان ظالموں نے بیگناہوں کو عمداً اس طرح قتل کیا ہے جیسے کوئی بھیڑ بکریوں کو ذبح کرتا ہے۔ ہم لوگوں کو یہاں آئے ہوئے دو مہینہ گذر چکے ہیں اور ہم یہاں مقیم ہیں۔ مگر ابتک کوئی خبر نہیں سنی گئی ہے کہ ترکوں نے کسی ایک عیسائی کے ساتھ زیادتی کی ہو۔ میں نے سنا ہے کہ اسی فوج کے ایک افسر نے کسی عیسائی کسان سے دو مرغ نصف شلنگ میں خریدے۔ اور اُس سے پوچھا کہ "یہاں کے لوگ اپنے عیسائی بھائیوں کے آنے سے کچھ خوش نہیں؟" کسان نے جواب دیا۔ کہ ہم دیکھینگے

کہ تم ہمارے ساتھ ویسا ہی سلوک کرتے ہو یا نہیں جیسا ترک کرتے تھے؟"

فیلیپو پولیس کے انگریزی قنصل مسٹر ایڈمونڈ (Edmond) نے خلیل اوغلی حسین، مصطفےٰ اوغلی عبداللہ اور سلیمان اوغلی رشید سے دریافت کیا کہ تم لوگوں پر کیا مظالم ڈھائے گئے ہیں۔ یہ لوگ بلغان کے رہنے والے تھے جو ترنووا (Tirnova) سے تین گھنٹہ کی مسافت پر ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ "گذشتہ ہفتہ کی صبح کو (بتاریخ ۲ رجولائی) کاسک (قزاق) فوج کے دو دستے قریہ بالقان کے قریب پہنچے۔ گاؤں کے مکھیاؤں نے اُن کے پہنچنے کی خبر سنکر ارادہ کیا کہ باہر نکلکر اُن کے افسروں سے ملیں، مگر کاسکوں نے گاؤں کا محاصرہ کر لیا اور اہل قریہ سے مطالبہ کیا کہ اپنے ہتھیار رکھدیں۔ دوسرے روز کاسکوں کے دو اور دستے پہنچ گئے اور انھوں نے بھی اپنے پہلے بھائیوں کی طرح گاؤں کو گھیر لیا۔ اس مرتبہ ان کے ساتھ دو تین ہزار بلغاری بھی شریک تھے جو ہمارے آس پاس کے دیہاتوں میں رہتے تھے، اور یہ لوگ خنجروں اور چھریوں، بندوقوں اور مختلف وضع کے تلواروں سے مسلح تھے۔ ان کینہ ہمسایوں نے اہل قریہ کو نکالنے، اُن کے جوانات چھیننے، ان کے مال اسباب لوٹنے، اور بردہ چیزیں جو منتقل کیجا سکتی تھیں، چھین لینے سے اپنا کام شروع کیا، پھر انہوں نے گاؤں میں آگ لگادی اور اسکے گرد کھڑے ہو گئے۔ جو کوئی اس بھڑکتی ہوئی فضا سے بھاگ کر نکلنا چاہتا تھا خصوصاً بچے اور عورتیں، تو یہ لوگ پکڑتے اور پھر اسی آگ میں دھکیل دیتے تھے؛

کاسک قریہ کے گرد دور کھڑے تھے۔ ان کے سامنے جو کچھ گذر رہا تھا۔ اسپر انھیں کوئی رنج نہ تھا بلکہ ان کے چہروں سے خوشی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ اگر ہم (یعنی خلیل اوغلی اور اسکے ساتھی) جان پر کھیل کر ان محاصرین پر ٹوٹ نہ پڑتے اور ان کے گھیرے کو کاٹکر نہ نکل جاتے تو ہمارے لئے اس مشتعل فضا سے باہر نکلنا قطعاً ناممکن تھا؟"

یہ گفتگو خلیل اوغلی کر رہا تھا۔ وہ برابر گفتگو کر رہا تھا اور رنج والم کے آثار اسکے چہرہ سے عیاں ہو رہے تھے مگر جب اُن سے کچھ اپنے خاندان کی سرگذشت بیان کرنی چاہی تو بُری طرح رونے لگا اور ایسے سسکیاں بھریں جیسے کسی عورت کا بچہ مرگیا ہے۔ یہاں تک کہ شدت الم نے اس کی زبان پکڑ لی اور وہ کچھ نہ بول سکا۔ ایک طویل مدت کے بعد اُسنے ہمارے سامنے ان مصائب کا ذکر کیا جو اسکے دو بھائیوں پر گذرے۔ ان دونوں کے شوہر فوج میں ملازم تھے، اور وہی اسکا نگراں کار تھا۔ اس نے بیان کیا کہ میرے خاندان میں (۱۱) افراد تھے جنہیں خود میں نے دیکھا کہ ایک ایک کرکے آگ میں پھینکدیا گیا؟"

جب روسیوں نے ۱۸۷۷ء میں ڈینیوب کو عبور کیا تو ترکوں کی عورتیں اور بچوں کو پکڑ لیا جو دشمنوں سے بچکر بھاگ رہے تھے اور ان سب کو ایسی حالت میں شوملا (Shumla) لے گئے جسے دیکھ کر دل پگھلا جاتا تھا اور جگر کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے جاتے تھے۔ وہاں بعض یورپین اخبارات کے نامہ نگاروں نے انھیں دیکھا اور ایک قرارداد اُن کے متعلق لکھی گئی جسپر سب نے دستخط کئے۔ دولت علیہ کے وزیر خارجہ نے اس قرارداد کو اپنے سفیر متعین پیرس کے ذریعہ حکومت فرانس کے پاس ۲۱ رجولائی ۱۸۷۷ء کو بھیجا تھا، اسکے الفاظ یہ ہیں:۔

"میں آپکے پاس ایک قرارداد بھیجتا ہوں جو حسب ذیل غیر ملکی اخبارات کے نمائندوں نے بالاجماع پاس کی ہے:۔

لونیل گزٹ، جرنل الایبا" نیو فرائی پرشیا، اسٹینڈرڈ، ڈیلی ٹیلیگراف، السٹریٹڈ لنڈن نیوز، مانچسٹر رحبین، ٹائمز، فرینکفرٹر زٹینگ، مارننگ پوسٹ، ریپبلک فرانسس، لبسترلوید، فانیرتاجیلاو، مارننگ ہورنا ٹرز، اسکاچ مین، نیویارک ہیرالڈ، مانچسٹر اگزاز، قرار دادیہ ہے :-

"ہم لوگ جو یورپین صحافت کے نمائندے ہیں، اور شہر شوملہ میں جمع ہوئے ہیں، اس بات کو اپنا فرض سمجھتے ہیں، کہ اپنے اخبارات کو وحشیانہ بیدادیوں کے حالات سے مطلع کریں جن کا ارتکاب بیگناہ مسلمانوں کے ساتھ، بلغاریوں نے کیا ہے اور کر رہے ہیں، اور ہم میں سے ہر ایک اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے عورتوں، بوڑھوں، اور بچوں کے زخم دیکھے ہیں۔ اور علاوہ بندوق کے زخموں کے جن کے متعلق شبہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ کارزار حرب کے عالم لگ گئے ہوں گے، تلواروں اور سنگینوں کے زخم ان لوگوں کے بدنوں پر دیکھے ہیں اور شہر شوملا اور راسگراڈ (Rasgrad) اُن سے خود ان کے حالات دریافت کئے ہیں۔ اُن کے جوابوں سے روسیوں اور بلغاریوں کی کارروائیوں کا حال معلوم ہوتا ہے، اور یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے۔ کہ اس علاقہ کے مسلمان باشندوں کا ایک بڑا حصہ اس طرح قتل کر دیا گیا جس طرح بھیڑ و بکریاں ذبح کر دی جاتی ہیں۔ ہم لوگ تصدیق کرتے ہیں کہ مجروحین زیادہ تر عورتیں اور بچے ہیں۔"

ٹائمز کا نامہ نگار جو جنرل گورکو کے ساتھ گیا تھا اور جس نے خود اپنی آنکھوں سے بیگناہ ترکوں کے مظلوموں کا نظارہ کیا تھا جنوب بلقان کی چھاونی سے ۱۲ر جولائی ۱۸۷۷ء کو حسب ذیل اطلاع دیتا ہے :-

"یہ جنگ کوئی انسانی جنگ نہیں ہے بلکہ ہولناک سے ہولناک مظالم اور شدائد کا ایک سلسلہ ہے روسی سپاہی ترک کو بالکل ایک حیوان سمجھتا ہے، اور اُسے شکار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی حال بلغاریوں کا ہے کہ جس طرح بن سکے اُسے صرف قتل کرنے کی فکر ہے۔ خود پرنس واچنسٹین کہتا ہے کہ بلغاری ترکوں کے مجروحوں کو قتل کرتے ہیں اور مقتولوں کے کپڑے اُتارتے ہیں ایک انسان جب اپنے ہی جیسے انسان کو دیکھے کہ کچھ ترکوں کے قید ہونے کی خبر سنتے ہی خون پینے کے لئے بیتاب ہو جاتے ہیں تو بتاؤ کہ اسے خود بھی اُنھیں کی طرح انسان ہونے پر کسقدر شرم آئیگی۔ ؟ میں حیران ہوں کہ روسی افسر اپنے مفتوحات کو ایسے وحشیانہ مذابح و فضائح سے ملوث کرنیوالے لوگوں کو کیوں پسند کرتے ہیں ؟"

دولت علیہ نے جب دیکھا کہ تمام یورپ اس کے خلاف ایک ہو گیا ہے، اور کوئی اس کا مددگار نہیں ہے، تو ایسی حالت میں اُس نے جنگ کے طول پکڑنے کو اپنے لئے مضر سمجھا اور روس سے درخواست کی کہ جنگ روک دے اور شرائط صلح طے کرنے کے لئے عارضی صلح کر لے۔ روس نے بڑی خوشی کے ساتھ اسے قبول کیا اور ۳۰ر جنوری ۱۸۷۸ء کو اڈریانوپل میں فریقین کے درمیان التوائے جنگ ہو گیا۔ عارضی صلح کے موقع پر روس نے یہ شرط کر لی کہ صلح کے بنیادی اصول جمع ہونگے کہ ٹرکی کو سرویا و رومانیا کا استقلال تام تسلیم کرتا ہوگا، دولت علیہ سے ان کے اور مانٹی نیگرو کے حق میں اپنے اراضی کے کچھ حصہ سے دست بردار ہونگی بلغاریا کو اندرونی آزادی دیجائیگی، بوسنیا و ہرزیگو نیا بھی انتظامی حیثیت سے آزاد کئے جائینگے اور ٹرکی روس کو ایک خاص مقدار میں تاوان جنگ ادا کرے گا۔

فریقین کے درمیان اس معاہدۂ التوائے جنگ کی خبر شائع ہوتے ہی روس کے خلاف آسٹریا میں عام ہیجان پیدا ہو گیا، اور شہنشاہ فرانسو جوزیف کی حکومت نے خیال کیا کہ یہ شرطیں جو روس نے دولت علیہ

سے جبراً منوائی ہیں بلقان اور سواحل دریائے ڈینوب میں اُسکے (یعنی آسٹریا کے) مصالح کو نقصان پہنچانے والے ہیں۔ اور اس خیال سے اُس نے دول یورپ کو مطلع کر دیا کہ فریقین متخاصمین کے درمیان جو معاہدہ بھی ہوا اُسے وہ لغو سمجھیگی، اُس کے نزدیک تمام دول یورپ کو ایک کانفرنس میں جمع ہو کر ٹرکی مدوس کے قبضہ کا فیصلہ کرنا چاہیئے۔

انگلستان نے اس موقع پر دولت علیہ کے ساتھ اپنی محبت وصداقت کا اظہار کیا اور ملک آل عثمان کو اپنی دوستی کا یقین دلانے کے لیئے، اپنا بیڑہ باسفورس کے پانی میں بھیجکر اپنی فوجیں آستانہ میں اُتار دیں جس سے مقصود بظاہر روس کو دہمکی دینا تھا۔ مگر ناظرین کرام عنقریب دیکھینگے کہ اس حرکت سے اصل مقصد کیا تھا۔ اور اس مظاہرہ صداقت ومودت میں انگلستان سچا تھا یا جھوٹھا۔ حکومت روس نے آسٹریا کے اعلان کا یہ جواب دیا کہ یورپ کو ایسے معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ جو اسکے مصالح سے مطلق کوئی علاقہ نہیں رکھتے، البتہ روس تجویز پیش کرتا ہے کہ شرائط صلح پر غور وخوض کرنے کے لئے ایک بین الدولی کانفرنس منعقد کیجائے۔ پرنس بسمارک نے روس کے جواب سے اتفاق کیا اور برلن میں ایک اجتماع منعقد کرنے کی تجویز پیش کی۔

اس اثنا میں جنرل اگناٹیف ترکی نمائندوں سے شروط صلح کے باب میں مغایرت کر رہا تھا، اور ۳ر مارچ کو اُسنے سان اسٹیفانو San Stefano) میں ایک معاہدہ پر دستخط کرائے تھے جو دولت علیہ کو نقصان پہنچانے والے تمام معاہدات میں سب سے اوّل درجہ رکھتا تھا۔ اس کی شرطیں یہ تھیں کہ مانٹی نیگرو کو دولت علیہ سے کلیتاً آزاد کر کے اس کی مملکت میں توسیع کیجائے اور بحر ایڈریاٹک میں اُسے دو بندرگاہ دیئے جائیں، ریاست رومانیا کو کامل آزادی دیجائے، سرویا کو استقلال تام کے ساتھ تنیش (   ) کا پورا علاقہ دیدیا جائے بلغاریا کو اندرونی آزادی دیکر دو سال کے لئے اس کا حاکم ایک روسی کو مقرر کیا جائے تاکہ وہ اسکے نظم ونسق کو درست کر دے، اور اس دو سال میں ممالک بلغاریا پر روسی فوجیں قابض رہیں۔ اسکے بعد خود اہل بلغاریا کو اپنا امیر مقرر کرنیکی اجازت دیجائے، دریائے ڈینوب پر جتنے قلعے اور استحکامات ہیں سب منہدم کر دیئے جائیں، ڈینوب کی جہازرانی آزاد کر دیجائے۔ بوسنیا ہرزیگوینیا کا انتظام اُن مطالبات کے موافق ہو جو آستانہ میں دول نے پیش کئے تھے اور ان دونوں صوبوں کو آسٹریا وروس کی نگرانی میں دیدیا جائے، آرمینیا کو چند نئے حقوق وامتیازات عطا کئے جائیں سلطان المعظم تمام سیاسی مجرموں اور باغیوں کی عام معافی کا اعلان کر دیں۔ اور ان سب پر مزید یہ کہ دولت علیہ روس کو ۱۴۰۰ ملین ا[1]وبل تاوان جنگ کے طور پر ادا کر دے۔ لیکن اگر دولت اس کے حق میں باطوم، اردہان، قارص اور بایزید سے ایشیا میں اور علاقہ ڈوبروجہ Dobrodja سے یورپ میں دست بردار ہو جائے تو روس اس رقم میں سے ۱۱۰۰ ملین روبل کم کر دیگا۔ مگر ڈوبروجہ کا علاقہ بعد میں ریاست رومانیا کو دلوایا گیا اور اُس کے عیوض روس کو بسرابیا کا صوبہ دیا گیا جو ۱۸۵۶ء میں سے چھین لیا گیا تھا۔

اس معاہدہ میں یہ شرطیں بھی تھیں کہ دولت علیہ روسی رعایا سے اپنے ممالک میں خاص رعائتیں برتنے گی، آرتھوڈوکس پادریوں کے حقوق پندار کی حمایت تسلیم کریگی، جنگ سے پہلے ٹرکی اور روس کے درمیان

---

[1] اوبل ایک روسی سکہ ہے جس کی قیمت عہد نامہ میں ۱۲؎ ہندوستانی کے برابر تھے۔

جو تجارتی معاہدات ہوئے تھے، انھیں پھر جاری کر دیگی، اور درہ دانیال و باسفورس کے آبناؤں کو تجارتی جہازوں کے لئے ہر وقت کھلا رکھیگی۔

دول یورپ کو جب اس معاہدہ کا علم ہوا تو تمام سیاسی مدبرین نے اعتراف کیا کہ روس نے دولت عثمانیہ کے حقوق پر بری طرح دست درازی کی ہے اور اگر سان اسٹفانو کی شرطوں پر عمل درآمد ہونے دیا گیا تو دول یورپ اپنے توازن کو کھوتے رہینگے۔ دول میں سب سے زیادہ جو سلطنت روس کے خلاف اظہار ناراضی کر رہی تھی وہ آسٹریا تھی، کیونکہ روس نے جنوری ۱۸۷۷ء کے اگریمنٹ کے خلاف ورزی کی تھی۔ پس اس نے انگلستان سے گفت و شنید کی اور روس کی ہر طرح مزاحمت کرنے کے لئے اُسنے اتحاد پیدا کر لیا۔ ان دونوں سلطنتوں نے روس سے درخواست کی کہ وہ مجوزہ کانفرنس میں دول یورپ کے سامنے سان اسٹیفانو کے عہدنامہ کو بحث و نظر کے لئے پیش کرے۔ ۲ مارچ ۱۸۷۸ء کو زار نے آسٹریا سے اتفاق کرنے کے لئے جنرل اگناٹیف کو وائنا بھیجا، مگر اب اتفاق محال تھا، کیونکہ روس اور آسٹریا کے آمال بالکل متباین تھے۔

انگلستان نے جنرل اگناٹیف کی اس ویانا میں ناکامی سے فائدہ اٹھا کر آسٹریا کو روس کے خلاف اپنے ساتھ ملانے کی پوری کوشش کی، اور لارڈ سالسبری (Salisbury) وزیر خارجہ برطانیہ نے اعلان کر دیا کہ سان اسٹیفانو کا عہدنامہ بحر اسود کو ایک روسی جھیل بنا دیتا ہے جسکے بعد دولت علیہ کا استقلال اور اسکی سلامتی بالکل روس کے رحم پر منحصر ہو جاتی ہے، اسلئے یہ معاہدہ انگلستان کے مصالح کو نقصان پہنچانے والا ہے۔ یہ دراصل روس کو اس بات سے آگاہ کرنا تھا کہ اگر اس نے سان اسٹیفانو کے معاہدہ پر عمل درآمد کرنے کی کوشش کی تو دونوں سلطنتوں میں جنگ چھڑ جائیگی۔ اسوقت جنگ و صلح کی کنجیاں پرنس بسمارک کے ہاتھ میں تھیں، کیونکہ جرمنی دول یورپ کے درمیان ایک حکم کی پوزیشن رکھتا تھا۔ اگر وہ روس کے ساتھ مل جاتا تو آسٹریا کو مجبوراً روس کے خلاف ورزی سے باز آنا پڑتا اور اسی طرح انگلستان کی ہمت ٹوٹ جاتی، جسکے بعد روس اپنے مقاصد حاصل کرنے میں پوری طرح کامیاب ہو جاتا، لیکن اگر وہ غیر جانبداری پر قائم رہتا اور روس کو تنہا انگلستان و آسٹریا کے مقابلہ میں چھوڑ دیتا، تو اسے (یعنی روس کو) سان اسٹیفانو کے اہم اکتسابات سے ذرہ برابر فائدہ اٹھانیکا موقع نہ ملسکتا۔ روس نے اس حقیقت کو محسوس کر کے جرمنی سے درخواست کی کہ وہ اس کا ساتھ دے، اور اسے یاد دلایا کہ اس نے (یعنی روس نے) ۱۸۶۶ء میں آسٹریا کے خلاف اور ۱۸۷۰ء میں فرانس کے خلاف اس کی مدد کی تھی، مگر پرنس بسمارک نے جرمن فوجوں کے ساتھ اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا، اور یہ عذر پیش کیا کہ جرمنی کو فرانس پر ہر وقت نظر رکھنے اور اسکے ساتھ جنگ کے لئے تیار رہنے کی دائمی ضرورت ہے۔ اسپر زار روس اور روسی مدبرین کو جرمنی اور اس کے وزیر پر سخت غصہ آیا، اور اسی وقت سے دونوں سلطنتوں کے درمیان پوشیدہ عداوت پیدا ہو گئی۔

اب روس نے دیکھا کہ ترکی سے لڑ چکنے کے بعد ہمیں انگلستان اور آسٹریا سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے، اسلئے انگریزی وزارت سے درخواست کی کہ وہ اسے ان ترمیمات سے آگاہ کرے جو وہ معاہدۂ سان اسٹیفانو میں کرنا چاہتی ہے۔ کونٹ شوفالوف (Count Shouvaloff) سفیر روس متعین لندن، لارڈ سالسبری وزیر خارجہ انگلستان میں اسکے متعلق گفت و شنید کا سلسلہ جاری ہو گیا اور ۳۰ مئی ۱۸۷۸ء کو دونوں حکومتوں نے ان ترمیمات کے متعلق باہم ایک خفیہ پیمان کر لیا جو معاہدۂ سان استیفانو میں بعض ہونی [illegible] کر [illegible] معاہدۂ سان اسٹیفانو میں جو کچھ بھی ترمیمیں تھیں۔ ان کو درست تسلیم کر لیا

کیونکہ بین الدولی کانفرنس جو منعقد ہونے والی تھی، تمام شرائط صلح پر غور و بحث کر کے اکثریت کے ساتھ فیصلہ کرتی اور اس میں کچھ ضروری نہ تھا کہ انگریزی ترمیمات ہی باقی رہتیں۔

رہا فرانس سو ابتدا ہی سے اس بارہ میں اس کی پالیسی اصل پسندانہ تھی، کیونکہ وہ دولت علیہ کے مقبوضات میں سے کسی علاقہ کو لینے کی طمع نہ رکھتا تھا۔ اسی لئے جب دول یورپ نے ٹرکی اور روس کے درمیان آخری فیصلہ کرنے کے لئے ایک اجتماع کی دعوت دی تو اس نے یہ شرط پیش کی کہ اولاً تمام وہ سلطنتیں اس کانفرنس میں مدعو کی جائیں جنہوں نے ۱۸۵۶ء کے عہدنامہ پیرس پر دستخط کئے تھے۔ ثانیاً ان مسائل کے علاوہ جو ٹرکی اور روس کی جنگ سے متعلق ہیں، اور کسی مسئلہ پر کانفرنس میں بحث نہ کی جائے۔ ثالثاً کانفرنس کا کوئی ممبر مصر و شام کے معاملات پر بحث نہ کرے اور نہ اماکن مقدسہ پر فرانس کے حقوق زیر بحث لائے جائیں۔

تمام دول نے ان شرطوں کو قبول کر لیا اور اس طرح فرانس مجوزہ کانفرنس میں شرکت پر راضی ہوا۔

گذشتہ بحث سے قارئین کرام کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ انگلستان جو دولت علیہ کے ساتھ دوستی کا اظہار کر رہا تھا اور بلند آواز سے پکار پکار کر روس کو دھمکیاں دے رہا تھا، تو اس سے کچھ ٹرکی کی خدمت اور مساعدت مقصود نہ تھی بلکہ وہ محض اسے دھوکہ اور فریب دے کر اپنا فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے دولت علیہ سے وعدہ کیا کہ برلن کانگریس میں روس کے خلاف اس کی مدد کرے گا۔ اور تجویز پیش کی کہ دونوں سلطنتوں کے درمیان ایک معاہدۂ اتحاد ہو جائے جس کے رو سے انگلستان روس کے خلاف ٹرکی کی حفاظت کرے، اور ٹرکی اس کے عوض جزیرۂ قبرص (Cyprus) اس کے حوالہ کر دے۔

دولت علیہ سوء قسمت سے خطرے میں مبتلا تھی اس نے کچھ نہ سوچا کہ اگر انگلستان فی الحقیقت اس کا دوست ہوتا تو جنگ سے پہلے ایسے معاہدہ کی تجویز پیش کرتا۔ وہ دھوکہ میں آگئی اور برطانی مدبرین کی صداقت پر اعتماد کر کے ۴ جون ۱۸۷۸ء کو برلن کانگریس کے انعقاد سے چند ہی روز قبل ایک معاہدہ کر لیا جس کی رو سے جزیرۂ قبرص اس کے ہاتھ سے نکل گیا، بغیر اس کے کہ انگریزوں کی جھوٹی دوستی سے اسکو ذرہ برابر بھی فائدہ پہنچا ہو۔

پرنس بسمارک نے ۳ جون ۱۸۷۸ء کو سرکاری طور پر تمام دول یورپ سے درخواست کی کہ برلن کی اجتماع گاہ میں اپنے نمائندے بھیجیں۔ سب نے اس درخواست کو منظور کیا اور کانگریس کا پہلا اجلاس ۱۳ جون کو منعقد ہو گیا۔ اس کانفرنس میں مختلف سلطنتوں کے ممتاز نمائندے یہ تھے۔ جرمنی کی طرف سے پرنس بسمارک، آسٹریا کی طرف سے کونٹ اندراسی، فرانس کی طرف سے موسیو واڈنگٹن، انگلستان کی طرف سے کونٹ ڈی بیکنسفیلڈ اور مارکوئیس آف سالسبری، اٹلی کی طرف سے کونٹ کورٹی (Count Corti)، روس کی طرف سے پرنس گورچکوف، کونٹ شوتالوف، اور بیرن ڈوبرائل، اور دولت علیہ کی طرف سے قرہ تھیوڈوری پاشا (یونانی الاصل) محمد علی پاشا (جرمنی الاصل) اور سعد اللہ بک۔

حکومت یونان نے بھی اپنی طرف سے دو نمائندے بھیجے تھے تاکہ یونان کے مطالبات کانگریس میں پیش کریں۔ انگلستان نے ان کی پوری حمایت کی اور کانگریس پر زور دیا کہ ان کی بات سننے کے لئے انھیں شرکت کی اجازت دے۔ اس مساعدت سے انگریزی نمائندوں کا مقصد یہ تھا کہ سلافی عنصر کے خلاف یونانی عنصر کو تقویت دیکر روس کا زور توڑنے کی کوشش کریں۔ انھوں نے یہ بات بالکل نظر انداز کر دی تھی کہ اس طرح یونان کی حمایت روس سے زیادہ دولت علیہ کے لئے نقصان رساں ہوگی، اور وہ یہ جانتے تھے

کو یونان کے مطالبات تسلی، اپیائرس، البانیہ اور کریٹ حاصل کرنے کے لئے نہیں، مگر انہیں دولت علیہ کے مصالح کا لحاظ کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی جبکہ وہ قرض دے کر اپنا مطلب حاصل کر چکے تھے، محض ان کی حمایت کا یہ نتیجہ ہوا کہ کانگریس نے آخری اجلاس میں یونانی نمائندوں کو داخل کرنے کا فیصلہ کیا۔!

کانگریس کے ممبروں میں پہلے بحث مسئلہ بلغاریا پر ہوئی اور اس پر ۱۴ اجلاس صرف ہوئے۔ مناقشہ اس پر ختم ہوا کہ روسی نمائندوں کے برخلاف کے باوجود ممبروں کی اکثریت سے بلغاریا کے حدود ان وسیع حدود کے مقابلہ میں بہت کم کر دیئے گئے جو سان اسٹیفانو میں دولت علیہ سے روس نے طے کئے تھے۔ اب سلسلہ کوہ بلقان اس کی حد قرار دیا گیا، اور بلقان کے جنوب میں تھوڑا علاقہ دیکر صوفیا (Sofia) کو اس کا دار الحکومت بنایا گیا۔ اسطرح کانگریس نے ریاست بلغاریا کا رقبہ ۶۴۰۰۰ کیلو میٹر مربع رکھا حالانکہ سان اسٹیفانو میں وہ ۱۶۳۰۰۰ مربع کیلو میٹر رکھا گیا تھا، اور اس کی آبادی ۱۵ لاکھ رکھی حالانکہ سان اسٹیفانو میں ۴۰ لاکھ آبادی اس کے ماتحت دیگئی تھی۔ اس کانگریس نے بلغاریا میں دو سال تک روسی فوجوں کے قیام کی مدت کو جو سان اسٹیفانو میں مقرر کی گئی تھی گھٹا کر ۶ مہینہ کر دیا اور ایک روسی حاکم کے بجائے بلغاریا کی نظم جدید پر نگرانی کے لئے ایک بین الدولی کمیشن مقرر کیا۔

اسطرح کانگریس نے جنوب بلقان میں مقدونیہ اور ایڈریانوپل کے درمیان ایک نیا صوبہ قائم کرنیکی تجویز کی جس کا دار الحکومت فلپوپولیس ہو اور مشرقی رومیلیا (Eastern Roumelia) کے نام سے موسوم کیا جائے۔ اسکے متعلق طے کیا گیا کہ اس کی حکومت اندرونی حیثیت سے آزاد ہو اور دولت عثمانیہ کو اسکے حدود میں فوج رکھنے کا حق نہ دیا جائے، البتہ اسکے حدود کی حفاظت اس کا فرض ہو۔ برلن کانگریس کے ارکان نے مشرقی رومیلیا کی بجائے اس نئے صوبہ کا نام جنوبی بلغاریا رکھنا پسند نہیں کیا، مگر لامحالہ ان کا مقصد یہ ضرور تھا کہ تھوڑے عرصہ بعد یہ صوبہ بلغاریا سے ملحق ہو جائے۔

اسکے بعد جب بوسنیا اور ہرزیگوینا کے متعلق مناقشہ شروع ہوا کونٹ اندراسی نمائندہ آسٹریا کھڑا ہوا اور اس نے ایک لمبی چوڑی تقریر پیش کی جس میں ظاہر کیا گیا کہ ان دونوں صوبوں کا دولت علیہ یا بالفاظ دیگر مسلمانوں کے قبضہ میں رہنا اضطرابات اور بغاوتوں کے استمرار کا باعث ہوگا، اور اسکے ساتھ ہی حکومت آسٹریا کے مصالح کو بھی نقصان پہنچائیگا۔ اندراسی کی یہ تقریر ختم ہوتے ہی مارکوئس آف سالسبری نمائندہ برطانیہ نے کھڑے ہو کر اس کے قول کی تائید کی اور یہ تجویز پیش کی کہ ایک غیر محدود مدت تک بوسنیا و ہرزیگوینا آسٹریا کے استقلال میں دیدیئے جائیں۔ یہ تھی وہ مساعدت جس کا انگلستان نے دولت علیہ سے عہد کیا تھا، اور اسطرح اس صداقت کا اظہار کیا گیا جس کے عوض جزیرۂ قبرص حاصل کیا گیا تھا! ترکی نمائندوں نے اس عجیب و غریب تجویز پر سخت احتجاج کیا مگر پرنس بسمارک نے جو کونٹ اندراسی اور مارکوئس سالسبری کی تجویز کا محرک اصل تھا انہیں جواب دیا کہ برلن کانگریس کے انعقاد کا مقصد ترکی کے مصالح کی اعانت و حفاظت نہیں بلکہ یورپ و دنیت کے مصالح کی اعانت و حفاظت ہے۔ آخر تمام نمائندوں نے اکثریت کے ساتھ طے کیا کہ بوسنیا و ہرزیگوینا آسٹریا کے ماتحت کر دیئے جائیں اور حکومت آسٹریا کو اقلیم نووی بازار (Novi Bazar) پر قبضہ کر لینے کا حق دیدیا جائے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ نووی بازار کا علاقہ سالونیکا کے عین راستہ پر واقع ہے۔ اسکے بعد کانگریس نے سرویا و مانٹی نیگرو کیطرف توجہ کی اور دونوں ریاستوں کے کامل استقلال کو طے کرتے ہوئے انہیں اپنے

توسیع مملکت کے لئے تھوڑے تھوڑے علاقے دینے کی تجویز کی مگر اس سے کم جو سان اسٹیفانو میں تجویز کئے گئے تھے۔"

اس موقع پر کانگریس نے طے کیا کہ یونان کے مطالبات سن لئے جائیں، پس موسیو ڈیلیانیس اور موسیو راکاویس (Deliyannes) (RagKavas) کانگریس میں داخل ہوئے اور اول الذکر نے اپنی حکومت کے مطالبات پیش کئے جو یونان کو البانیہ اپیائرس تھسلی اور کریٹ دلائے جانے کے متعلق تھے۔ اس باب میں دول کے نمائندوں نے بالاتفاق یہ طے کیا کہ مسئلہ مذکور میں خود یونان اور دولت علیہ آپس میں بحث کرلیں اور جب کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا اور جدید حدود طے نہ ہوسکیں تو پھر اسے دول کے سامنے پیش کیا جائے۔ اسکے ساتھ ہی طے کیا گیا کہ جو یونانی علاقے دولت علیہ کے ماتحت باقی ہیں ان کا نظم ونسق مشرقی رومیلیا کے طرز پر رکھا جائے اور ایک بین الدولی کمیشن اسپر نگرانی کرے۔

پھر رومانیا کا مسئلہ پیش ہوا۔ سب سے پہلے کانگریس نے اس ریاست کے استقلال تام کا اعلان کیا جسطرح سرویا اور مانٹی نگرو کے متعلق کیا گیا تھا، اور اس کے بعد طے کیا گیا کہ ریاست کے مختلف المذاہب اقوام سے ساتھ مساویانہ سلوک کیا جائے یہ قرارداد یہودیوں کی خاطر تھے جن کے معاملات میں حکومت رومانیا ناجائز مداخلت کرتی تھی اور جن سے اہل رومانیا بہت بری طرح پیش آتے تھے۔ کانگرس نے رومانیا کے ڈیلیگیٹوں موسیو براٹینو اور موسیو کوگلینیانو کی تقریریں بھی اسی طرح سُنیں جس طرح نمائندگان یونان کی سُنی تھیں۔ ان لوگوں نے مطالبہ کیا کہ رومانیا کی اراضی میں سے کوئی حصہ الگ نہ کیا جائے، روسی فوجیں اس کے علاقے سے ہو کر نہ گذریں۔ اور روس سے رومانیا کو ان نقصانات کے عوض میں کچھ تاوان دلوایا جائے جو دوران جنگ میں اسے پہنچا۔ مگر کانگریس نے ان مطالبات کو منظور نہ کیا کیونکہ وہ روس کے مصالح سے متصادم ہوتے تھے اور صرف اسپر قناعت کی کہ ڈوبروجہ کے علاقہ میں سے ۲۰۰۰ مربع کیلومیٹر رومانیا کو دلوا دیئے گئے۔

اب ڈینیوب کی جہازرانی کا مسئلہ زیر بحث لایا گیا، اور اسکے متعلق یہ طے ہوا کہ جنگ سے پہلے کی حالت پر اسے قائم رکھا جائے، البتہ آسٹریا کو کچھ خاص امتیازات دیئے جائیں۔ تاوان جنگ کے مسئلہ میں کانگرس نے یہ طے کیا کہ اس کے عوض ترکی سلطنت کے کسی علاقہ کو نہیں خریدا جا سکتا۔ اور اس کے ساتھ ہی روس کو دولت عثمانیہ کے قرض خواہوں میں آخر درجہ دیا گیا۔ یعنی روس کو اُن لوگوں سے پہلے اپنا تاوان جنگ مانگنے کا حق نہیں دیا گیا جو اس سے پہلے کے قرضخواہ ہیں۔

دولت علیہ کے عیسائیوں کے متعلق ترکی نمائندوں نے تصریح کردی کہ ان کی سلطنت اپنے ممالک محروسہ میں تمام مذاہب کا پورا احترام کرتی ہے۔ اور اپنی رعایا کے تمام فرقوں سے یکساں برتاؤ کرتی ہے۔ پس کانگریس نے طے کیا کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے حقوق میں مساوات ملحوظ رکھی جائے اور دولت علیہ کے ممالک محروسہ میں رہنے والے عیسائیوں کے حقوق پر دول یورپ کی معنوی نگرانی رہے۔

مذکورۂ بالا مسائل کے بعد کانگریس کے سامنے صرف اُن شہروں اور علاقوں کا معاملہ رہگیا جو دولت علیہ سے روس لینا چاہتا تھا۔ اسبارہ میں روس نے عہد کیا کہ اگر دولت ایران کو تورید سے تو وہ بایزید کے مطالبہ سے دست بردار ہوجائیگا۔ اس نے یہ بھی عہد کیا کہ باطوم کی قلعہ بندی نہ کریگا اور اسے ایک آزاد تجارتی بندرگاہ رکھیگا۔ کانگرس نے یہ بھی طے کیا کہ جن اصلاحات آرمینیہ میں نافذ کرنے کی تجویز کیگئی ہے

وہ تمام دول یورپ کے سامنے بالتفصیل پیش کیجائیں۔ اور باسفورس و درۂ دانیال کی آزادی ۱۸۵۶ء کے معاہدہ پیرس اور ۱۸۷۱ء کے عہدنامہ لندن کے ماتحت رہیگی۔

انگلستان کے نمائندوں نے جب دیکھا کہ کانگریس اپنا سب کام ختم کر چکی اور جزیرہ قبرص پر برطانی استیلا کے اعلان کا وقت آگیا ہے، تو کونٹ ڈی بیکنسفیلڈ نے ۸ر جولائی ۱۸۷۸ء کو کانگریس کے ممبروں کے سامنے اس کا اعلان کر دیا روس کے نمائندوں کو اس پر سب سے زیادہ حیرت ہوئی۔ اور تمام عالم پر ظاہر ہو گیا کہ انگلستان نے دولت علیہ کو سخت دھوکہ دیا ہے کہ اگر وہ اپنے بدترین دشمنوں پر بھی اعتماد کرتی تو شاید وہ اسے اتنا دھوکہ نہ دیتے جتنا انگلستان نے دوست بنکر دیا۔ مگر پرنس بسمارک اور کونٹ اندراسی کو اسپر کچھ بھی حیرت نہیں ہوئی۔ کیونکہ یہ دونوں پہلے سے جانتے تھے اور انہوں نے بیکنسفیلڈ سے یہ عہد لے لیا تھا کہ وہ بوسنیا و ہرزیگوینا پر آسٹرین تسلط کی مخالفت نہ کریگا اس باب میں اس کی مزاحمت نکرنے کا وعدہ کر لیا تھا۔

روسی ڈیلیگیٹ پرنس گورچیکوف نے کانگریس کے خاتمہ سے قبل درخواست کی کہ وہ وسائل طے کرتے جائیں جن سے برلن کی کانگریس کی قراردادوں پر عمل کرنے کے لئے ٹرکی کو مجبور کیا جائیگا۔ ۳ روز تک اس مطالبہ پر بحث ہوتی رہی جسکے بعد اسکو رد کر دیا گیا۔ اور اسطرح پرنس گورچیکوف سخت سیاسی ہزیمت اٹھا کر کانگریس سے رخصت ہوا۔

۱۳ر جولائی ۱۸۷۸ء کو کانگریس کے تمام ممبروں نے معاہدہ برلن پر دستخط کئے۔ اور اسپر اجلاس ختم ہو گئے۔

اس جنگ میں دولت علیہ نے اتنا کچھ کھویا کہ کسی دوسری جنگ میں نہ کھویا تھا۔ دنیا نے پولینڈ کی تقسیم اور فرانس کے خلاف ۱۸۱۵ء کے عام یورپین اتحاد کے بعد کسی اور سلطنت کے حقوق پر ایسی متحدہ دست درازی کبھی نہ دیکھی تھی جیسے ۱۸۷۸ء میں ٹرکی پر کیگئی۔ دول یورپ سب کے سب دولت علیہ کے خلاف ایک ہو گئے تھے اور ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ اس کے مقبوضات کا کچھ حصہ حاصل کرے۔ مگر سب سے زیادہ جس چیز نے دولت علیہ کو نقصان پہنچایا وہ انگلستان کے ساتھ اس کا حسن ظن تھا۔ اس نے اس سلطنت کے نصائح پر عمل کیا۔ اور اس کے آرا کا اتباع کر کے آستانہ کی کانفرنس میں دول کے مطالبات رد کر دیئے محض اس امید پر کہ جنگ چھڑنے پر وہ اس کی مدد کریگی۔ اس کا نتیجہ اسے بھگتنا پڑا کہ نقصانات جنگ کے علاوہ برلن کانگریس میں اسے وہ مطالبات ماننے پڑے جنسے آستانہ کانفرنس کے مطالبات کو کچھ نسبت نہیں کاش اگر دولت علیہ ان لوگوں کی آواز پر کان دھرتی جو برابر پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ حکومت انگلستان اپنی اظہار دوستی میں دھوکہ دے رہی ہے، اسکے بجز اپنی منفعت کے اور کچھ پیش نظر نہیں ہے۔ اور وہ اپنے اغراض کو حاصل کرنے کے لئے ہر دوستی اور اتحاد کو قربان کرنے پر تیار ہے۔ تو شاید وہ ان زبردست مصائب سے محفوظ رہتی جو جنگ کے زمانہ میں انگریزوں سے دھوکہ کھا کر بھی انپر اعتماد کیا۔ اور اس امید پر کہ انسے برلن کانگریس میں مدد دینگے قبرص ان کے حوالہ کر دیا۔ بلکہ اس سے زیادہ استعجاب و استغراب اس وقت ہوتا ہے جب برلن کانگریس کے بعد بھی دولت علیہ میں انگریزی اثر کو باقی اور برطانی مصالح کو مرجح دیکھتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ برلن میں تجربہ حاصل کرنے کے بعد عثمانی مدبرین برطانی فریب کاریوں سے بہت کچھ باخبر ہو گئے تھے مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ چند ہی سال بعد انھوں نے مسئلہ مصر میں بدترین طریقہ سے دھوکہ کھایا تو قرآن کی آیت [illegible] بے معنی معلوم ہوتی ہے۔

اسپر لطف یہ ہے کہ لارڈ بیکنز فیلڈ جب برلن کانگریس سے واپس تشریف لیگئے تو انھیں برطانی پارلیمنٹ میں یہ کہتے ہوئے ذرہ برابر بھی شرم نہیں آئی کہ "اس کانگریس نے دولت علیہ کے اقتدار کو قوی اور اسکے استقلال کو مستحکم کردیا ہے"

میرے نزدیک اس زمانہ میں انگلستان پر دولت علیہ کا وثوق و اعتماد در اصل دخلا کے نفوذ و اقتدار کا نتیجہ تھا۔ زیادہ صاف اور واضح الفاظ میں دولت علیہ کے مصائب کا سبب اصلی یہ تھا کہ اسکے جسم میں ہر طرف دخلا پھیلے ہوئے تھے۔ اس فصل میں قارئین کرام دیکھ چکے ہیں کہ ایک روسی الاصل شخص جسکا اصلی نام چارلس ڈیٹروا تھا عثمانی سپہ سالار کے درجہ تک پہنچ گیا۔ اور یہاں تک اسپر اعتماد کیا گیا کہ شہید البطل عثمانی عبدالکریم پاشا مرحوم کی جگہ تمام عساکر عثمانی کی باگیں اس کے ہاتھ میں دیدی گئیں۔ دولت علیہ کے اضمحلال کی اصل وجہ ایسے ہی لوگ ہیں۔ ایسی سلطنت تمدن و تجارت میں کیونکر ترقی کرسکتی ہے، اور اپنے اعدا پر اسکو کسطرح فتح نصیب ہوسکتی ہے جس کے مفاد و مصالح کی نگرانی ان گھر کے بھیدیوں پر چھوڑ دیگئی ہو اور انھیں کامل اختیار دیدیا گیا ہو کہ جس طرح چاہیں انتظام کریں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوسکتا ہے کہ برلن کانگریس جیسے اہم اجتماع دول میں جسپر دولت عثمانیہ کی قسمت کا فیصلہ منحصر تھا، قرہ تھیوڈوری پاشا ایک یونانی اور محمد علی پاشا اصل چارلس ڈیٹروا ایک روسی کو عثمانی ڈیلیگیٹ بناکر بھیجا جاتا ہے!

واقعہ یہ ہے کہ ملک و ملت کی جو سب سے بڑی خدمت اعلیحضرت سلطان المعظم عبدالحمید خان کر رہے ہیں وہ یہی ہے کہ ان کی تمام تر کوشش دخلا کے وجود سے سلطنت کو پاک کرنے پر صرف ہو رہی ہیں اور تمام فوجی و ملکی معاملات میں سب سے پہلے حقیقی عثمانیوں پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ گذشتہ جنگ ترکی و یونان میں بہت سے عثمانیوں اور بہت سے مسلمانوں کو رات دن یہ خوف لگا ہوا تھا کہ نہ معلوم کتنے دخلا ترکی فوجوں میں شریک ہو جاتے ہیں اور کب ان کی بدولت ترکی کو شکست ہوتی ہے۔ مگر ادہم پاشا اور ان کے رجال حرب نے ثابت کردیا کہ خلیفہ اعظم امور مملکت میں ملک کے سچے اور حقیقی فرزندوں پر بھروسہ کرتے ہیں اور اب دولت عثمانیہ میں دخلا کے لئے وہ اثر و اقتدار باقی نہیں رہا ہے۔

قارئین کرام نے دیکھا کہ [illegible] کی جنگ محض بلاد بلقان کی سبب سے برپا ہوئی۔ چاہئے تھا کہ دول یورپ آئندہ کی خونریزی و فساد کو روکنے کے لئے ان ممالک میں امن و سلامتی کے قیام کی کوشش کرتے۔ مگر برخلاف اس کے برلن کانگریس کی تجاویز نے بلقانی اقوام میں اور زیادہ بغض و عداوت کے بیج بو دئے اور دائمی کراہت و دشمنی کا سامان کردیا۔ چنانچہ رومانیا برلن کانگریس کے بعد روس کا دشمن ہوگیا اور اس کے دل میں گرہ بیٹھ گئی۔ کیونکہ اسنے دیکھا روس نے اس مساعدت کا احسان نہیں مانا جو اس نے (یعنی رومانیا نے) جنگ میں مال و جان سے اسکے ساتھ کی تھی، بلکہ الٹی اسکی (یعنی رومانیا کی) مخالفت کی۔ اسی طرح سرویا و مانٹی نیگرو آسٹریا کے سخت دشمن ہوگئے کیونکہ دولت آسٹریا نے بوسنیا و ہرزیگوینا پر استیلا کامل کرلیا حالانکہ یہ دونوں ریاستیں شروع سے خود آپس میں بانٹ کھانا چاہتی تھیں۔ بلغاریا نے برلن کانگریس کے بعد اپنی وحدت مکمل کرنے کے لئے دول کے بین برخلاف مشرقی رومیلیا کو ملحق کرنے کی تیاری شروع کردی اور مصمم ارادہ کرلیا کہ خواہ اسکے عوض جنگ ہی کیوں نہ بھگتنی پڑے مگر بہر حال یہ مقصد حاصل کرنا چاہئے۔ یہی حال یونان کا

و بداتی کا آشیانہ بنگیا۔ ایسا کہ نہ وہ اس سے واقف ہے اور نہ اس سے جانتا ہے۔

روس اس کوشش میں تھا کہ دولت علیہ سے بلقان کو چھین لے، اور وہ بڑی بڑی امیدیں لگائے بیٹھا تھا کہ اس ملک کو لے کر وہ اپنا اقتدار بہت کچھ بڑھائیگا اور اسے جس طرح چاہیگا استعمال کریگا مگر برلن کانگریس کے بعد اسے تحقق ہوگیا کہ اسنے خود ہی اپنے ہاتھ سے بلقان میں اپنے دشمن تیار کئے ہیں، اور ان قوتوں کو اپنے اغراض کے لئے استعمال کرنا اس کی قدرت سے بالکل باہر ہے۔ خود بلغاریا جسے آزاد کرلنے اور مشرقی رومیلیا دلوانے کے لئے اس نے اپنی ساری کوشش صرف کردی تھی وہ اسٹامبولوس (Stambuloff) کے طویل زمانہ وزارت میں برابر اس کی مخالفت سیاست پر عمل کرتا رہا؛

اس فتنہ کے تمام حادث جس کا ہم ذکر کرتے ہے اپنی تخلیق کے لئے پرنس بسمارک کے رہین منت تھیں۔ یہی شخص تھا جس نے ابتدا کار میں روس کو اکسایا اور اس کی ہمت افزائی کی، یہی شخص تھا جو آسٹریا کی سیاست میں رہنمائی کررہا تھا یہی شخص تھا جسے برلن کانگریس میں سب سے زیادہ زبردست آواز حاصل تھی، اور بالجملہ یہی شخص تھا جسنے زیر بحث فتنہ میں دولت علیہ پر نازل ہونیوالی بلاؤں کا اغلب حصہ پیدا کیا مگر اس نے جو کچھ کیا اپنے ملک کی مصلحت و اپنے وطن کی بھلائی کے لئے کیا جو تمام عظماء و اکابر رجال کی شان ہے۔ اس نے فتنہ کی ابتدا ہی میں دیکھ لیا تھا کہ روس ترکی مقبوضات کو ہضم کرنے اور دولت علیہ کو نگل کر مسئلہ شرقیہ کو حل کرنے کی طمع رکھتا ہے، اور اس کام میں اس مدد کے عوض جو ۱۸۶۶ء میں آسٹریا کے خلاف اور ۱۸۷۰ء میں فرانس کے خلاف اُس نے جرمنی کو پہنچائی تھی۔ اس سے (یعنی جرمن سے) مدد کی توقع رکھتا ہے۔ اوپر ہم ذکر کرچکے ہیں کہ روس، جرمنی اور آسٹریا نے اتحاد ثلاثی کرلیا تھا، اس کی اصل یہ تھی کہ پرنس بسمارک نے ابتدائے کار ہی میں روس کی مزاحمت کرنے کا یہ لازمی نتیجہ سمجھ لیا تھا کہ وہ آسٹریا سے اتحاد کرے گا اور پھر فرانس کو اپنے ساتھ لاکر جرمنی کے خلاف ایک اتحاد ثلاثہ قائم کرلے گا۔ اسکے ساتھ ہی بسمارک کے نزدیک یہ بات بھی امور بدیہہ میں سے تھی کہ دولت علیہ کے استقلال کی حفاظت کرنا جرمنی کی عین مصلحت ہے تا کہ وہ ہمیشہ کے لئے ایک مشغل بنا لے، اور ایک طرف اسے اپنے ساتھ الجھائے رکھے اور دوسری طرف اسکے اور انگلستان کے درمیان مشکلات پیدا کرنے کا سبب قوی بنا لے جس سے جرمن کے خلاف اسے کوئی کارروائی کرنے کا موقع نہ مل سکے پس پرنس بسمارک نے جرمنی کے لئے یہ پالیسی مقرر کی تھی کہ وہ نہ تو علانیہ روس کی مخالفت کرے، اور نہ دولت علیہ کے خلاف اسکی کوئی مدد کرے۔ اسی لئے جب بوسینیا و ہرزیگوینا میں بغاوت شروع ہوئی اور بلقان کے حالات مضطرب ہونے لگے تو اس نے روس کو اکسایا، مگر جب اس نے دیکھا کہ روس لامحالہ اس سے مدد طلب کریگا، اور اپنے مصالح کے خلاف اس کے (یعنی روس کی) مدد کرنے سے انکار کرنے پر وہ جرمنی کا دشمن ہوجائیگا؛ اس لئے اس نے آسٹریا اور روس میں عداوت پیدا کردی اور اول الذکر سے اتحاد کرلیا جو جرمنی کی سلامتی اور اسے روس کی مخالفت سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک ضمانت کی حیثیت رکھتا تھا۔ بسمارک نے ہر طرح آسٹریا کو مسائل بلقان میں خاص طور پر حصہ لینے اور روس کی مخالفت کرنے پر ابھارنا شروع کیا۔ اس کی خوش نصیبی سے شہنشاہ آسٹریا اس وقت چاہتا تھا کہ ان علاقوں کے نقصان کی تلافی کیلئے جو اس نے جرمنی اور اٹلی میں کھو دیئے تھے، ترکی کے مقبوضات پر استیلا حاصل کرے اس خواہش سے فائدہ اٹھا کر بسمارک نے ترکی کے خروج پر آسٹریا کی سیاست کو جرمنی کے لئے خرید لیا اور اس طرح آسٹریا اور روس کے درمیان بغض و عداوت پیدا کردینے میں کامیاب ہوگیا؛

جب جنگ ختم ہونے پر بسمارک کے ارادے پورے ہوگئے اور آسٹرین مدبرین کی فکر دولتِ روسی مدبروں کی پالیسی کے عین مخالف واقع ہوگئی تو جرمنی کے داہیۂ سیاست نے بوسینیا اور ہرزیگوینا پر استیلا حاصل کرنے کیلئے آسٹریا کی مدد کی اور آخرکار جب برلن کانگرس نے اس کی خواہش کے مطابق فیصلہ کردیا تو روس کا کینہ آسٹریا کے ساتھ اور بھی بڑھ گیا۔ کانگرس ختم ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ آسٹریا نے جرمنی کے ساتھ اتحاد کرلیا اور بسمارک کی کامیابی اپنی اس زبردست سیاست میں تکمیل ہوگئی۔ اسکے بعد بسمارک نے دوسری طرف توجہ کی۔ اس نے دیکھا کہ فرانس اور اٹلی کے گہرے دوستانہ تعلقات اور تاریخی علائق، ممکن ہے کہ کسی وقت ان دونوں سلطنتوں میں حلیفانہ اتحاد پیدا کردیں اور روس اس میں شرکت کرکے جرمنی آسٹروی اتحاد کے خلاف ایک دوسرا دول اتحاد قائم کرے، علاوہ ازیں اس نے خیال کہ جرمنی آسٹروی اتحاد اسوقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک اٹلی اس میں شرکت نہ کرے۔ اسلئے فرانس کے ارباب سیاست ٹیونس پر قبضہ کرنے کی زبردست خواہش رکھتے ہیں اور وہ یہ بھی یقین رکھتا تھا کہ ٹیونس میں فرنچ اقتدار کی ترقی اٹلی کے مصالح کو سخت نقصان پہنچائیگی اور اس طرح فرانس اور اٹلی میں شدید عداوت پیدا ہوجائیگی۔

فرنچ مدبرین کو جب علم ہوا کہ جرمنی خوشی کے ساتھ ٹیونس میں فرنچ اقتدار کی تقویت کو قبول کرسکتا ہے تو انھوں نے بلاد تونس پر حملے کرکے انھیں فتح کرنے اور انپر اپنی حمایت قائم کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اور آخر نتیجہ یہ ہوا کہ اس بدبخت عثمانی صوبہ پر فرنچ حمایت قائم ہوگئی اور وہ ایک یورپین سلطنت کے قبضہ میں چلا گیا اس حمایت سے بسمارک نے اپنی وہ غرض حاصل کرلی جس کے لئے وہ کوشش کررہا تھا، یعنی فرانس اور اٹلی میں عداوت جڑ پکڑ گئی اور فرانس سے بدلا لینے کے لئے جرمنی آسٹروی اتحاد میں اٹلی شریک ہوگیا۔

اس طرح پرنس بسمارک نے اتحادِ ثلاثہ کی تشکیل مکمل کرکے دولت علیہ سے اپنے تعلقات درست کرنے اور آستانہ میں اپنا نفوذ بڑھانے کی کوشش شروع کی۔ اتبک اسکے ملک کی مصلحت یہ تھی کہ دولت عثمانیہ کے خلاف عمل کرے اور اسکے مقبوضات پر قبضہ کرنے میں دول یورپ کی مساعدت کرے۔ مگر اب وہ کام پورا کرچکنے کے بعد اس کی یہ مصلحت ہوگئی کہ جرمنی پر حملہ کرنے سے روس کو باز رکھنے اور مشرق میں حسن نفوذ بڑھا کر تجارتی ترقی کرنے کے لئے اسے دولت عثمانیہ سے دوستانہ تعلقات پیدا کرے۔

بسمارک کی اس چال سے روس آگاہ ہوگیا۔ اس نے فرانس کی طرف توجہ کی اور جمہوریہ فرانس سے دوستانہ روابط مضبوط کرنے لگا تاکہ یورپ میں تنہا جرمنی ہی کا بول بالا نہو۔ پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ روسی فرانسیسی تحالف کا بنیادی پتھر برلن کانگریس ہی کے نتائج نے رکھا تھا۔

رہا انگلستان سو اس سے روس کے تعلقات برلن کانگریس کے بعد بہت مکدر ہوگئے۔ روسی مدبروں نے یقین کرلیا۔ کہ دولت علیہ سے انکی جتنی لڑائیاں ہوئی ہیں، ان سب کا فائدہ تنہا انگلستان ہی نے اٹھایا ہے پس اس کی عین مصلحت یہ ہے کہ روس ٹرکی سے لڑلڑ کر خود بھی کمزور ہوتا ہے اور اسے بھی کمزور کرتا ہے تاکہ مشرق ادنےٰ[1] و اقصےٰ میں صرف اس ہی کی سیادت قائم ہوجائے، بالکل اس طرح جس طرح فرانس اور جرمنی کی عداوت مستمرہ سے انگلستان یورپ میں اپنا نفوذ بڑھا رہا ہے۔ پس برلن کانگریس کے بعد انگلستان اور ٹرکی کے درمیان عداوت پیدا ہوجانے کا یہ نتیجہ ہوا کہ روس اور ٹرکی میں تقرب پیدا ہورہا ہے۔ اور

۱؎ مشرق ادنےٰ سے بلاد عرب، شام، ایشیائے کوچک مراد ہیں جنہیں Near East کہتے ہیں، اور مشرق اقصےٰ سے بلاد چین جنہیں (Far East) کہتے ہیں۔

دونوں کے تعلقات بہت کچھ درست ہوتے جاتے ہیں۔ اب روس دولت علیہ کے ساتھ اُسوقت تک صفائی رکھیگا۔ جب تک مشرقی اقطے میں اُسے اپنا اثر بڑھانے اور ایشیا میں انگلستان کے اثر کو شکست دینے کی ضرورت ہے۔ روس اور انگلستان میں جتنی جتنی کدورت بڑھتی جائیگی اتنی ہی روس اور ٹرکی میں یہ صفائی زیادہ ہوتی جائیگی پس جو سلطنتیں مسئلہ مشرقیہ کے تمام فتنوں میں ایک دوسرے کی مدمقابل ہیں وہ انگلستان و روس ہیں۔ اسلئے مسئلہ مشرقیہ کے متعلق یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ وہ مشرق میں روس اور انگلستان کے اختلاف کا مسئلہ ہے جب کبھی انگلستان ٹرکی کی مددگاری کی صورت میں ظاہر ہوگا تو ضرور ٹرکی اور روس میں عداوت بڑھیگی اور جب کبھی وہ ٹرکی کے دشمن کی صورت اختیار کرے گا تو ضرور ٹرکی اور روس میں دوستی پیدا ہوگی۔

میں ناواقف نہیں ہوں کہ برلن کانگریس کے بعد روس نے شرقی رومیلیا کو بلغاریا سے ملحق کرلنے اور بلاد بلقان میں اپنا دینی و سیاسی نفوذ بڑھانے کی بہت کوشش کی تھی، مگر حال کے چند برسوں میں اور خصوصاً مسئلہ آرمینیا اور دولت علیہ و یونان کی جنگ کے بارے میں دولت علیہ کے ساتھ روسی سیاست کے تغیر کو تمام عالم دیکھ چکا ہے۔ ہمارے لئے اب یہ توقع کرنا محال نہیں ہے کہ دولت عثمانیہ سے روس کے تعلقات ہمیشہ کے لئے صاف ہوجائینگے۔ دول یورپ جتنے ہیں سب کے سب اپنی سیاست کو منافع و مصالح کے تغیر کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ یہی جرمنی ۱۸۶۶ء میں آسٹریا سے لڑا اور اُس کے بڑے بڑے دو صوبوں پر قابض ہوگیا، مگر جب ضرورت داعی ہوئی تو اُس سے ملگیا۔ اسی اٹلی نے آسٹریا سے بغاوت کی اور اسکی حکومت سے نکل گیا، پھر جب مصلحت نے تقاضا کیا تو فرانس کی مساعدت کو بھول گیا۔ اور اس سلطنت سے جو یورپ میں اس کی تنہا وفادار دوست تھے، پیٹھ موڑ کر آسٹریا سے ملگیا، کل یہی فرانس تھا۔ جس نے کریمیا میں روس سے جنگ کی، اور آج وہی فرانس سے جو اُس کا گہرا دوست ہے، تمام دول یورپ کی یہی شان ہے، سب اپنے مصالح کے خادم ہیں، کوئی کام اپنے منافع کے خلاف نہیں کرتے جب مصلحت متحد ہو جاتی ہے تو اتحاد کر لیتے ہیں اور جب مصلحت مختلف ہوتی ہے تو مخالف ہوجاتے ہیں پس جب اس میں کوئی شک باقی نہیں رہا کہ انگلستان کے خلاف ٹرکی اور روس کی مصلحتیں مشترک ہوگئی ہیں تو ہر شخص کے لئے یقین کرلینا کچھ بھی مشکل نہیں کہ دولت علیہ اور روس کے تعلقات برابر دوستانہ و محبانہ رہینگے، اور جب تک عثمانی سیاست برطانی مصالح و اغراض کی خدمت سے محترز رہیگی اُن میں کوئی کدورت نہ پیدا ہوگی۔ برطانیہ کے مدبروں نے بھی اس حقیقت کا ادراک کرلیا ہے۔ اور اُنہیں سے بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ہندوستان کا موجودہ ہیجان و اضطراب بھی ٹرکی و روس کے اتفاق نے پیدا کیا ہے۔

بہرحال مستقبل اچھی طرح ہمیں بتلائیگا کہ روس اور دولت علیہ کی صفائی کب تک باقی رہتی ہے اور دولت آل عثمان کے ساتھ ہر سلطنت کونسی سیاست اختیار کرتی ہے۔

برلن کانگریس کے بعد

گذشتہ فصل میں قارئین کرام دیکھ چکے ہیں کہ برلن کانگریس نے بلاد بلقان میں اضطراب و ہیجان کے اسباب و داعی پیدا کردئیے تھے۔ اب ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ کانگریس کو ختم ہوئے کچھ زیادہ مدت

نہ گذرنے پائی تھی کہ بلقان کی ہر قوم نئے نئے مطالبات نئی نئی خواہشات سے متہیج ہو کر بد امنی و اضطراب پیدا کرنے لگی۔ ان قوموں نے یہ سمجھ لیا کہ یورپ ہر معاملہ میں ان کا ناصر و مددگار ہے، اس لئے ان کی ہمتیں اور بڑھ گئیں، اور طمع و ہوس نے اور زیادہ ان کی فساد پسندی کو ترقی دی۔

قارئین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ برلن کانگریس نے بلغاریا کے جنوب میں ایک نئی ولایت قائم کرنے کا فیصلہ کیا تھا جو دولت علیہ کے ماتحت اندرونی حیثیت سے آزاد ہو، اور ریاست بلغاریا کے ساتھ اس ولایت میں بھی ۹ مہینہ تک روسی فوجوں کا احتلال قائم رہے۔ اس مدت میں روسیوں نے اس دینی اتحاد و مذہبی رابطہ کے لحاظ سے جو انھیں بلغاریوں کے ساتھ حاصل ہے، مشرقی رومیلیا کے باشندوں کو بھڑکانے اور انھیں دولت علیہ سے کٹ کر بلغاریا سے جڑ جانے کی ترغیب دینے، اور اس طرح وحدت بلغاری کا سنگ بنیاد رکھنے کی کوششیں کیں۔ انھوں نے دول کی اعانت سے فائدہ اٹھا کر رومیلیا کے عام باشندوں میں شر و فساد کی تخم ریزی کی، اس امید پر کہ جب وہ مدت قیام ختم کر کے یہاں سے جائینگے اور ان کی جگہ ترکی فوجین اپنا احتلال قائم کرنے کی کوشش کرینگی تو یہ لوگ ہر طرف سے بغاوت برپا کر دینگے اور اس طرح شر و فساد کے شعلوں کو مشتعل دیکھ کر یورپ مداخلت پر مجبور ہو جائے گا جس کے بعد یا تو اس ولایت پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لئے اسے روس کو تکلیف دینی پڑیگی یا مجبوراً ریاست بلغاریا سے اسکو ملحق کر دینا پڑیگا۔

جب مشرقی رومیلیا سے روسی فوجوں کے تخلیہ کا وقت آیا تو روس نے دول یورپ کو ایک یادداشت بھیجی جس میں لکھا تھا کہ نئی ولائیت کی تنظیم و اصلاح سے پہلے وہاں عثمانی فوجوں کے داخلہ کا لازمی نتیجہ بد امنی و اضطراب ہوگا، اور اسلئے تجویز پیش کی کہ جو بین الدولی کمیشن بلغاریا اور مشرقی رومیلیا کی تنظیم کے لئے مقرر کیا گیا ہے اس کی مدت ایک سال کے لئے اور بڑھا دی جائے اور اس ایک سال کی مدت میں تمام یورپین سلطنتوں کی مخلوط فوجیں ولایات مذکورہ پر احتلال قائم کریں۔ روس کو یقین تھا کہ دول یورپ اپنی فوجیں بھیجنا ہرگز قبول نہ کرینگی بغیر کسی ادنےٰ نفع کے کثیر مصارف برداشت کرنا انھیں ناگوار ہوگا۔ پس اسے یقینی توقع تھی کہ یہ چھ مہینے گذار کر اُسے مزید ایک سال کے لئے یہاں اپنی فوجیں رکھنے کا موقع ملجائیگا۔ باب عالی نے اس یادداشت کا یہ جواب دیا کہ مشرقی رومیلیا میں روسی یا یورپین فوجوں کا استمرار اول تو اہالی ولائیت مذکورہ کی نظروں میں دولت علیہ کی شان کو گھٹاتا ہے، یہ تجویز برلن کانگریس کے قرارداد کے خلاف ہے، اور اسکو قبول کرنے سے بلقانی فوجوں کو کانگریس کی دوسری قراردادوں پر بھی دست درازی کرنے کی جرات ہوگی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ بلاد بلقان میں اضطرابات کی آگ بھڑک اٹھیگی اور یورپ کے امن عام کو نقصان پہنچیگا۔ اس لئے دول کو ایسی تجویز ہرگز نہ قبول کرنی چاہئے۔ بعض یورپین سلطنتوں نے بھی ان حق اور جائز ملاحظات کو قبول کر لیا۔ اور باب عالی نے اپنے اعتدال کے مزید اظہار کے لئے یہ بھی اعلان کر دیا کہ وہ الیکو پاشا[1] ایک بلغاری الاصل آرتھوڈوکس مذہب افسر کو مشرقی رومیلیا کا والی مقرر کرنا چاہتا ہے۔ مگر دولت علیہ کے دشمنوں نے اس سرزمین میں شر و بغاوت کی ایسی تخم ریزی کی تھی کہ تھوڑی ہی مدت گذرنے کے بعد باشندگان ولایت اپنے جائز آقا کے خلاف علم بغاوت لے کر کھڑے ہو گئے۔ الیکو پاشا کو والی مقرر ہوئے چند روز گذرے تھے کہ مصاعب و مشاکل رونما ہونے شروع ہو گئے جنہیں یقیناً اس بلغاری گورنر جنرل نے باطنی مسرت کے ساتھ

[1] الیکو پاشا کا نام الگزنڈر ووگاریڈس (Alexandra Vogaridea) تھا

خوش آمدید کہا ہوگا ——— اور باشندگان ولایت نے اس سے مطالبہ کیا کہ قلعوں پر نہ عثمانی علم بلند کرے اور نہ اپنے سر پر طربوش (ترکی ٹوپی) رکھے، حتے کہ سرکاری رسوم و احتفالات میں بھی۔

جب دول نے یہ حال دیکھا تو روس سے درخواست کی کہ وہ اہالی رومیلیا کو امن پسندی اور برلن کانگریس کے فیصلوں کی اطاعت کا حکم دے۔ اُسنے خوشی کے ساتھ اسے قبول کیا مگر یہ شرط پیش کی کہ عثمانی فوجیں اس علاقہ میں داخل نہوں۔ دول نے دولت علیہ کے سامنے یہ شرط پیش کر دی، اور ساتھ ہی عدم قبول کیصورت میں جبراً تسلیم کرانے کی دھمکی بھی دیدی۔ یہ ہے دولت علیہ کے ساتھ یورپ کا برتاؤ۔ اسکی عیسائی رعایا کو تو وہ برخلاف قانون اور ناجائز حرکت کے ارتکاب میں نہ صرف قابل عفو بلکہ ہمت افزائی کا مستحق سمجھتے ہیں، مگر جب وہ اُنپر اپنے آئینی حق کو استعمال کرنا چاہتے ہیں تو یورپ اُسے دھمکیوں کے ساتھ منع کرتا ہے۔ اور ان حقوق کے جواز کا اعتراف کرتے ہوئے بھی اُنھیں دولت علیہ کے لئے شجر ممنوعہ قرار دیتا ہے!۔

اب قارئین کرام خود سمجھ جائینگے کہ اہالی مشرقی رومیلیا کو امن وسکون کا حکم دینے سے روس کا مقصد محض دول کو بھلانا تھا، جسکی وقت اور موقع کے لحاظ سے ضرورت تھی، ورنہ برلن کانگریس کے بعد بلاد بلقان میں روس کی سیاست صرف یہ تھی کہ مشرقی رومیلیا کو بلغاریا سے ملحق کرادے۔

دولت علیہ نے برلن کانگریس کی قرار دادوں کے ماتحت اسپوچ (Spuž) اور پوڈگورٹیزا Podgoritza کے قلعہ بلاد البانیا میں سے مانٹی نیگرو کے حوالے کردیے، مگر ریاست مانٹی نیگرو نے اپنے اس حصہ پر قناعت نہ کی جو برلن کانگریس نے اُسکے لئے مقرر کیا تھا، اور اپنے نیم سرکاری اخبار "دگیلاس سترا جورسا"، کے ذریعہ اعلان کردیا۔ کہ وہ جس علاقہ کو اپنی حکومت کے لئے ضروری اور لازمی سمجھتی ہے اُسپر قبضہ کرنے کے لئے مناسب وقت اور فرصت کی منتظر ہے"۔

البانیوں میں سپوچ اور پوڈگورٹیزا کی دست برداری پر عام جوش پیدا ہوگیا، حکومت مانٹی نیگرو کے خلاف ان کے جذبات مشتعل ہوگئے اور انہوں نے اس کے مقابلہ میں کھڑے ہوکر اس کی غلامی میں جانے سے انکار کرتے ہوئے عدم اطاعت کا اعلان کر دیا۔ کچھ زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ مانٹی نیگرو میں افواج سے بہادر البانیوں کے سخت خونریز معرکے ہونے لگے اور حکومت مانٹی نیگرو اُنھیں مطیع کرنے سے عاجز ہوگئی۔ دولت علیہ ان علاقوں سے اپنی فوج ہٹا چکی تھی اور مانٹی نیگرو کی فوجیں اُن کی حدود میں داخل ہوچکی تھیں مگر جب وہ البانیوں کو مطیع نہ کرسکیں تو حکومت مانٹی نیگرو نے دعوے کیا کہ دولت علیہ ان لوگوں کو بھڑکا رہی ہے حالانکہ اصل حقیقت یہ تھی کہ البانی قوم ایک بہادر قوم تھی جو ٹرکی کی حکومت سے نکلنا نہیں چاہتی تھی۔

مانٹی نیگرو کی حکومت جب البانیوں کی بغاوت کو فرو کرنے سے عاجز ہوگئی تو اُس نے یورپ سے فریاد کی اس پر دول یورپ نے دولت علیہ سے درخواست کی کہ وہ ان متنازعہ علاقوں پر دوبارہ قبضہ کرکے بغاوت فرو کرے اور پھر اُنھیں مانٹی نیگرو کے حوالہ کر دے اس مہمل درخواست کو دولت علیہ نے رد کر دیا۔ اور البانیوں کو مانٹی نیگرو کا مقابلہ کرنے اور اسکی فوجوں کو اپنے ملک سے نکال دینے کے لئے آزاد چھوڑ دیا۔ اس مسئلہ میں انگلستان سب سے زیادہ ٹرکی کے ساتھ عداوت کا اظہار کر رہا تھا۔ اس نے اپنی طرف سے یہ تجویز پیش کی کہ بندرگاہ ڈولسکنو Dulcigno کو بھی امارت جبل اسود کے حوالہ کر دیا جائے دولت علیہ کو مجبوراً اس بیہودہ تجویز کی مخالفت کرنی پڑی اور اس نے شہر ڈولسکنو کی بلندیوں پر فوجی پہرے قائم کر دیئے۔ انگلستان نے جب ٹرکی کو مزاحمت کے لئے تیار دیکھا۔ تو اسے دھمکی دینے کے لئے دول سے

تجویز کی کہ عثمانی سمندروں میں بحری قوت کا مظاہرہ کریں؛
۱۳ اگست ۱۸۸۰ء کو دول یورپ نے باب عالی کے نام پیغام بھیجا کہ یا تو بندرگاہ ڈولسگینو کو ۳ ہفتہ کے اندر مانٹی نیگرو کے حوالہ کرے یا بندرگاہ مذکور کے سامنے بحری مظاہرہ کرکے اہالی شہر کو تسلیم واطاعت پر مجبور کرنے کے لئے دول کے ساتھ شرکت کرے۔ اس کا جواب ۱۹ اگست ۱۸۸۰ء کو باب عالی نے یہ دیا کہ حکومت مانٹی نیگرو شہر ڈنیوش (Dinush) اور گروڈا (Gruda) کے مطالبے سے دست بردار ہو جائے تو وہ ڈولسگینو چھوڑنے پر تیار ہے اور پھر بھی تین ہفتوں سے زیادہ مہلت لے درکار ہوگی۔
اسی موقع پر خبر شائع ہوئی کہ سرویہ نے بلغاریہ سے دفاعی وہجومی اتحاد کا معاہدہ کرلیا ہے۔ پس جلالتمآب سلطان المعظم نے فوجیں جمع کرنے اور سرحدی استحکامات درست کرنے کا حکم صادر فرمایا۔
دولت علیہ نے رضا پاشا کو ایک زبردست فوج دے کر ڈولسگینو بھیجا۔ تاکہ اسکی حفاظت کریں مگر اہل شہر سمجھے کہ وہ انھیں مانٹی نیگرو کے حوالے کرنے کے لئے آرہے ہیں۔ اسلئے انہوں نے سخت مقابلہ کیا یہاں تک کہ رضا پاشا کو سامنے سے ہٹکر باب عالی سے جدید احکامات حاصل کرنے کے لئے شہر کے قریب ٹھہر جانا پڑا۔ اس اثناء میں لارڈ گرینویل (Lord Granville) نے برطانوی دارالعوام میں ۲۰ اگست ۱۸۸۰ء کو اعلان کیا کہ تمام دول یورپ نے بندرگاہ ڈولسگینو کے سامنے بحری مظاہرہ کرنے کے باب میں انگلستان کی رائے سے اتفاق کیا ہے اور اپنے بیڑوں کو برطانی امیرالبحر سیمور کی قیادت میں دیدیا ہے
باب عالی کو جب اس اتفاق کا علم ہوا تو اُسنے ۱۵ ستمبر کو اپنے سفراء کے ذریعہ ایک سرکلر دول یورپ کے پاس بھیجا جس میں اُنھیں مطلع کیا کہ قوت وجبر سے ڈولسگنو کو مانٹی نیگرو کے حوالے کرنے سے بلاد بلقان میں ایک اضطراب عام وہیجان عظیم برپا ہوجائیگا۔ البتہ حکومت عثمانیہ خاموشی کے ساتھ حسب ذیل شرطوں پر اس سے دست بردار ہوسکتی ہے:۔ اولاً مظاہرہ بحری کی تجویز پر عمل درآمد نہ کیا جائے۔ ثانیاً ڈولسگنو میں رہنے والے مسلمانوں اور عیسائیوں کی جان ومال کی حفاظت کا ذمہ لیا جائے ثالثاً شہر ڈینوش اور گروڈا دولت علیہ کے پاس رہنے دیا جائے۔ رابعاً آئندہ کے لئے عہد کیا جائے کہ مانٹی نیگرو کو دولت علیہ کی املاک میں سے کوئی حصہ دلائے جانیکی تجویز نہ کیجائے۔
اس موقع پر اہالی ڈولسگنو نے بھی دول کے قناصل کو ایک موثر پیغام بھیجا جس میں ان کے شہر کو مانٹی نیگرو کے حوالہ کئے جانے پر سخت احتجاج کیا گیا تھا۔ اور لکھا تھا کہ "ہم سخت ترین مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں خواہ اس میں ہمارا شہر زمین ہی سے کیوں نہ برابر کردیا جائے۔ اور ہماری آبادی کا ایک بچہ بھی زندہ نہ چھوڑا جائے۔ ہم کو ابتک یہی معلوم تھا۔ کہ دول یورپ اقوام وملل کی مصلحت کیلئے عمل کررہی ہیں ان کی بربادی وخرابی کیلئے مگر کیا اب ہمیں یہ رائے بدل دینی چاہیئے؟"
اس پیغام نے ترکی کے مسلمانوں پر بڑا اثر کیا اور عوام کے دلوں میں اسبات پر سخت ہیجان واضطراب برپا ہوگیا کہ اہل یورپ ابتک تو صرف عیسائیوں کو ہی حکومت سے نکالرہے تھے، مگر اب اسپر قناعت نہ کرکے وہ مسلمانوں کو بھی اسلامی حکومت کے جائز اور آئینی اقتدار سے نکال رہے ہیں، اور جبر وقہر سے انھیں عیسائیوں کی حکومت میں دینا چاہتے ہیں اور عیسائی بھی "بلغانی" ، جو ان کے بدترین دشمن ہیں۔

انگلستان نے دولت علیہ کے ساتھ یورپ کی مخالفت سے فائدہ اُٹھاکر دول سے درخواست کی کہ وہ آئے

ترکی بندرگاہوں پر قبضہ کرنے اور درۂ دانیال کا محاصرہ کرنے کی اجازت دیدیں۔ انگریزی اخبارات اعلیحضرت سلطان المعظم کے خلاف سخت زہر اگل رہے تھے۔ اور یورپ کو مشورہ دے رہے تھے کہ اُنھیں تخت سے اتار دے جرمنی نے اس موقع پر امن وامان سے اس مسئلہ کو حل کرا لینے اور ممالک بلقان کو بد امنی سے بچانے کے لئے سعی بلیغ کی اور دولت علیہ کو مشورہ دیا کہ جلد سے جلد ڈولسگنو کو مانٹی نیگرو کے حوالہ کر دے تاکہ انگلستان کو مزید مشکلات پیدا کرنے اور اضطراب و بےچینی پیدا کرنے کے لئے کوئی بہانہ نہ مل سکے۔ آخر دولت علیہ نے یہ دیکھ کر کہ سارا یورپ اُسکے خلاف متحد ہو گیا ہے اور دول یورپ میں اس کا ساتھ دینے والا ایک بھی نہیں مجبوراً جرمنی کی نصیحت پر عمل کیا اور ۱۲ اکتوبر کو اعلان کر دیا کہ وہ ڈولسگنو دیکھا مارشل جبل اسود سے اتفاق کر لینے پر تیار ہے۔ اس طرح ۲۶ نومبر ۱۸۸۰ء کو ڈولسگنو پر مانٹی نیگرو کا استیلا مکمل ہو کر یہ قضیہ ختم ہوا۔

برلن کانگریس کے ختم ہوتے ہی حکومت یونان نے اس فیصلہ کے مطابق جو کانگریس نے اس کے مطالبہ پر کیا تھا، باب عالی سے جدید سرحدوں کی تعیین کے بارے میں گفت و شنید شروع کر دی۔ باب عالی نے خلیج وولو (Gulf of Volo) کا ایک ثلث یونان کے لئے چھوڑ دینے پر رضامندی ظاہر کی اور جانینا (Janina) لاریسہ (Larissa) اور وولو دینے سے انکار کر دیا۔ مگر یونان کو پورے تھسلی اور ایپائرس کی طمع دامنگیر تھی اسلئے دونوں حکومتوں کے مخابرات کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکے اور یونان نے یورپ سے مساعدت و نصرت کی درخواست کی۔ اس پر لارڈ سالسبری وزیر خارجہ انگلستان نے دول یورپ کو ایک مذکرۂ رسمیہ بھیجا جس میں ٹرکی و یونان کے معاملہ کا فیصلہ کرنے کے لئے ایک بین الاقوامی کمیشن مقرر کرنے کی تجویز پیش کی۔

اس زمانہ میں مسٹر گوشن (Goschen) آستانہ میں انگریزی سفیر مقرر ہوئے، اور اُنہوں نے دولت علیہ سے تھسلی اور ایپائرس حاصل کرنے کے لئے اپنی حکومت کی طرف سے یونان کی اعانت کا کام اپنے ہاتھ میں لیا۔

دول یورپ نے لارڈ سالسبری کی تجویز کو منظور کر لیا اور دولت علیہ کو پیغام بھیجا کہ انھوں نے اُس کے اور یونان کے اختلاف کا فیصلہ کرنے کے لئے جون ۱۸۸۰ء میں بمقام برلن ایک کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

حسب تجویز ماہ جون میں پرنس ڈی ہوہنلوہ کے زیر صدارت کانفرنس منعقد ہوئی اور اس میں یونان اور ٹرکی دونوں کے نمائندے نہیں قبول کئے گئے۔ دول کے نمائندوں نے طے کیا کہ تھسلی اور ایپائرس کا ایک بڑا حصہ یانینا، متزوو (Metsovo) اور لاریسا سمیت یونان کو دیدیا جائے۔ ۱۵ جولائی ۱۸۸۰ء کو سفرائے دول نے ایتھنز اور آستانہ میں حکومت یونان اور حکومت عثمانیہ کے سامنے برلن کانفرنس کی اُن تجاویز کو پیش کر دیا۔ حکومت یونان نے تو بصد امتنان کے ساتھ انہیں قبول کر لیا اور دول کا شکریہ ادا کیا مگر باب عالی نے ان کو قطعاً مسترد کر دیا۔ اور اپنے جواب میں دول یورپ کو مطلع کیا کہ دولت علیہ کا ان شہروں اور علاقوں سے یونان کے حق میں دست بردار ہو جانا یونان کے لئے مقبوضات عثمانی کا راستہ صاف کر دیگا اور ترکی ممالک پر حملہ کرتے رہنا اُسکے لئے آسان ہو جائیگا۔

علاوہ ازیں ان مقامات کے باشندوں میں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ دول نے دوبارہ دولت علیہ پر زور دیا کہ ان تجاویز کو قبول کرے، مگر دولت علیہ اپنی پچھلی پالیسی پر قائم رہی اور جانینا، متزوو اور لاریسا کو چھوڑنے

سے انکار کر دیا۔

یونان نے یہ حال دیکھ کر فوجیں جمع کرنی شروع کیں، اور دولت علیہ کے مقابلہ میں جنگ کی استعداد ظاہر کرنے لگا۔ اسکے اخباروں اور مقرروں نے علے الاعلان اسبات کا اظہار شروع کر دیا کہ اگر دول یورپ برلن کانفرنس کی تجاویز کو جبراً منظور کرانے پر تیار نہیں ہیں، تو حکومت یونان تلوار کے زور سے انہیں نافذ کرانے پر آمادہ ہے۔ اگرچہ یونان کے مقابلہ میں تو دولت علیہ ہر طرح سامان جنگ اور افواج کے لحاظ سے قوی تھی۔ مگر یونان کو جنگ جاری ہونے کی صورت میں دول یورپ سے مدد کی توقع تھی، اور اُسے ایسی توقع کرنے کا حق تھا، کیونکہ اسے ہر موقع اور ہر معاملہ میں یورپ سے مدد ملتی رہی تھی۔

دول یورپ یہ چاہتے تھے کہ جنگ کے بغیر اختلاف دُور ہو جائے اور باب عالی کی طرح خود بخود ان تجاویز کو قبول کر لے جو برلن کانفرنس میں طے کی گئی ہیں، تاکہ یونان کو جنگ کا تلخ نتیجہ نہ بھگتنا پڑے اور بلاد بلقان لڑائی کی آگ سے محفوظ رہیں۔ اس مقصد کے لئے فرانس نے دول یورپ اور دولت عثمانیہ کو یہ رائے دی کہ دونوں فریق کسی ایک یورپین سلطنت کو اپنے قضیہ کا آخری فیصلہ کرنے کے لئے حکم بنا لیں۔ مگر دولت علیہ نے اس رائے کو قبول نہیں کیا، اس موقع پر یونانیوں کی انتہائی کوشش یہ تھی کہ ٹرکی پر اعلان جنگ کر دیں چنانچہ یونانی گورنمنٹ نے فوج کے لئے ضروری اسلحہ خریدنے اور استعدادات حربیہ کی تکمیل کے لئے پارلیمنٹ میں ایک ریزولیوشن پیش کیا۔ اور اس نے بالاجماع اُسے پاس کر دیا۔

۱۴؍جنوری ۱۸۸۱ء کو حکومت عثمانیہ نے دول سے درخواست کی کہ برلن کانفرنس کے فیصلہ کو منسوخ کر دے اور آستانہ میں ایک دوسری بین الدولی کانفرنس منعقد کرے جسمیں دولت علیہ کے نمائندے شریک کئے جائیں اور یونان کے نہ شریک کئے جائیں۔ اور اس کانفرنس کا فیصلہ آخری ہو۔ دول یورپ نے دولت علیہ کی اس درخواست کو فوراً قبول کر لیا، اور اس طرح دولت علیہ کو اس کانفرنس کے فیصلہ پر سر جھکا دینا لازم ہو گیا جسے خود اس نے آستانہ میں دعوت دی تھی۔

مجوزہ کانفرنس جب آستانہ میں منعقد ہوئی تو بعض ارکان نے جزیرہ کریٹ اور تھسلی کے ایک حصہ کو چھوڑ دینے کی تجویز پیش کی، اور بعض نے مطالبہ کیا کہ پورا تھسلی اور ایپائرس کا ایک جز چھوڑ دیا جائے۔ یہ بین الدولی کانفرنس تو یہاں اس مناقشہ میں مشغول تھی اور ادھر یونانی اپنی فوجوں کی ہتھیار بندی، اپنے لشکروں کو تنظیم، اپنے سامان جنگ اور استعداد حرب کی تکمیل میں مشغول تھے، اور ٹرکی سے جنگ کرنے کے لئے پوری طرح آمادہ ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ موسیو ٹریکومیس (Tri Koupes) نے جو یونانی پارلیمنٹ میں حزب المعارضین[1] کا لیڈر تھا۔ اپنی تقریر میں کہا کہ "حکومت یونان حزب المعارضین کے ساتھ اس رائے میں اتفاق کرتی ہے کہ اب ٹرکی سے جنگ کے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہا ہے"۔ اور موسیو کومونڈوروس (Koumoundouros.) وزیر اعظم نے اس کے جواب میں اعلان کیا کہ وہ میں جنگ کو ناگزیر تو نہیں کہتا مگر میرے نزدیک بہت ممکن ہے۔ کہ عنقریب جنگ چھڑ جائے"۔

آستانہ کانفرنس اپنے مناقشات میں مصروف تھی، مگر کسی ایک بات پر دول کے نمائندے ترکی نمائندوں

---

[1] ہر پارلیمنٹ میں ایک جماعت ہوتی ہے جو موجودہ یا برسر اقتدار پارٹی کی سیاست سے اختلاف کرتی ہے اس جماعت کو عربی میں حزب المعارضین کہتے ہیں۔ انگریزی میں اسے (opposition) کے نام سے پکارا جاتا ہے

کے ساتھ متفق نہیں ہوتے تھے۔ آخر تمام یورپین نمائندوں نے طے کیا کہ وہ خود آپس میں ایک آخری فیصلہ کرکے اُسے ٹرکی کے سامنے رد یا قبول کرنے کے لئے پیش کر دیں۔ چنانچہ اُنہوں نے باہم بحث کرکے یہ فیصلہ کیا۔ کہ تھسلی پورا اور ایپائرس دریائے آرٹا ( ) تک یونان کو دیدیا جائے، اور پریوزا ( ) دولت علیہ کے پاس رہے مگر اس کے قلعہ منہدم کر دیئے جائیں۔ سفرائے دول نے حکومت عثمانیہ اور اور حکومت یونان دونوں کو یہ فیصلہ بھیجدیا۔ حکومت یونان نے اسے فوراً منظور کرکے ۱۲ اپریل ۱۸۸۱ء کو دول یورپ سے درخواست کی کہ وہ جلد سے جلد اُن علاقوں پر اُس کا قبضہ قائم کرا دیں جو اُنہوں نے اسکے لئے تجویز کئے ہیں۔ مگر حکومت عثمانیہ نے جب دیکھا کہ اُسکے خلاف تمام سلطنتیں متحد ہو گئی ہیں تو اُس نے اس فیصلہ کو قبول کرتے ہوئے حسب ذیل شرطیں پیش کیں :۔

اولاً۔ حکومت یونان ان علاقوں کے رہنے والے مسلمانوں کو اسوقت تک اپنی فوج میں بھرتی نہ کرے جب تک دولت علیہ اپنے ممالک محروسہ میں رہنے والے یونانیوں کو اپنی فوج میں بھرتی نہیں کرتی ہے۔

ثانیاً۔ شہر دولو کے قلعہ منہدم کر دیئے جائیں، اور

ثالثاً۔ ٹرکی میں رہنے والے یونانیوں کے مقدمات آئندہ سے عام ترکی عدالتوں میں پیش کئے جایا کریں۔

مگر دول یورپ نے یونان کی حمایت اور دولت علیہ کی مخالفت میں حد سے زیادہ مبالغہ کیا اور ان جائز شرطوں کو رد کرتے ہوئے دولت علیہ سے جبراً یہ فیصلہ قبول کرانے کے لئے ۲۲ مئی کو سب نے ایک اتفاق نامہ پر دستخط کر دیئے۔ آخر دولت علیہ نے مجبور ہو کر یونان سے مغایرت کرکے اس امر پر اتفاق کر لیا کہ ۵ مہینہ کے اندر مجوزہ فیصلہ کے مطابق بلاد متنازل عنہ سے ترکی فوجیں واپس ہٹا لیجائیگی۔

برلن کانگریس کے بعد آسٹریا نے بوسینیا اور ہرزیگو نیا پر قبضہ کرنے کی تیاری شروع کی، اور جنرل فلیپو وچ ( ) کے زیر قیادت ایک لشکر جرار بوسینیا کی سرحد پر بھیجدیا۔ اور اسکے ساتھ ہی اہالی بوسینیا و ہرزیگونیا کے نام ایک اعلان شائع کیا جس میں لکھا تھا کہ دول یورپ نے ان کے ملک میں امن قائم کرنے اور انہیں ترقی دینے کے لئے آسٹریا کو مکلف کیا ہے، اور اعلےٰ حضرت سلطان المعظم نے اُسے تنظیم مملکت کے لئے اس ملک میں اپنا نائب مقرر کیا ہے (اور یہ سراسر جھوٹ تھا۔ جو آسٹریا نے محض مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے لکھا تھا) حکومت آسٹریا وعدہ کرتی ہے کہ وہ مختلف مذاہب میں کوئی امتیاز نہ برتیگی بلکہ اُس کا سب سے بڑا کام اہالی بوسنہ وہرسک کے درمیان مساوات اور عدل قائم کرنا ہوگا۔

مگر اس اعلان کے علی الرغم جب آسٹرین فوجیں بوسینیا کی سرحد پر پہنچیں تو تمام مسلمان مقابلہ کیلئے کھڑے ہو گئے۔ اور اپنے وطن کی مدافعت کا فرض ادا کرنے کے لئے سب نے کمریں باندھ لیں۔ آرتھوڈوکس مذہب کے عیسائی بھی۔ جو روس کے ہم مذہب اور اُسکے مخلص تھے ان کے ساتھ شریک ہوگئے اور ان مدافعین وطن نے بوسنہ سرائے ( ) اور شہر ہوستار ( ) میں بوسینیا وہرزیگونیا کی مدافعت کے مرکز قائم کئے۔

اہالی بوسینیا وہرزیگونیا نے بہادروں کی طرح اپنے ملک کی مدافعت کی، اور آسٹرین فوجوں کا سخت مقابلہ کرکے اُنھیں موت کا مزہ چکھا دیا۔ یہاں تک کہ آسٹرین افسروں کو بہت سے مواقع پر پسپا

ہونا پڑا اور آسٹرین حکومت نے مجبور ہو کر ان کی کمک کو ایک زبردست فوج بھیجی تاکہ وہ اہل ملک پر فتح حاصل کریں۔ اس حرکت وطنیہ میں بوسنوی مسلمانوں کا لیڈر حاجی لوجا ایک راسخ العزم وطن پرست تھا۔ جس نے آسٹریا کے خلاف اپنی قوم کو ایسی قابلیت کے ساتھ لڑایا کہ ابدالآباد تک وہ اپنے ملک و وطن کے تشکر اور تاریخ کی ثنا و تعریف کا مستحق ہو گیا۔

۱۰ اگست ۱۸۷۸ء کو شہر بوسنہ سرائے آسٹریوں نے فتح کر لیا۔ اور یہ وہ یادگار روز تھا جبکہ آسٹریوں نے اپنی فوج کا ایک بہت بڑا حصہ کھو دیا اور اپنے مقابلہ میں بوسنہ کی حفاظت کے لئے مردوں سے آگے عورتوں اور لڑکیوں کو لڑتے ہوئے دیکھا۔ اور یہی سچی وطنیت اور حقیقی حریت پرستی کا حق ہے۔

اس دفعہ اہالئی بوسینیا میں سے اکثر شہید ہوئے اور وطنیت حقہ و اخلاص ملی پر قربان ہو گئے۔

بوسینیا کا دارالحکومت ساقط ہو جانے سے اہالی کی ہمتیں پست نہیں ہو گئیں بلکہ وہ بہادروں کی طرح برابر لڑتے رہے اور بوسینیا کے شمالی علاقہ اور ہرزیگوینا کے پورے حدود میں آسٹریوں کے خلاف جنگ جاری رہی۔ پے درپے کئی مقامات پر بہادر بوسنویوں کے ہاتھوں آسٹریوں نے سخت شکست اُٹھائیں اور ان خونریز معرکوں میں اُنہوں نے ایسی ایسی سخت مشکلات کا سامنا کیا جو کسی عظیم الشان سلطنت کے ساتھ باقاعدہ جنگ میں انھیں پیش آسکتی تھیں۔ اور آخر ماہ اگست ۱۸۷۸ء میں جنرل سابار کو سخت نقصانات اُٹھانے اور اپنی فوج کا ایک بڑا حصہ کھو دینے کے بعد وہ علاقہ چھوڑنا پڑا جو اس نے دریائے ڈرینا (Drina) اور دریائے ساو (Save) کے درمیان حاصل کر لیا تھا، اور ۱۰ ستمبر کو جنرل ازمش نے بہادر بوسنویوں کے زبردست حملوں سے بھاگ کر بیہاکس کے مواقع خالی کر دیئے۔

بوسنہ سرائے کے فتح کے بعد آسٹریوں کو کہیں بوسنویوں پر فتح حاصل نہیں ہوئی۔ اِلّا اُس صورت میں کہ اُنھیں آسٹریا سے کثیر التعداد تازہ کمک پہنچ گئی ہو۔ چنانچہ اُنھیں پے درپے کمکوں کی بدولت اُنہوں نے شہر تریبنجہ (Trebinje) اور زوورنیک (Zvornik) پر قبضہ کر لیا اور رفتہ رفتہ پوری بغاوت کو فرو کر کے سارے ملک پر مستولی ہو گئے۔ مگر یہ کامیابی اسکے بعد حاصل ہوئی کہ اہالی بوسنہ و ہرسک نے اُنھیں شدید مصائب کا مزہ چکھا دیا۔ اور یہ ثابت کر دیا کہ وہ ایسی قوم نہیں ہے جو طیب خاطر سے دشمن کے آگے سر جھکا دیتے اور اپنا وطن اسکے حوالہ کر دینے پر تیار ہو سکتی ہے۔

اس فتنہ کی ابتدا سے انتہا تک اہل ہنگری دولت علیہ کے ہمنوا تھے، اور خود ان کے مصالح بھی اس ہمنوائی کے متقاضی تھے۔ بوسینیا و ہرزیگوینا پر آسٹریا کا استیلا آسٹرین ایمپائر میں سلاقیوں کی تعداد بڑھانے والا تھا۔ جس سے ہنگریوں کے نفوذ کو نقصان پہنچتا تھا۔ اسی طرح بلاد بلقان میں روس اقتدار کی ترقی ہنگریوں کی ہستی اور اُنکے وجود سیاسی کے لئے مہلک تھی، کیونکہ روس ہنگری کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ اور اسی نے آسٹریا کی ناکامی کے بعد ۱۸۴۹ء کی بغاوت ہنگری کو کچلا تھا۔ ان مصالح پر جب ہم ہنگریوں کے اس خلوص اور جذبۂ استحسان کو شامل کرتے ہیں جو اُن کے دلوں میں ترکوں کے احسانات نے پیدا کر دیا ہے، اور جب ہم یاد کرتے ہیں کہ ۱۸۴۹ء میں ترکوں نے ہنگری وطن پرستوں کا بہترین استقبال کیا تھا۔ اور انھیں آسٹریا کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا تھا تو ہمیں دولت علیہ سے ہنگری کی محبت اور پوری بلند آہنگی کے ساتھ ان کی حمایت کا اصلی سبب معلوم ہو جاتا ہے۔ بخصوصیت کے ساتھ جس بات کا ذکر ابدالدہر تک باقی رہیگا وہ یہ ہے کہ آسٹریا نے اپنی فوجوں کے ساتھ ایک ہنگری پلٹن بھی بوسینیا

وہرزیگونیا کی بغاوت فرد کرنے کے لئے بھیجی تھی، یہ پلٹن جب اُن ترکوں کی فوجوں کے مقابلہ میں آئی جو دولت علیہ کے تخلیہ کے بعد بوسینیا و ہرزیگونیا میں رہ گئی تھیں تو اس کے سپاہیوں نے یاد کیا کہ وہ اُس شریف قوم کی فوجیں ہیں جنہوں نے اُن کے ابنائے وقت پر کسی وقت احسان کیا تھا، اور اس خیال سے اپنے ہتھیار رکھدیئے گولی چلانے سے انکار کر دیا اور ہم آواز ہو کر سب نے کہہ دیا کہ "ہم اپنے محسنوں پر گولی چلانے کے لئے تیار نہیں ہیں"!

شہنشاہ فرانسو جوزلف کو جب یہ خبر پہنچائی گئی تو وہ سخت غضبناک ہوا اور اس نے حکم دیا کہ اگر وہ پلٹن فوجی احکام کی اطاعت نہ کرے تو اُس کے ایک دسویں حصہ کو گولی مار دیجائے۔ مگر ہنگری سپاہیوں نے محسن کشی کرنے پر موت کو ترجیح دی اور اپنے انکار پر قائم رہے۔

ہنگری اور آسٹریا کا یہ اختلاف اسوقت اور بھی مستحکم ہو گیا اور روزروشن کی طرح ساری دنیا نے اسے دیکھ لیا جب آسٹرین گورنمنٹ نے ہنگرین وزارت سے مطالبہ کیا کہ بوسینیا و ہرزیگونیا کی مہم کے مصارف میں ۵۵ ملین فلورین (تقریباً ۵۰۰ لاکھ گنی) کا حصہ لے (حالانکہ وہ پہلے ہی اس میں ۸۲ ملین فلورین دیچکی تھی) اصل ہنگری نے اس مطالبہ پر سخت طعن اور ملامت شروع کی اور آسٹریا کے خلاف اتنا سخت ہیجان برپا کر دیا کہ آخرکار ہنگرین وزارت (جس کا صدر اسوقت مشہور موسیو ٹیسا تھا) استعفا پیش کرنے پر مجبور ہو گئی۔ شاہ فرانسو جوزیف نے جب یہ نازک صورت حال دیکھی تو موسیو ٹیسا اور اسکے ساتھیوں سے درخواست کی کہ وہ اسوقت تک اپنے منصب پر قائم رہیں۔ جب تک ان کی جانشینی کرنے کے لئے کوئی دوسرا اہل پیدا ہو جائے۔ اسکے ساتھ ہی اس نے ہنگری کی وطنی جماعت کو رام کرنے اور اُسے اضطراب سے باز رکھنے کے لئے کوشش شروع کی، اور اس مقصد کے لئے کہ حملۂ بوسینیا و ہرزیگونیا کے مصارف میں حصہ لینا ہنگریوں کو زیادہ بار نہو، اس نے ۵۵ ملین کے بجائے اُن سے صرف ۲۰ ملین کا مطالبہ کیا اسطرح بظاہر آسٹریا اور ہنگری کا اختلاف رفع ہوا، مگر بوسینیا و ہرزیگونیا کا قبضہ ہنگریوں کے دل میں اس دلی کراہت پر جو انھیں آسٹریوں کے ساتھ تھی، ایک مزید نفرت و عداوت کا سبب بدستور باقی رہا۔

۸ ستمبر ۱۸۷۹ء کو ترکی فوجوں کے اشتراک عمل سے آسٹرین فوجوں نے علاقہ نووی بازار (Novi Bazar) پر قبضہ کر لیا (اگرچہ وہ زیادہ عرصہ قائم نہیں رہا) اور اس قبضہ کی حیثیت نہایت اہم تھی۔ کیونکہ نووی بازار سالونیکا کے راستہ پر ہے، اور اس کے ذریعہ آسٹریا کے لئے آسان ہے کہ جب کبھی روس اور دولت علیہ میں جنگ جاری ہو تو روس سے پہلے خود آستانہ پہنچ جائے۔

جس شخص نے نووی بازار پر قبضہ کرنے کے لئے آسٹریا کو ابھارا تھا وہ بھی یہی پرنس بسمارک تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ روس جرمنی کا دشمن ہو گیا ہے اور اسے احسان فراموشی کا الزام دیتا ہے تو اُس نے آسٹریا سے اتحاد پیدا کرنا شروع کیا جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، اور کوشش کی کہ بلاد بلقان میں روس کا اثر گھٹا کر اسکی جگہ آسٹریا کا اقتدار قوی کر دے تاکہ اس میں اور روس میں عداوت زیادہ ہو جائے اور اس طرح وہ (یعنی آسٹریا) ہمیشہ جرمنی کے ساتھ اتحاد قائم رکھنے پر مجبور ہو جائے۔ اسکے علاوہ بسمارک نے اسلئے بھی بلقان میں آسٹریا کا نفوذ بڑھانا چاہا کہ آسٹریا اور ہنگری میں نفاق بڑھ جائے اور آسٹریا کو اپنے مصالح کی خاطر مجبوراً جرمنی کی مدد پر بھروسہ کرنا اور ہمیشہ اس کے دائرہ نفوذ میں رہنا پڑے۔ پرنس بسمارک نے

اپنی اس سیاست سے یہ بھی فائدہ اٹھانا چاہا کہ رومانیا و آسٹریا کے علائق و روابط زیادہ مستحکم ہو جائیں اور آسٹریا کے بھروسہ پر رومانیا زیادہ استقلال کے ساتھ روس کا دشمن ہو جائے اسی طرح اس نے سرویا اور آسٹریا کے تعلقات کو بھی بہتر بنایا اور بلغاریا کو بھی آسٹرین حلقۂ نفوذ میں داخل کر دیا۔

اس طرح پرنس بسمارک اپنی سیاست ناہرہ میں کامیاب ہو گیا۔ اور اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ اُس نے روس اور آسٹریا میں سخت عداوت پیدا کر دی، بلقانی ریاستوں کو جنہیں روس نے اپنے مال و رجال سے پرورش کر کے بڑا کیا تھا آسٹریا کے ساتھ متحد کر دیا، اور آسٹریا کو بلاد بلقان اور ہنگری کی مشکلات میں مبتلا کر کے جرمنی کا دست نگر بنا دیا۔ اپنی سیاست کے یہ خوشگوار نتائج دیکھنے کے بعد بسمارک وائنا گیا جہاں اس کا پرجوش خیر مقدم کیا گیا اور آسٹرین مدبرین نے اس کے اشارات کو بہت توجہ سے سُنا۔ قارئین کرام بھولے نہوں گے کہ یہی بسمارک تھا جو آسٹریا کے مصائب اور اُس کے انحلال کا باعث تھا، مگر تنزل پذیر اقوام کے دوسرے عیوب میں سے ایک نسیان بھی ہے، وہی بسمارک اب آسٹریا کا مقتدائے سیاست تھا جس کی ہدایت کے مطابق وائنا کی حکومت نے جرمنی سے ہجومی و دفاعی اتحاد کا معاہدہ کر لیا، اور دنیا پر روشن ہو گیا کہ بسمارک کی سیاست نے زبردست کامیابی حاصل کی۔

پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ بسمارک نے اٹلی کو فرانس سے الگ کرنے اور دونوں میں عداوت و مخالفت پیدا کرنے کی کوشش کی تھی اور اس کے لئے فرانس پر ظاہر کیا تھا کہ وہ ٹیونس پر اس کی حمایت قائم کرانے کے لئے مستعد ہے۔ چونکہ فرنچ مدبرین بلاد ٹیونس میں اپنا اقتدار بڑھانے کی تمنا رکھتے تھے اس لئے اُنہوں نے بسمارک کی ہمت افزائی سے بہت مسرت محسوس کی اور ٹیونس پر ایک مہم بھیجنے کے لئے وقت فرصت کا انتظار کرنے لگے۔

ریاست ٹیونس کے قرضوں میں ۶۰ فیصدی فرانس کے تھے اور باقی ۴۰ میں اٹلی اور انگلستان شریک تھے اس بنا پر فرانس کے مصالح خصوصیت کے ساتھ ٹیونس میں مرکوز تھے۔ دول یورپ میں سے وہاں فرانس کا کوئی حریف بھی نہ تھا۔ البتہ صرف اٹلی کے مصالح فرنچ مفاد سے متصادم تھے، اور وہ تونس کو ہمیشہ فرانس کی مخالفت کرنے اور اس کی کوششوں کو ناکام کرنے پر آمادہ کرتا رہتا تھا۔ اٹالین ہر جگہ بلاد تونس میں فرانس کے مد مقابل تھے اور ہر میدان میں فرانس پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتے تھے۔

اس اثنا میں اتفاقاً کسی موقع پر ایک خانہ بدوش قبیلہ نے الجزائر کے حدود پر کچھ زیادتی کی۔ فرانس کو اپنے مقاصد حاصل کرنے اور اپنی تجاویز عمل میں لانے کے لئے یہ بہانہ کافی تھا، اس نے حدود ٹیونس پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ دولت علیہ کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے ۲ر اپریل ۱۸۸۱ء کو حکومت فرانس اور دول یورپ کے پاس ایک یادداشت بھیجی جس میں فرانس کے اس عمل پر احتجاج کرتے ہوئے ظاہر کیا تھا کہ بلاد تونس ممالکت عثمانیہ کا ایک جز ہیں اور اس پر کسی قسم کی زیادتی خود دولت علیہ پر حملہ کرنے کے ہم معنی ہے۔ موسیو بارتھیلمی سینٹ ہیلیر (M. Barthelemy St. Hilera) وزیر خارجۂ فرانس نے اس کے جواب میں ۹ر مئی ۱۸۸۱ء کو اپنے سفرا کے ذریعہ ایک منشور دول یورپ کے پاس بھیجا جس میں ان اسباب کو پیش کیا گیا تھا۔ جو فرانس کو ٹیونس کی طرف مہم بھیجنے کے لئے داعی ہوئے تھے۔ اور ان وجوہ کو ظاہر کیا گیا تھا جن کی بنا پر فرانس کے نزدیک بلاد تونس دولت علیہ سے کلیتاً آزاد تھے۔ وہ وجوہ یہ تھے کہ ٹیونس کا تعلق دولت علیہ سے محض دینی تعلق کے سوا اور کسی قسم کا نہیں اور ٹیونس کی ریاست نے دولت علیہ کے توسط کے بغیر اجنبی

کہ اُس نے تصدیق کرائے بغیر دول یورپ سے معاہدہ کئے ہیں۔ اس نے ۸ اگست ۱۸۳۰ء کو فرانس سے معاہدہ کر کے غلاموں کی تجارت بند کی۔ انگلستان سے بھی تقریباً ۲۰ معاہدے اسی طرح کئے اور ۱۸۶۸ء میں اٹلی سے معاہدہ کیا، اور ان سب کے لئے اُسے دولت علیہ کے حکم یا اُس کے توسط کی ضرورت نہیں ہوئی۔" وزیر خارجہ فرانس نے اسپر یہ بھی اضافہ کیا کہ بلاد تونس نے جتنی لڑائیاں دوسرے ملکوں سے کی ہیں وہ بھی دولت علیہ کی مداخلت سے آزاد رہیں۔ ۱۸۴۳ء میں اس نے ریاست سارڈینیا (Sardinia) سے جنگ کی اور ٹرکی سے ریاست مذکور کے اچھے تعلقات میں اس جنگ کے باعث کوئی تکدر نہیں پیدا ہوا۔ اس سے پہلے ۱۸۱۹ء میں ایکس لاچیپل (Aix-la-Chapelle) کی کانفرنس نے دولت علیہ کے بلاواسطہ ریاست ٹیونس کو بحری قزاقی سے جبراً منع کرنے کی قرارداد پاس کی تھی۔ اسی طرح وزیر خارجہ فرانس نے ٹیونس کے استقلال پر اس بات سے بھی استدلال کیا کہ ۱۸۴۷ء میں فرانس نے احمد بے تونس کا استقبال بادشاہوں کی طرح کیا تھا اور اس میں دولت علیہ کے سفیر کا کوئی توسط شامل نہ تھا۔ نیز یہ کہ ولایت ٹیونس کا دستور (Constitution) ۱۱۴ دفعات پر مشتمل ہے اور اس میں کہیں ایک حرف بھی ایسا نہیں ہے جس سے دولت علیہ کی متبوعیت اور ٹیونس کی تابعیت ظاہر ہوتی ہو۔ اس منشور کو وزیر خارجہ فرانس نے اس قول پر ختم کیا کہ "دول یورپ میں اکثر بلاد تونس پر فرانسیسی حملے کی موئید ہیں" اور یقیناً آسٹریا اور جرمنی کی طرف اشارہ ہے۔

مگر یہ تمام اعتبارات جو وزیر فرانس نے پیش کئے، اس ایک بات کے آگے ساقط ہو جاتے ہیں، کہ بائے تونس نے اواخر ۱۸۶۴ء میں خیر الدین پاشا کو اس مقصد کے لئے آستانہ بھیجا تھا کہ اسکے لئے بلاد تونس کی امارت کا فرمان حاصل کرے اور اس طرح خود بائے تونس کی درخواست پر ایسا فرمان نافذ کیا گیا۔ پھر ۵ اکتوبر ۱۸۷۱ء کو خیر الدین پاشا نے ایک زبردست اجتماع کے سامنے پڑھ کر سنایا۔ اگر بفرض محال ہم تسلیم بھی کر لیں کہ ۱۸۶۴ء اور ۱۸۷۱ء سے پہلے بلاد تونس دولت علیہ سے کلیتاً آزاد تھے، تو کم از کم اس اہم ارتباط کے بعد کہ ایک بائے اپنے تعین کا فرمان حاصل کر کے اپنے آپکو جائز والی سمجھتا ہے اور پھر اس کی موت کے بعد دوسرا بائے ایسے فرمان کے حصول کو امر لازم قرار دیتا ہے۔ ٹیونس کی تابعیت اور دولت علیہ کی متبوعیت میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔ پھر جب ہم دیکھ چکے ہیں کہ یورپین سلطنتوں نے بعض افریقی ممالک کو ان امراء سے محض دوستانہ معاہدے کر کے انپر تسلط حاصل کیا ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ ٹیونس کی تابعیت سے انکار کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

دولت علیہ نے دول یورپ سے درخواست کی کہ وہ اس معاملہ میں مداخلت کر کے اُس کے اور فرانس کے درمیان اختلاف کا فیصلہ کر دیں، مگر اسوقت یورپین سیاست کی قیادت پرنس بسمارک کے ہاتھ میں تھی، اور روس و فرانس کی طرف میلان ظاہر کر کے اس سے تقریب پیدا کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے دولت علیہ کو دول میں سے کوئی بھی ایسا نہ ملا جو اس کی جائز حق کی حمایت کرتا۔ پھر جب اس نے ارادہ کیا کہ اپنے جہاز ٹیونس بھیجے تو فرانس نے اُسے اعلان جنگ کی دھمکی دیدی، اور یہ ظاہر ہے کہ ابھی روس سے لڑ چکنے کے بعد دولت علیہ کے لئے فرانس سے لڑنا اور اس طرح اپنے معاملات میں مداخلت کرنے اور اپنے مصالح کو نقصان پہنچانے کے لئے دول یورپ کو ایک اور موقع دینا بالکل نامناسب تھا۔ پس مجبوراً فرانس کی اس حرکت پر عملی احتجاج سے قاصر رہی اور اسے محض زبانی احتجاج پر قناعت کرنی پڑی۔

فرانس نے جب دیکھا کہ تونس میں اس کی کسی کارروائی پر دول یورپ کوئی مزاحمت نہ کریں گے،

تواس نے ۲۶ ہزار کی ایک فوج سے اس پر حملہ کر دیا۔ اس فوج نے بڑی کوشش کے بعد سرحدی قبائل کو زیر کیا اور بائے تونس کو ایک معاہدہ قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ جو درحقیقت ٹیونس پر فرانس کی حمایت کا اعلان تھا۔ ۱۲ مئی ۱۸۸۱ء کو باردو میں جنرل بریرنے جمہوریہ فرانس کی طرف سے اس معاہدہ پر دستخط کئے اور ۱۹ مئی ۱۸۸۱ء کو اُسے فرنچ ایوان مبعوثین میں پیش کیا گیا۔ اس کی شرطیں یہ تھیں:۔

اولاً۔ فرانس کو اُن تمام مواقع پر احتلال کا حق حاصل ہو جو اس کے لئے بلاد تونس میں ضروری ہوں۔

ثانیاً۔ فرانس کی حکومت بائے تونس اور اسکے خاندان کی حمایت اور اُسے ہر خطرہ سے محفوظ رکھنے کا عہد کرے۔

ثالثاً۔ ٹیونس اور دول یورپ کے درمیان جو معاہدات ہوئے ہیں فرانس انھیں نافذ کرانے کا ذمہ لے۔

رابعاً۔ اس معاہدہ کی تنفیذ کرانے اور فرانس اور ٹیونس کے درمیان واسطہ و تعلق رکھنے کے لئے ٹیونس میں ایک فرانسیسی وزیر مقرر کیا جائے

خامساً۔ ممالک تلیہ میں ٹیونسی رعایا فرانسیسی سفراء و قناصل کی حمایت و نگرانی میں رہے۔

اور ٹیونس اس امر کا عہد کرے کہ وہ کسی غیر سلطنت سے اسوقت تک کوئی معاہدہ نہ کرے گا جب تک اسے حکومت فرانس کے سامنے پیش کر کے منظوری نہ حاصل کرلے۔ ان شرطوں کے علاوہ اور شرطیں بھی تھیں جو ٹیونس کی مالی تنظیم، اسکے قرضوں کی ادائیگی اور خصوصیت کے ساتھ فرانس کے مخالف قبائل کو اسلحہ و ذخائر نہ پہنچنے دینے سے متعلق تھیں۔ فرنچ ایوان مبعوثین نے بالاجماع اس معاہدہ کو قبول کرلیا اور جب یورپ کو سرکاری طور پر اس کا علم ہوا تو جرمنی، آسٹریا اور اسپین نے فرانس کو اس کامیابی پر مبارکباد دی۔ رہا باب عالی سو اس غریب نے اپنے آئینی حقوق کا واسطہ دیکر فرانس کی اس حرکت پر محض زبانی احتجاج کیا اور اپنے ساتھ دول یورپ کے اس معاملہ کا فیصلہ تاریخ پر چھوڑ دیا۔

ٹیونس کے ساتھ فرانس کے اس معاہدہ نے اٹلی میں فرانس کے خلاف سخت کدورت اور ناراضی پیدا کردی اور اٹالین مدبرین کی نظریں خود بخود آسٹریا اور جرمنی کی طرف راجع ہوگئیں۔ حتےٰ کہ فرانس اور اٹلی کی دشمنی ان کے عام باشندوں تک میں سرایت کرگئی اور فرانس کے ہر شہر میں اطالویوں سے نفرت کیجانے لگی۔ چنانچہ ۱۴ جولائی ۱۸۸۱ء کو (جو جمہوریہ فرانس کے عید کا دن تھا) شہر مارسیلز (Marseilles) میں ایک زبردست معرکہ ہوا جس میں ایک اٹالین اور ایک فرانسیسی جان سے مارے گئے۔

اب جرمنی اخبارات نے فرانسیسیوں اور اطالویوں کی بڑھتی ہوئی عداوت پر اظہار مسرت شروع کر دیا اور اٹالین جرائد فرنچ قوم پر بُری سب و شتم کرنے لگے۔ اور فرانس کو جلانے اور اس سے بدلہ لینے کے لئے جرمنی کی تعریف و توصیف کیجانے لگی۔ جون ۱۸۸۱ء میں سینور کردلی وزیر اعظم اطالیہ نے شہر کیسنجن میں پرنس بسمارک سے ملاقات کی اور عرصہ تک دونوں میں گفتگو رہی۔ یورپ کے تمام سیاسی حلقوں میں اس ملاقات کو جرمنی آسٹروی اتحاد سے اٹلی کے انضمام کا پیش خیمہ یا بالفاظ دیگر پرنس بسمارک کی فیصلہ کن کامیابی کا مقدمہ سمجھا گیا۔

فرانس بلاد ٹیونس میں اپنی سیاست پر بدستور عمل کرتا رہا۔ دس اکتوبر کو اس نے خود شہر ٹیونس پر قبضہ کرلیا اور اس کے بعد ایک زبردست فوج شہر قیروان پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجدی فرانس کے احتلال قیروان کے مشہور واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ ایک فرانسیسی بزرگ نے دین اسلام قبول

کرکے اپنا نام سید احمد الہادی رکھا اور علوم مذہبی کی تحصیل میں یہانتک سعی کی کہ تھوڑے عرصہ میں بڑا عالم ہوگیا۔ اور قیروان کی مسجد جامع کا امام بنادیا گیا جب فرانسیسی فوجیں اس شہر کے قریب پہنچیں تو اہل شہر مدافعت کے لئے مستعد ہوئے اور امام صاحب کے پاس آکر کہ وہ شیخ کے مزار پر جائیں (مسجد میں ایک بزرگ کا مزار تھا۔ جنسے اہل قیروان بہت عقیدت رکھتے تھے) اور ان سے استخارہ کریں امام صاحب نے بخوشی اس درخواست کو قبول کیا اور تھوڑی دیر کے بعد آکر لوگوں سے کہنے لگے۔ کہ مقابلہ کرنے کی صورت میں تم پر سخت ہولناک صورتیں نازل ہونگی اسلئے شیخ تمہیں نصیحت کرتے ہیں کہ خاموشی کے ساتھ شہر دیدو اہل شہر نے اس نصیحت پر عمل کیا اور ذرہ برابر بھی مدافعت نہیں کی اور اس طرح وخلا میں سے ایک ذلیل کے حیلہ کی بدولت ۲۶ اکتوبر ۱۸۸۱ء کو شہر قیروان بڑی آسانی کے ساتھ فرانسیسیوں کے قبضہ میں آگیا۔ بلاد اسلامیہ میں سے کوئی ایک بھی کسی یورپین کے قبضہ میں اسکے ساتھ نہیں گیا۔ مگر اس صورت سے کہ اسمیں وخلا کا ہاتھ شریک رہا ہو اس طرح روس اور دولت علیہ کے منحوس جنگ کا آخری نتیجہ ختم ہوا اور بلاد تونس پر الجزائر کی طرح فرانس کا تسلط قائم ہوکر شمالی افریقہ میں فرانسیسی اقتدار کی تکمیل ہوگئی۔

پانچواں فتنہ

مسئلہ مصر

مصر کے مصائب دراصل ان قرضوں کے باعث نازل ہوئے جو اسمٰعیل پاشا خدیو اوّل نے یورپین سرمایہ داروں سے لئے تھے مصر کے حالات میں اغیار کی مداخلت اور خصوصاً انگلستان کے تداخل کی تنہا علت یہی قرضے تھے۔ ابتک تو دنیا میں مشہور تھا کہ کسی قوم کے معاملات میں اغیار کو حسن اصول کے ماتحت مداخلت کرنے اور پھر اسے غلام بنانے کا موقع ملتا ہے وہ "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" (Divide & Rule) کا اصول ہے، کیونکہ ایک قوم کے افراد میں نفاق و شقاق ہمیشہ اس کے اضمحلال اور اس پر اعدائے کے تسلط کا باعث ہوتا ہے۔ مگر اس عہد کے یورپین مدبرین قوموں کو غلام بنانے کا ایک نیا اصول ایجاد کیا ہے اور وہ "قرض دو اور غلام بناؤ" کا اصول ہے، کیونکہ آج کل افریقہ اور یورپ کے ممالک پر قبضہ کرنے کے لئے یورپین سیاست کا اعتماد زیادہ تر قرضوں پر ہے جو انھوں نے ان ممالک کے رئیسوں کو دے رکھے ہیں۔ جب کبھی کوئی یورپین سلطنت کسی قوم پر مستولی ہونا چاہتی ہے تو پہلے اپنے ایک ایجنٹ کو اس کے فرمانروا کے پاس بھیجتی ہے اور اسے رغبت دلاتی ہے کہ اپنے ملک کو یورپین خوشنما لوازم تہذیب سے آراستہ اور اپنے شہر کو یورپین طرز کا حسین شہر بنانے کی کوشش کرے اور اگر رئیس کوئی ضعیف الرائے اور ناعاقبت اندیش یا ہوسناک شخص ہوتا ہے تو ان باتوں میں آجاتا ہے اور اس یورپین سلطنت سے خوب قرض لے لے کر اپنے ملک کو "ترقی" دیتا ہے جس کے بعد رفتہ رفتہ اجنبی تداخل کے لئے میدان وسیع ہوتا جاتا ہے۔ اور آخر وہ یورپین سلطنت اس قوم کو غلام بنالیتی ہے اسماعیل پاشا ایسے ہی یورپین فریب کاروں کے دھوکہ میں آگیا اور اپنی طبعی خواہشات اور ہوا و ہوس سے مغلوب ہوکر اس نے کثرت کے ساتھ یورپ سے قرض لئے جن کی بدولت یورپ والوں کیلئے

مصر کے دروازے کھل گئے اور اس طرح ملک مصر پر زبردست مصیبتیں اور سخت بلائیں نازل ہونے لگیں۔ حتے کہ خود اسماعیل پاشا کو اُنہیں لوگوں نے جنہیں وہ اپنا دوست سمجھ کر اپنے ابنائے وطن پر ترجیح دیتا تھا۔ اور جن کی آراء و نصائح پر ہمیشہ عمل کرتا رہتا تھا۔ اسکو تخت سے اُتار دیا اور یہ ایک ایسا تاریخی سبق ہے جس سے تمام امراءِ مشرق کو عبرت اور بصیرت حاصل کرنی چاہیئے اُنہیں سمجھنا چاہیئے کہ اقوام و ممالک کی حقیقی قوت و سعادت جھوٹھی مشیخت اور ملمع کی دولت مندی سے نہیں ہے بلکہ وہ کامل اقتصادی آزادی میں مضمر ہے جو قوم جتنی کم قرضدار ہے اس کا استقلال اتنا ہی قوی و مستحکم اور اُس کا اقتدار اتنا ہی محفوظ و مصئون ہے۔ برخلاف اس کے جو قوم جتنی زیادہ مقروض ہے اس کے مصائب اُتنے ہی زیادہ اس کا استقلال اتنا ہی پرخطر، اسکی حیات قومی اتنی فنا پذیر ہے۔ اور اُسپر تسلط اغیار کا اُتنا ہی زیادہ امکان ہے

مصر کے معاملات اور اُس کے ساتھ یورپین سیاست میں اصلی تغیر اُسوقت سے ہوا۔ جب ۱۸۷۵ء میں انگلستان نے اسمٰعیل پاشا سے نہر سویز کے حصے خرید لئے کیونکہ اُسی وقت سے ہمارے وطن عزیز میں اس سلطنت کا نفوذ بڑھتا گیا۔ اور وہ فرانس کی حریف بنتی چلی گئی۔ اسمٰعیل پاشا کی فرمانبرداری کے آخری برسوں میں انگریزوں کو جو نفوذ حاصل ہوگیا تھا اُس سے انگریزوں نے وہ فائدہ اٹھایا۔ کہ مصر و سوڈان مصری کے تمام محکموں میں انگریزی افسر متعین کرلئے اور ارض مصر میں شر و فساد کی تخم ریزی کے لئے انہیں استعمال کیا۔ اسی طرح وہ ۱۸۷۷ء میں حکومت مصر سے غلاموں کی تجارت بند کرنے کے لئے بھی ایک معاہدہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ جس کی دفعہ ششم کی رو سے انگلستان کو یہاں تک حق حاصل ہوگیا۔ کہ وہ اُس کے چھوٹے چھوٹے جنگی جہاز بحر احمر میں گشت لگاتے رہیں اور اُن مصری کشتیوں کو جنپر غلام بار کئے ہوئے ہوں، یا جنپر ایسا شبہ ہو پکڑ کر اُن کی تلاشی لیں پھر اُن کشتیوں کو گرفتار کرکے حکومت مصر کے سپرد کردیں، اس غلام یا اُن غلاموں کو جو ان کشتیوں میں پائے جائیں اپنی حفاظت میں لے لیں اور حکومت انگلستان کو حق ہو کہ اُنہیں آزاد کرانے کے لئے ضروری وسائل اختیار کرے"۔ یہ حق در اصل انگریزوں کے لئے مصر کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے اور اپنی قوت استعمال کرنیکا حق تھا

انگریزوں کا نفوذ بڑھنے کے ساتھ ہی ہمارے وطن میں مشکلات بھی بڑھتی گئیں۔ اور انگریزی احتلال کے لئے نئی نئی صورتیں نکلتی چلی آئیں اُنہوں نے فرانس کی شرکت سے مالیۂ مصر پر مراقبت ( ) قائم کی اسمٰعیل پاشا کو معزول کرنے میں سب سے زیادہ اُنہیں کا ہاتھ تھا، توفیق پاشا مرحوم کو تخت نشین کراکے اُنہوں نے تمام اثنائے مصر میں اپنے دلال پھیلا دیئے، ایک طرف حزب وطنیہ ( ) کو بھڑکایا۔ دوسری طرف ضعیف الرائے خدیو اور ایک دوسری جماعت کو اکسایا؛ دونوں میں اختلاف پیدا کرکے اپنے احتلال کا راستہ صاف کیا، اور اس طرح مصر، دولت علیہ اور تمام یورپ کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہوگئے۔

مصر کی بدقسمتی سے انگریزی ایجنٹ مصریوں اور اُنہیں کے بعض افراد کے درمیان نفاق پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اور فوج میں چرکسیوں[1] سے مصریوں کی دشمنی کرادی جو بالفاظ دیگر مصریوں کے آپس

[1] چرکس وہ لوگ ہیں جو سرکیشیا ( ) کے رہنے والے ہیں اور عرصے سے مصر میں آباد ہوگئے ہیں۔ اہل مصر انھیں چراکسہ کہتے ہیں۔

ہی کی مخالفت تھی۔ کیونکہ ان چرکسیوں کو جو مدتوں سے مصر میں رہتے ہیں، جنہوں نے اس ملک کو اپنا وطن بنا لیا ہے، جنہوں نے توالد و تناسل کا سلسلہ قائم کر دیا ہے، اُنھیں اجانب میں شمار نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہ بھی مصری ہی ہیں ان میں اور فراعنۂ قدما کی اولاد میں کوئی فرق نہیں۔ کاش اگر چرکسیوں اور مصریوں میں غلط فہمی نہ پیدا ہوئی ہوتی، اگر وہ یہ سمجھ لیتے کہ وہ سب مصری ہیں اور مصریت انھیں ایک ہی رشتہ میں منسلک کرتی ہے، اگر وہ آنکھیں کھولکر دیکھتے کہ ایک عرصہ سے اُن کا ایک دشمن اُنپر مسلط ہونے کی کوشش کر رہا ہے تو مصر ضرور اس زبردست خطرہ سے نکل جاتا جس میں اب وہ مبتلا ہے اور مصر کی سعادت و رفاہیت اور حریت کبھی اس نکبت و ذلت اور غلامی سے مبدل نہوتی مگر افسوس کہ ابنائے مصر میں باہم عداوت مستحکم ہوگئی، ان کے آپس میں نفاق پیدا ہو گیا، ان کی ہوا بگڑ گئی اغیار اُن کے ملک میں جگہ پکڑ گئے اور اس کی بدولت مصر پر یہ تمام مصیبتیں نازل ہوئیں۔ اور یہی ہر اس قوم کا یقینی انجام ہے جس کے افراد میں شقاق و نفاق واقع ہو۔

تحریک عرابیہ کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ تمام مصری افسروں نے متفق ہو کر توفیق پاشا مرحوم کے پاس ایک شکایتی عرضداشت عثمان پاشا رفقی وزیر جنگ کے خلاف بھیجنے کا فیصلہ کیا جس میں وہ اسبات پر احتجاج کرنا چاہتے تھے کہ وزیر مذکور مصریوں کے خلاف تعصب اور چرکسیوں کے ساتھ جانبداری برتتے ہیں۔ ان لوگوں نے احمد عرابی بک، علی فہمی بک اور عبدالعال حلمی بک سے درخواست کی کہ وہ اس عرضداشت کو بارگاہِ خدیوی میں پیش کر دیں۔ اس عریضہ کا پیش ہونا تھا کہ اغیار کو رشتہ دوانیاں کرکے مصر میں نفاق کی تخمریزی کرنے کا خاص موقع مل گیا، اُنھوں نے ناظر حربیہ کو مشورہ دیا کہ احمد عرابی، علی فہمی اور عبدالعال حلمی کو نوکری سے برطرف کر دیں۔ چنانچہ پاشا موصوف نے تینوں کرنلوں کو دفتر وزارت جنگ میں بلایا اور اعلے افسروں کی ایک مجلس کے سامنے اعلان کر دیا کہ وہ اپنے عہدوں سے برطرف کر دیئے گئے ہیں اور ان کی جگہ تین چرکسی افسروں کو مقرر کیا گیا ہے۔ پھر انہوں نے تینوں کو قید کرنے کا حکم دیا۔ اور انہیں قید خانہ بھجوا دیا۔ اس کے ساتھ ہی اُن تمام دوسرے مصری افسروں کی گرفتاری کا بھی حکم نافذ کر دیا جو عرابی اور اس کے ساتھیوں کے حامی تھے۔ مصری ضباط اور سپاہیوں کو جب یہ علم ہوا کہ اُن کے نمائندوں کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا ہے تو مشتعل ہو گئے اور انہوں نے نظارت حربیہ کے قید خانہ پر ہجوم کرکے تینوں کرنلوں کو چھڑا لیا۔ اس طرح اس اضطراب و ہیجان عام کی ابتدا ہوئی جسے پیدا کرکے غیر ملکی اعدا اپنی وسیسہ کاریوں اور ریشہ دوانیوں کا پھل کاٹنا چاہتے تھے۔

عرابی اور اسکے شرکا نے قید سے نکلکر دول یورپ کے قناصل کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں تفصیل کے ساتھ اپنا ماجرا بیان کرکے اُنھیں اسطرف توجہ دلائی۔ اسکے ساتھ ہی اسنے قصر عابدین میں جا کر سمو الخدیو سے ملاقات کی جہاں مرحوم توفیق پاشا نے اسے مطلع کیا کہ اُنھوں نے اسکو اور اس کے ساتھی تمام افسروں کو معاف کر دیا ہے، اور عثمان پاشا رفقی کی جگہ محمود پاشا سامی البارودی کو وزیر جنگ مقرر کرتے ہیں یہ ۲ر فروری ۱۸۸۱ء کا واقعہ ہے۔ سر ایڈورڈ مالٹ انگریزی قنصل نے جنرل عرابی اور اسکے ساتھیوں کو یقین دلایا کہ اُنھیں نصیحت سے خدیو نے ان لوگوں کو معاف کیا اور عثمان پاشا رفقی کو الگ کر دیا۔ اس سے قنصل صاحب کا منشا یہ تھا کہ یہ لوگ ان کے دھوکے میں آجائیں اور اُنہیں اپنا دوست اور مددگار سمجھنے لگیں۔

۴ر فروری کو خدیو نے حکم دیا کہ عرابی وعلی فہمی فرانس اور انگلستان کے قناصل سے ملیں اور انہیں یقین دلائیں کہ وہ دونوں امن عام کے کفیل اور یورپین باشندوں کی جان ومال کے ضامن ہیں چنانچہ حسب حکم یہ دونوں گئے اور قناصل کو یقین دلا دیا۔

اگر بات یہیں تک رہتی تو معاملہ ختم ہوچکا تھا۔ اور مصر میں امن وامان کے لئے کوئی خطرہ نہ تھا مگر ارباب دسائس اپنے مقاصد کرنے کے لئے انتہائی کوششیں کر رہے تھے، انہوں نے خدیو کے بعض خاص خدمتگاروں کو بھڑکایا کہ سپاہیوں میں افسروں کے خلاف جوش پیدا کریں اور انہیں تنگ وتنک پر آمادہ کردیں۔ ان تعلیمات وتلقینات سے بعض ضعیف العقل آدمیوں نے اثر لیا۔ اور ایک شخص فرج بک الزینی نے رات کے وقت پلٹن میں جاکر سپاہیوں کو افسروں کے قتل پر آمادہ کرنے لگا مگر وہ لوگ اس کی باتوں میں نہ آئے اور انہوں نے اسے پکڑ کر دوسرے روز وزارت جنگ میں بھیجدیا جہاں معاملہ کی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ خدیو کے بعض خدمتگاروں نے اسے حکم دیا تھا کہ لشکریوں کو افسروں کے قتل پر آمادہ کرے۔ اور عرابی پاشا نے تو اپنی تقریر میں یہاں تک کہ خدیو کے خدمتگاروں نے ایسا حکم خود اپنے آقا کے اشارہ سے دیا تھا۔ اس بنا پر ان تمام لوگوں کو جنکے متعلق یہ شبہ تھا کہ وہ اس سازش میں شریک ہیں سوڈان کی طرف جلا وطن کردینے کا فیصلہ کیا گیا۔ مگر چونکہ ان لوگوں میں سے بعض اشخاص خدیو کے خاص خدمتگاروں سے قرابت رکھتے تھے، اس لئے اس فیصلہ نے خدیو کے حاشیہ برداروں میں سخت غیظ وغضب پیدا کردیا، اور صاحب اثر مصاحبوں نے خدیو کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ محمود پاشا سامی کو وزارت جنگ سے الگ کردینا نہایت ضروری ہے چنانچہ خدیو نے ان کے اس مشورہ پر عمل کیا اور محمود پاشا سے استعفیٰ طلب کرکے ان کی جگہ داود پاشا کو مقرر کیا جو عائلہ خدیویہ کے داماد تھے۔ نئے وزیر جنگ نے دفتر میں آتے ہی حکم دیا کہ فوجی افسر ایک دوسرے سے قطعاً نہ ملنے پائیں اور ان پر سخت نگرانی رکھی جائے۔ عرابی پاشا اپنے بیان میں کہتے ہیں کہ اس نے ان کے اور عبدالعال حلمی بک کے گھروں پر رومیوں کو مقرر کردیا تھا کہ موقع پاکر ہمیں دھوکہ سے قتل کردیں۔

ان تمام باتوں نے فوجی افسروں پر بہت برا اثر کیا، اور انہوں نے متفق ہوکر ایک ایسی تحریک وطنیہ کا آغاز کیا جس کا مقصد اپنے ملک کے نظام کو بدلنا اور ریاض پاشا کی وزارت کو معزول کرانا تھا۔ جس کے متعلق ان کا الزام تھا کہ وہ ان کی مخالفت اور ملک میں استبداد کی تقویت کے لئے سعی کر رہی ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ ملک کے بہت سے اعیان وفضلا بھی شریک ہوگئے۔

۹ر ستمبر ۱۸۸۱ء کو ظہر کے بعد تقریباً تین بجے مصری فوجیں عرابی کے زیر قیادت میدان عابدین میں گئیں اور حضرت خدیو سے درخواست کی کہ ریاض پاشا کی وزارت کو برطرف کردیں، مصر میں پارلیمنٹ قائم کریں اور فوج کی تعداد ...۰ کردیں جس کی اجازت فرمانات شاہانہ کی رو سے ان کو حاصل ہے۔ اس موقع پر فرنچ قنصل جنرل اور مراقب (Controller) دونوں مصر میں موجود نہ تھے۔ البتہ انگریزی مراقب سر اکلنڈ کالون اور مسٹر کاکسن قائمقام قنصل جنرل قاہرہ میں موجود تھے۔ ان دونوں نے خدیو کو مشورہ دیا کہ عرابی اور اس کی فوج کے مطالبات قبول کرلے۔ چنانچہ دو ہی گھنٹہ کے بعد اعلان کیا گیا کہ خدیو نے مطالبات قبول کرلئے۔ اور ریاض پاشا کی وزارت کو برطرف کرکے شریف پاشا

کو نئی وزارت مرتب کرنے کا حکم دیدیا۔

انگلستان نے اس حادثہ سے فائدہ اٹھا کر حزب الوطنی کے لیڈروں اور مرحوم توفیق پاشا دونوں پر اپنا نفوذ بڑھایا اور فریقین کے درمیان واسطۂ مغایرت بنکر اُس کے وکلا نے دونوں میں درجۂ ثقاہت حاصل کر لیا۔ حوادث عرابیہ کی ابتدا سے انتہا تک انگریزوں کی ساری سیاست مکر و فریب اور جھوٹھ پر مبنی تھی یا جیسے کہ ارباب سیاست اسے کہتے ہیں وہ ڈبلومیسی و پولٹیکل عیاری کا ایک مکمل نمونہ تھی اُنہوں نے مصریوں کے درمیان یا بعبارت صحیح ایک ہی قوم کی دو جماعتوں کے درمیان نفاق و شقاق بڑھایا، اُنہوں نے خدیو اور عرابی میں نفرت و عداوت کا بیج بو دیا اور عرابی اور اسکی جماعت کو یقین دلا دیا کہ خدیو انہیں قتل کرانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے مرحوم توفیق پاشا کو سمجھایا کہ اعلیحضرت سلطان المعظم انھیں معزول اور خاندان خدیوی کے حقوق کو غصب کرنا چاہتے ہیں، اور دولت علیہ کے مدبرین کو یہ یقین دلایا کہ توفیق پاشا اپنے جدِ اعلےٰ محمد علی پاشا کی طرح مسئلہ شام میں دولت علیہ کی مخالفت کرنا چاہتے ہیں اس طرح انہوں نے عزیز مصر، رجال حزب الوطنی اور مدبرین دولت علیہ تینوں کو دھوکہ دیا اور اپنی خواہش و مرضی کے مطابق حوادث کی رہنمائی کرنے لگے۔

و ستمبر ۱۸۸۱ء والے مظاہرۂ حربیہ کو برطانی ارباب سیاست نے آستانہ میں ایک خاص رنگ دیکر پیش کیا، اور باب عالی کو اکسانے لگے کہ وہ توفیق پاشا سے انتقام لے اور حزب وطنی کی مساعدت و ہمت افزائی کر کے مصر پر اپنے عملی اقتدار کو قائم کرنے کے لئے اس فرصت سے فائدہ اُٹھائے۔ وزارت برطانیہ نے صرف اپنے سفیری کے ذریعہ باب عالی کو اس حرکت پر آمادہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ اپنے ملک کے جرائد و اخبارات کو بھی اس سیاست پر زور دینے کے لئے اشارہ کیا، چنانچہ ٹائمز اور اسکے ہمنوا اخبارات نے زور دیا کہ مصر کے موجودہ اضطرابات و قلاقل کو موقوف کرنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ دولت علیہ مداخلت کرے اور دیار مصری پر ترکی فوجیں اپنا احتلال قائم کر دیں۔

دولت علیہ برطانی مدبروں کے دہوکہ میں آگئی، اس نے اُنھیں اپنے اقوال میں صادق اور مصری معاملات میں اپنا دوست سمجھ لیا، اُسے یقین آگیا کہ اُنپر اعتماد کر لینا مفید ہوگا۔ اور اُس نے اُن کے مشورہ پر عمل کر کے ایک وفد بلاد مصر کیطرف بھیجنے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ حالات کی دیکھ بھال کر کے مفصل بیان بارگاہ سلطانی میں پیش کرے۔ چنانچہ ایک وفد جو علی پاشا نظامی، احمد اسعد افندی، اور قدری آفندی سے مرکب تھا مصر پہنچا۔ اسکے مصر پہنچنے سے دو روز قبل احکام صادر ہوئے کہ عرابی کی رجمنٹ تل الکبیر بھیجدی جائے۔ اور عبد العال بک اپنی رجمنٹ کو لیکر دمیاط چلا جائے تاکہ یہ دونوں ارکان وفد سے ملاقات نہ کرنے پائیں۔ مگر یہ دونوں سفر کرنے کے بعد بھی وفد کے پہنچنے پر اُس سے ملے۔ مرحوم توفیق پاشا نے اعضائے وفد کو یقین دلایا کہ وہ عرابی اور اسکی فوج سے راضی و متفق ہے۔ فرانس اور انگلستان کو جب اس کا علم ہوا کہ دولت علیہ نے ایک وفد مصر بھیجا ہے تو انہوں نے بندرگاہ اسکندریہ پر اپنے بیڑے بھیجدیئے۔ اور پھر جب ۱۹ اکتوبر ۱۸۸۱ء کو یہ وفد واپس گیا تو یہ بیڑے بھی اسکندریہ سے روانہ ہو گئے۔

اب تمام دنیا میں مشہور کیا گیا کہ عثمانی وفد محض عرابی اور اسکی جماعت کی ہمت افزائی کرنے کے لئے آیا تھا، اور تمام مصری قوم کو اس پروپیگنڈا سے یقین ہو گیا۔ کہ عرابی پاشا مصر میں جلالتمآب سلطان المعظم ا

کا نائب حقیقی اور مصری حقوق کا مدافع اصلی ہے۔

مصری پارلیمنٹ کے انتخابات ۱۰ نومبر ۱۸۸۱ء کو شروع ہوئے اور شریف پاشا کے لئے نتائج اطمینان بخش رہے ۲۶ ردسمبر کو اس مجلس کا پہلا اجتماع منعقد ہوا۔ ۳۱ جنوری ۱۸۸۲ء کو انگریزی اخبار ٹائمز نے حزب وطنی مصر کی بنیادی مقاصد شائع کئے جو حسب ذیل ۶ دفعات پر مشتمل تھے۔

اولاً۔ مصر کے امتیازات کی حفاظت کرتے ہوئے دولت علیہ کی سیادت کا اعتراف۔

ثانیاً۔ سمو الخدیو کی اطاعت مگر اسوقت تک جب تک وہ اپنے ستمبر ۱۸۸۱ء والے وعدوں کا احترام ملحوظ رکھیں۔

ثالثاً۔ فرانس و انگلستان کی خدمات جلیلہ کا اعتراف اور اس بات کا اقرار کہ دونوں سلطنتوں کی نگرانی مصر کی مالی حالت کے موافق اور قرضخواہوں کے لئے لازمی ضمانت ہے۔

رابعاً۔ مصر کے تمام حصوں میں امن کی محافظت اور غیر ملکی باشندوں کے جان و مال کی ذمہ داری۔

خامساً۔ بلاد مصر میں کامل مذہبی و سیاسی آزادی کا اعلان، قانون کی نظر میں تمام مصریوں کی مساوات، مصری پارلیمنٹ کی تشکیل اور حقوق و اختیارات کی تجدید۔

سادساً۔ ملک کے ہر ہر حصہ میں اشاعت تعلیم کے ذریعہ مصر کی ترقی۔

ٹائمز کو حزب وطنی کے ان مقاصد و اغراض پر تعجب ہوا۔ اور اس نے مصر میں فرانس کی فوجی تداخل کا خوف کرتے ہوئے اعلان کیا کہ مصر میں فرانس یا کسی اور یورپین سلطنت کی فوجی مداخلت مصر اور یورپ دونوں کے لئے عظیم الشان خطرات پیدا کرنیوالی ہوگی۔ مگر ٹائمز اپنی اس رائے کو اُسوقت بالکل بھول گیا جب انگریزی فوجوں نے مصر پر قبضہ کر لیا، بلکہ اس نے انگریزی احتلال پر مسرت و ابتہاج کا اظہار کیا۔

مصری قوم نے حوادث عرابیہ کی ابتدا ہی سے عرابی کے ساتھ اپنی محبت اور اُسکے ساتھ دلی موافقت کا اظہار کیا اور ہر طریقہ سے اس کی ہمت افزائی کی۔ یہ کچھ اس بنا پر نہ تھا کہ انہیں توفیق پاشا مرحوم سے کچھ نفرت تھی جنہوں نے انکو ذرہ برابر بھی نقصان نہ پہنچایا تھا، بلکہ ان کا یہ عمل صرف اپنی حریت حاصل کرنے اور اپنی سعادت و استقامت احوال کی خاطر تھا، اسمٰعیل پاشا کی مطلق العنان فرمانروائی نے مصریوں کے دلوں میں استبداد اور مطلق العنانی کے خلاف ایک عام بغض و عناد پیدا کر دیا تھا، اور اسی سبب حکومت مصر کو ایک حکومت دستوریہ شورائیہ (Constitutional & Representative) بنانے کی خواہش کرنے لگے تھے۔ پس عرابی اور اُس کی جماعت کے کھڑے ہوتے ہی اُن کے ساتھ تمام قوم کی رائے شامل ہوگئی اور سینکڑوں ہزاروں ابنائے مصر اُن کے گرد جمع ہوگئے اور عرابی کی حکومت یہاں تک دلوں پر متمکن ہوگئی کہ جب اُس کا نام فلاحین کے سامنے لیا جاتا تو وہ جوش سے اُس کے نعرے بلند کرنے لگتے تھے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے مصریوں کے دلوں میں اپنے ملک کی سعادت و رفاہیت کیلئے کس قدر تڑپ اور بےچینی موجود تھی۔

یہ حرکت وطنیہ جو مصری قوم کی تاریخ میں اپنا کوئی نظیر نہیں رکھتی، یقیناً مصر کے لئے بہت سے فوائد اور اس کی تیز یا ترقی کا باعث ہوتی بشرطیکہ حوادث عرابیہ کے معاملات ایک مناسب حد تک محدود رہتے، مگر افسوس ہے کہ ارباب تحریک کے نفاق، اور طمع و جہل نے، اور اعداء کی ریشہ کاریوں

نے ملک کو ذلت و پستی کے گڑھے میں ڈالدیا اور خیر و سعادت اور حریت کی صحیح خواہش نے غلط راستہ اختیار کرنے کے باعث بالکل برعکس اور زیادہ تلخ و ناخوشگوار نتائج پیدا کر دیئے۔

۴ر جنوری ۱۸۸۲ء کو عرابی وزیر جنگ مقرر کیا گیا۔ اس سے فوج میں اس کا اثر و اقتدار بہت قوی ہو گیا اور کثرت کے ساتھ اس کے گرد خلقت جمع ہونے لگی۔ اغیار و اجانب نے مشہور کرنا شروع کیا کہ دولت علیہ خفیہ خفیہ عرابی کی مدد کر رہی ہے، وہ خاندان خدیوی کے حقوق چھین کر مصر کو بھی طرابلس و شام کی طرح ایک ماتحت ولایت بنانے کے لئے بعض دول یورپ کو عرابی کی مدد پر آمادہ کر رہی ہے اور ان اشاعات کی صحت پر استدلال کرنے کے لئے اُن لوگوں نے (جو انگریزی ایجنٹوں کے سوا کوئی نہ تھے) اس واقعہ کو پیش کیا کہ دولت علیہ نے علی نظامی پاشا اور رشید بے کو ایک پر اسرار ماموریت پر برلن اور وائنا بھیجا ہے۔ ان اشاعات نے مرحوم توفیق پاشا اور جلالۃ السلطان المعظم کے درمیان روز بروز زیادہ نفرت و مخالفت پیدا کر دی۔ اور اسطرح انگریزی مدبرین خدیو کو اپنی اغراض کے لئے ایک دائمی آلۂ کار بنانے اور اُسے دولت علیہ سے دور کر کے اپنے اقتدار کے ماتحت لانے میں کامیاب ہو گئے۔

فرانس نے جب دیکھا کہ حزب وطنی کا نفوذ روز بروز بڑھتا جاتا ہے، اور مصر میں ہر چیز فوجی قبضہ میں چلی جا رہی ہے، تو اُسے مرکز خدیوی کے اضمحلال کا خوف پیدا ہوا۔ اور انگلستان سے اتفاق کر کے اُس نے اپنے قنصل جنرال کے ذریعہ مرحوم توفیق پاشا کو پیغام بھیجا کہ فرانس اور انگلستان دونوں ان مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے جو آپکو پیش آ رہی ہیں ہر طرح آپ کی مساعدت پر آمادہ ہیں، اور دونوں سلطنتیں آپکے تخت خدیوی پر قیام و بقا کو مصر اور یورپین مفاد کی سلامتی کیلئے ضروری سمجھتی ہیں۔ یہ پیغام ایک طرح تمام دنیا کو اس بات کا اعلان تھا کہ انگلستان و فرانس دونوں مسئلہ مصریہ میں پوری طرح متفق اور باہم اشتراک عمل کرنے پر تیار رہیں۔ اگر فرانس آخر وقت تک اپنی اسی سیاست پر قائم رہتا تو یقیناً مصر انگلستان کے پنجہ سے چھوٹ جاتا اور فرانسیسی مصالح خطرات سے محفوظ رہتے۔ فرانس کی علیحدگی خود انگریزوں کی دلی خواہش تھی۔ انگریزی جرائد نے جب مذکورۂ بالا بیشترکہ پیغام کو شائع کیا تو ساتھ ہی اپنی حکومت پر ملامت کی کہ اُس نے اس معاملہ میں فرانس کو کیوں شریک کیا وہ بار بار وزارت پر زور دیتے تھے کہ فرانس سے الگ ہو کر انفرادی کارروائی کریں۔ اس سے مقصود سوائے اس کے اور کیا تھا کہ مصر کو محض انگریزی مصالح و اغراض کا جولانگاہ بنایا جائے۔

باب عالی نے اس پیغام کے ارسال پر سخت احتجاج کیا اور ۱۳ر جنوری ۱۸۸۲ء کو اپنے سفرائے خارجہ کے ذریعہ دول کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں لکھا گیا تھا کہ اول تو مصر میں کوئی ایسی صورت پیش نہیں آئی اور جس سے فرانس اور انگلستان کو ایسا پیغام بھیجنے کی ضرورت پیش آئی۔ لیکن اگر بفرض محال صورت نازک بھی تھی تو صرف دولت علیہ ہے کہ اس میں مداخلت کا حق ہے کیونکہ وہ مصر کی صاحب سیادت ہے۔

مصر کی بدنصیبی سے اسموقعہ پر موسیو گیمبیٹا (M. Gambetta) کی وزارت ساقط ہو گئی اور اس کی جگہ موسیو فریسنیہ (M. Freycinet) کی وزارت قائم ہوئی۔ گیمبیٹا کی سیاست مسئلہ مصر میں واضح اور صریح تھی، وہ ہر قدم پر انگلستان کے ساتھ ساتھ چلنا اور عمل میں اسکے دوش بدوش رہنا چاہتا تھا، اس کی سیاست یہ تھی کہ انگلستان کو کسی موقع پر انفرادِ عمل کا موقع نہ دیا جائے۔ وہ اگر بدستور فرانس کا وزیر اعظم

رہتا تو ضرور یا تو انگلستان کے ساتھ ہی مصر پر فرنچ احتلال قائم کرتا جس کے بعد دونوں کو ساتھ ہی نکلنا پڑتا یا انگلستان کو اسکندریہ پر گولہ باری کرنے اور مصر پر احتلال قائم کرنے سے باز رکھتا۔ دونوں صورتوں میں ہمارا وطن عزیز انگریزوں کے قبضہ میں جانے سے بچ جاتا مگر جمہوریہ فرانس کی بدقسمتی سے اسکی وزارت نے تھوڑی عمر پائی۔

مصری مجلس نائبین نے بعض نئے قوانین وضع کئے، مگر بجٹ کی بحث کے معاملہ میں وہ شریف پاشا کی وزارت سے متفق نہو سکی۔ شریف پاشا کی رائے تھی کہ مصری پارلیمنٹ کا بجٹ کی ہر ہر فرع پر بحث کرنے حتیٰ کہ قرضوں کے بارہ میں بھی تغیر و تبدل کا اختیار رکھنا مصر اور فرانس کو ناگوار ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے نگرانی کے لئے ایک مشترکہ کمیشن محض بجٹ کی ترتیب پر اپنا کنٹرول قائم رکھنے کی غرض سے مقرر کیا ہے برخلاف اسکے پارلیمنٹ کا خیال تھا کہ اُس کے ابتدائی حقوق و فرائض میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بجٹ کی ایک ایک دفعہ پر غور و بحث کرکے اُسے مصالح مُلکی کے مطابق بنائے۔ اس پر پارلیمنٹ اور وزارت میں اختلاف واقع ہوا اور ۲ر نومبر ۱۸۸۲؁ء کو شریف پاشا اور اُن کے شرکاء وزارت استعفا دینے پر مجبور ہو گئے۔ نئی وزارت میں محمود پاشا سامی البارودی وزیر اعظم مقرر کئے گئے اور عرابی وزیر جنگ بنا دیا گیا۔ اسکے ساتھ ہی اُسے اور اُس کے بعض شرکاء کار کو پاشا کا خطاب دیا گیا۔ محمود پاشا نے بجٹ کے بارے میں مجلس النواب کے ممبروں سے اتفاق کیا اور طے کیا کہ ان میں سے ایک کمیٹی منتخب کیجائے جس کے ارکان تعداد میں ارکانِ وزارت کے برابر ہوں، اور یہ مشترکہ جماعت بجٹ مرتب کرے، پھر اس مجوزہ بجٹ کو پارلیمنٹ کے عام اجلاس میں پیش کیا جائے جو اکثریت کے ساتھ اصلی تا خذ العمل بجٹ منظور کرے اگر کسی معاملہ پر اس کمیٹی سے وزارت کا اختلاف ہو یا تساوی آرا واقع ہو جائے تو پارلیمنٹ کا فیصلہ آخری سمجھا جائے۔

شریف پاشا کی وزارت کے سقوط نے تمام قرضخواہوں کو غضبناک کر دیا، فرانس اور انگلستان نے مجلس النواب مصری کی اس خواہش کو کہ پورے بجٹ پر بحث کرے اور اُسے اپنی مرضی کے مطابق مقرر کرے مراقبۂ ثنائیہ کے حقوق پر زیادتی سے تعبیر کیا اور اسوقت انگریزی اور فرانسیسی دونوں مراقبوں نے استعفا دیدیا۔ اب اس موقع پر حزب وطنی کے لئے حکمت وصواب کا راستہ یہی تھا کہ حد سے بڑھ کر پریشاں نہ ہوتے، اور صرف انھیں نتائج پر قناعت کرتے جو اس کے اس قلیل المدت جد و جہد سے حاصل ہو چکے تھے۔ اُن کے لئے عقلمندی یہی تھی کہ بجٹ کے اس حصہ کو اپنے حدود بحث و ترمیم سے خارج کر دیتے جو قرضوں سے متعلق تھا۔ مگر بدقسمتی سے اسوقت حزب وطنی کے لیڈروں کو یہی ضد تھی کہ سارے بجٹ پر اپنا کنٹرول قائم کریں۔ اور اسی ضد نے آخر مصر پر وہ شدید مصیبت نازل کی جسے آجتک وہ بھگت رہا ہے کسی قوم کو ایک ہی دن میں آزادی نہیں ملا کرتی ہے اور نہ کوئی مدتوں کا بگڑا ہوا انتظام سلطنت بدلایا جا سکتا ہے، حزب وطنی کے لئے اسوقت یہی کافی تھا کہ پارلیمنٹ کرا دینے اور مصریوں کے لئے وہ ابتدائی حقوق ملیہ و سیاسیہ حاصل کر لیتے جو تمام متمدن اقوام کو حاصل ہیں، صرف یہی ایک نتیجہ اتنی قلیل مدت میں حاصل کر لینا کچھ کم نہ تھا جس پر محبان مصر فخر کرتے۔

یورپ والوں کو مزید خوف اس بات سے ہوا کہ عرابی کو وزیر جنگ بنا یا گیا تھا۔ انھیں یقین تھا کہ یہی شخص مصری پارلیمنٹ کو بجٹ کے فرع فرع پر مناقشہ کرنے کیلئے رغبت دلا رہا ہے، یہی شخص وزارت شریف پاشا کے سقوط کا باعث ہوا ہے، اور یہی شخص مصر کی زمام قوت و اختیار اپنے ہاتھ میں لے کر

یورپ کے مصالح کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔

فرانس کے ایوان مبعوثین میں موسیو ڈی لافوس نے ۲۳ فروری ۱۸۸۲ء کو موسیو فریسینیہ وزیر اعظم و وزیر خارجہ سے سوال کیا کہ وزارت مصری کے تغیر اور موجودہ انقلاب عظیم برپا ہونے کے بعد اب وہ کس پالیسی پر چلنا چاہتے ہیں؟ اس کے جواب میں موسیو فریسینیہ نے کہا کہ فرانس و انگلستان دول یورپ سے اس بارہ میں مغابرت کر رہے ہیں اور یورپ کو اپنے ساتھ شریک کرنا چاہتے ہیں۔

اغیار کی ریشہ دوانیاں اس موقع پر مصریوں میں نفاق بڑھانے کی انتہائی کوششیں کر رہی تھیں اور استقلال مصر کی بنیادوں کے ڈھا دینے کا بڑے پیمانہ پر انتظام کیا جا رہا تھا چنانچہ یورپ ایجنٹوں نے چرکس کی ایک جماعت کو عرابی کے قتل پر ابھارنا شروع کیا اور انھیں سمجھایا کہ اس شخص کو قتل کر کے وہ اور انکی پوری قوم مصیبت سے چھوٹ جائیگی۔ مگر ان چرکسیوں میں سے ایک شخص اس کام پر راضی نہ ہوا اور اس نے طلبہ پاشا کو اس سازش سے مطلع کر دیا۔ پاشا فوراً وزارت جنگ، وزارت عظمیٰ اور بارگاہ خدیوی میں اس معاملہ کی تفصیلات بھیجدیں جس پر سازش کے تمام چرکسی ممبروں کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ اور عدالت نے فیصلہ صادر کیا کہ انھیں سوڈان کی طرف جلاوطن کر دیا جائے۔ مرحوم توفیق پاشا کو جب اس فیصلہ کا علم ہوا تو انھوں نے بارگاہ سلطانی کو تار دیکر اس معاملہ میں حکم طلب کیا مگر قبل اس کے کہ سلطان کا جواب وصول ہو انگلستان و فرانس کے قنصلوں نے مداخلت کر دی اور جناب خدیو معظم کو مشورہ دیا کہ سوڈان کی بجائے اس حکم کو شام کیطرف جلاوطنی سے بدلدیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اس مشورہ پر عمل کیا اور ان چرکسیوں کو شام کیطرف بھیجدیا گیا۔ اس سے خدیو اور وزارت میں مخالفت پیدا ہو گئی اور انگلستان و فرانس کے قنصلوں نے اپنی حکومتوں کو لکھ بھیجا کہ محمود پاشا سامی نے خود بارگاہ خدیوی میں خدیو اور یورپین باشندوں کی ذات کو دھمکی دی ہے یہ حال سنکر دونوں حکومتوں نے اتفاق کیا کہ اپنے بیڑے اسکندریہ بھیجدیں۔ اور ساتھ ہی ۱۶ مئی ۱۸۸۲ء کو باب عالی کے نام ایک متحدہ مراسلہ بھیجا جس میں اس طرح بیڑے بندرگاہ اسکندریہ پر بھیجنے کی اطلاع دیتے ہوئے اس سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ نہ اپنا بیڑہ بھیجے اور نہ اس کارروائی میں شرکت کی کوشش کرے جواب میں ۷ مئی کو باب عالی نے لکھا کہ دولت علیہ کے سوا اور کوئی حکومت مصر کی صاحب سیادت نہیں ہے اس لئے کسی کو اس کے شؤن داخلیہ میں مداخلت کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی باب عالی نے وزراء مصر کو تار دیا کہ وہ ہز ہائینس خدیو کے احکام و اوامر کا اتباع کریں۔

فرانس و انگلستان کے بیڑے بندرگاہ اسکندریہ میں پہنچنے کے بعد دونوں سلطنتوں کے قنصلوں نے ۲۵ مئی ۱۸۸۲ء کو اس مضمون کا ایک مراسلہ بارگاہ خدیوی میں بھیجا کہ مصری پارلیمنٹ کے صدر سلطان پاشا ملک کے امن و سلامتی کے لئے حسب ذیل تجاویز وزیر اعظم کے سامنے پیش کرنا اپنا وطنی فرض سمجھتے ہیں۔

اولاً عرابی پاشا کو ان کے عہدہ پر باقی رکھتے ہوئے اور انھیں مصری شہریت کے حقوق دیتے ہوئے ایک مدت کے لئے ملک سے جلاوطن کر دیا جائے۔

ثانیاً۔ علی فہمی پاشا اور عبد العال حلمی پاشا اندرون مصر میں کسی جگہ نظر بند کر دیا جائے۔

ثالثاً محمود پاشا سامی کی وزارت سے استعفا داخل کر دے۔ آخر میں دونوں سلطنتوں کے قنصلوں نے

ظاہر کیا کہ وہ سلطان پاشا کی اس رائے سے کلیتاً اتفاق کرتے ہیں اور جناب خدیو سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ تینوں تجاویز کو نافذ العمل کرائیں۔

اس مراسلہ سے معلوم ہوا کہ فوجی پارٹی سے مجلس النواب کے بعض ارکان اختلاف بھی رکھتے ہیں جن کے صدر کی رائے ہے مرحوم توفیق پاشا نے دونوں قنصلوں کی تحریک کو پسند تو کیا مگر یہ سمجھ لیا کہ وزارت اسے قبول نہ کریگی۔ ان کے حکم سے وزارت مجتمع ہوئی اور انہوں نے غور و بحث کے بعد جناب خدیو کو مطلع کیا کہ وہ استعفا دینے پر تیار ہیں مگر ان مطالبات کو قبول کرنے سے اعلےٰ حضرت سلطان المعظم کے حقوق سیادت کو ٹھیس لگتی ہے اور اغیار کو مصر کے معاملات میں دخل دینے کا موقع ملتا ہے شاید وزراء مصر اسوقت بھول گئے ہوں گے کہ فرانس و انگلستان پہلے ہی سے مصر کے شؤون داخلیہ میں مداخلت کر چکے تھے اور یہ کوئی پہلی مرتبہ نہیں تھی

ہر وہ مصری جو اپنے وطن سے محبت رکھتا ہے اور جو حوادث عربیہ کے ہولناک نتائج پر مطلع ہے یقیناً اس موقع پر یہ رائے دیگا کہ مصر کا اضطراب رفع کرنے اور تداخل اغیار کا ہر ممکن سبب دُور کرنے کے لئے عرابی پاشا کو سلطان پاشا کی رائے پر عمل کر کے خود مصر سے چلا جانا چاہیئے تھا۔ کچھ شک نہیں کہ عرابی پاشا کو مصر چھوڑنا سخت ناگوار ہوتا خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ ان کے خروج کو ان کے دشمن انکی اور حزب وطنی کی قیادت اپنے ہاتھ میں لی ہو۔ تاریخ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے تھا۔ اور یاد کرنا چاہیئے تھا۔ کہ موجودہ صدی (یعنی ۱۸۰۰ء) کی ابتدا سے انگلستان مصر پر استیلا حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس خوش آئند تمنا کو حاصل کرنے کے لئے وہ کسی موقع کو ہاتھ سے نہیں کھوتا۔ اور ایسی حالت میں مصر کے اضطراب و قلاقل اس سلطنت کے سوا جو مکر و فریب اور ریشہ دوانی کی سیاست میں زبردست مہارت رکھتی ہے اور کسی کو فائدہ نہیں پہنچا ئینگے۔ اگر وہ اس حقیقت پر غور کرتے تو ضرور انکی وطن پرستی اُنھیں ملک سے نکل جانے اور اسے خطرات سے بچا لینے کا مشورہ دیتی۔

جو لوگ اسوقت عرابی پاشا کے مصر سے چلے جانے کی ضرورت پر زور دیتے تھے انھیں پاشا نے یہ جواب دیا تھا کہ اُن کا مصر سے چلا جانا ایک طرف مصر میں فرانس اور انگلستان کے اوامر کی تنفید اور ان دونوں سلطنتوں کے لئے ملک کے داخلی معاملات میں مداخلت کا راستہ صاف کر دیگا، اور دوسری طرف ان کی جماعت دشمنوں کے رحم پر چھوٹ جائیگی جو ایک خطرۂ عظیم ہے۔ مگر یہ جواب بالکل ضعیف تھا۔ کیونکہ فرانس اور انگلستان اسمعیل پاشا ہی کے وقت سے مصر کے معاملات میں داخل ہو چکے تھے۔ انھیں دونوں نے حضرت سلطان المعظم کو اپنے ساتھ ملا کر اسمعیل پاشا کو معزول کرایا تھا، حوادث عرابیہ کی ابتدا سے یہ دونوں مداخلت کر رہی تھیں خود عرابی پاشا کو یقین تھا کہ ۹ ستمبر ۱۸۸۱ء کو (یعنی اس روز جبکہ اس کی قیادت میں مصری فوجوں نے میدان عابدین میں مظاہرہ کیا تھا) سر ایڈورڈ مالٹ انگریزی قونصل جنرل پہلا شخص تھا۔ جس نے وزارت ریاض پاشا کو معزول کرنے اور فوجی مطالبات کے مان لینے پر خدیو کو راضی کیا تھا۔ رہا یہ خیال کہ اُن کے چلے جانے کے بعد اُنکے انصار و اعوان خطرہ میں مبتلا ہو جائینگے، سو یہ ایک وہمی خطرہ تھا۔ خود عرابی پاشا اچھی طرح جانتے تھے کہ اُن کی جماعت میں بہت سے ایسے لوگ جمع ہیں جو اُنھیں کی طرح اپنے حقوق وطن، اپنی حریت ملی اور اپنے ملک کی حکومت خود ابنائے ملک کے ہاتھ میں لانے کے لئے جد و جہد کرنیوالے تھے پس اگر وہ سلطان پاشا کی رائے پر عمل کر کے مصر چھوڑ دیتے تو حالات کا رُخ بدل جاتا، اعدائے مصر کے وساوس باطل ہو جاتے اور دشمنوں کے مکائد کو کامیابی کا مُنہ دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ وہ خود اپنی ذات کو تمام دنیا کی

نظروں میں پہلے سے زیادہ شریف و جلیل بنا دیتے، اور اس زبردست ذمہ واری سے سبکدوش ہو جاتے جو آج اُن کے حسن نیت و صدق و اخلاص کو تسلیم کرتے ہوئے اُن کے ابنا وطن اپنے مصائب کے لئے ان پر عاید کرتے ہیں!

وزارت نے استعفا دینے سے قبل کوشش کی کہ پارلیمنٹ کا ایک اجلاس منعقد کریں مگر خدیو نے اس کے اجتماع کے لئے حکم صادر کرنا قبول نہیں کیا۔ بلکہ وزرا کا استعفا قبول کر کے دوسری وزارت مرتب کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اور چونکہ فوج کی باگیں کلیتاً عرابی کے ہاتھ میں تھیں اسلئے سلطان پاشا اور اُنکے دوسرے ہمخیال ارکان مجلس نے خیال کیا کہ اگر عرابی کو وزیر جنگ مقرر کیا گیا تو اس میں اور عزیز مصر میں اور زیادہ مخالفت بڑھ جائیگی لیکن انھوں نے خدیو سے درخواست کی کہ وہ عرابی پاشا کو پھر وزیر جنگ مقرر کریں چنانچہ مغفور لہ توفیق پاشا نے اسے قبول کیا اور عرابی پاشا کو دوبارہ وزیر جنگ مقرر کیا۔

اس موقع پر فرانس نے تمام دول یورپ سے درخواست کی کہ وہ اُسکے ساتھ ملکر باب عالی سے استدعا کریں کہ وہ عرابی اور اس کے رفقا کو آستانہ بلاکر بارگاہ سلطانی سے اس کے لئے حکم و اوامر صادر کرائے۔ دول نے اس درخواست میں فرانس کی ہمنوائی کی، مگر انگلستان نے باب عالی کو رائے دی کہ اسے رد کر کے خود اپنا ایک نمائندہ مصر کے حالات دیکھنے کے لئے بھیجے، چنانچہ باب عالی نے انگلستان کی نصیحت کو قبول اور اسپر عمل کیا

چونکہ حوادث عرابیہ میں انگلستان کی سیاست دو رخی تھی، اسلئے سر ایڈورڈ مالٹ انگریزی قنصل جنرل نے حزب وطنی کو راضی کرنے کے لئے اس مراسلہ پر سے اپنے دستخط واپس لے لئے گئے جو ۷ مئی کو اُنہوں نے فرنچ کونسل جنرل کے ساتھ بھیجا تھا۔ اس فعل کو عام طور پر مسئلہ مصر میں فرانس و انگلستان کے انفصال کی ابتدا سمجھا گیا ہے۔ فرانس نے جب یہ حال دیکھا تو مصر کے معاملہ پر بحث کرنے کے لئے ایک بین الدولی کانفرنس آستانہ میں منعقد کرنے کی تجویز دول کے سامنے پیش کی جسے سب نے منظور کیا اور اس امر پر اتفاق کیا گیا کہ استقلال مصر کے متعلق تمام معاہدات کا احترام اور ۱۸۷۳ء و ۱۸۷۹ء کے فرمانوں کا لحاظ کیا جائے۔

پہلی جون ۱۸۸۲ء کو فرانس کے ایوان مبعوثین میں مسئلہ مصر پر بحث ہوئی، فرانس کی رائے عامہ اسوقت عرابی پاشا اور اسکی جماعت کی طرفدار بن رہی تھی۔ وہ دعوت عرابیہ کی مددگار تھے۔ اور حکومت فرانس پر زور ڈال رہی تھی کہ مصر کے معاملات میں فوجی مداخلت نہ کرے۔ موسیو ڈی لافوس نے اسٹیج پر آکر وزیر خارجہ فرانس سے مطالبہ کیا کہ وہ فتنہ مصر کے معاملہ میں اپنی سیاست کا صاف طور پر اعلان کردیں۔ چنانچہ موسیو فریسینے نے اعلان کیا کہ فرانس نہ خود مسئلہ مصر میں فوجی مداخلت کرنا چاہتے ہیں اور نہ پسند کرتے ہیں کہ دولت علیہ اس میں فوجی مداخلت کرے۔ پھر جب سوال کیا گیا کہ وہ دولت علیہ کی فوجی مداخلت کو پسند نہیں کرتے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ مصر میں ترکی فوجوں کا مداخلت کرنا دولت علیہ کی رفع شان اور تمام مسلمانوں کی ہمت افزائی کا باعث ہوگا جس سے ممکن ہے کہ ٹیونس اور الجزائر کے مسلمان بھی ترکی مدد کے بھروسہ پر فرانس کے خلاف کھڑے ہو جائیں مگر موسیو ڈی لافوس نے فریسینیہ کی اس سیاست سے اختلاف کیا اور کہا کہ دولت علیہ کے ساتھ اتفاق قائم رکھنا اور اس کی رفع شان کے لئے سعی کرنا فرانس کی عین مصلحت ہے، کیونکہ اُس سے فرانس مسلمانوں کی تالیف قلب کرے گا۔ اور دولت علیہ اس کے ماتحت مسلمانوں کو اس کی اطاعت پر راغب کردیگی۔ تیسرے یہ کہ

مصری مشکلات کے حل کا واحد ذریعہ دولت علیہ کی مداخلت ہی ہے۔ جود موسیو گیمبیٹا نے بھی مصر کے مسئلہ پر ایک طویل تقریر کی جس میں وزارت کو نصیحت کی وہ انگلستان کو انفرادی کارروائی کرنے کے لئے ہرگز نہ چھوڑے بلکہ ہر کام میں اس کے ساتھ لگا رہے ورنہ اگر اس نے غیر جانبداری پر عمل کیا تو اس کے نتائج خطرناک ہونگے اور مصر انگریزی قبضہ میں چلا جائیگا۔ مگر موسیو فریسینیہ نے اپنے احمقانہ سیاست سے احتراز نہ کیا۔ اس نے خود بھی مسئلہ مصر میں مداخلت کرنے سے انکار کر دیا اور دولت علیہ کو بھی اپنی فوجیں بھیجنے سے روکدیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگلستان نے تنہا مداخلت کی اور آخر مصر پر برطانی احتلال قائم ہوگیا۔

پہلی ہی جنوری کو برطانی پارلیمنٹ میں بھی مسئلہ مصر پر بحث ہوئی۔ وہاں مسٹر گلیڈ اسٹون نے وزیر اعظم کی حیثیت سے بیان کیا کہ عرابی پاشا، توفیق پاشا کو معزول کرکے اُن کی جگہ پرنس حلیم کو تخت نشین کرنا چاہتا ہے، مگر دول خدیو حال (یعنی توفیق پاشا) کی مدد پر متفق ہیں اور جو چیز انھیں مداخلت سے روک رہی ہے وہ صرف یہ ہے کہ کہیں اس سے مصر میں مذہبی تعصب کی آگ نہ بھڑک اُٹھے اور خدیو کی جان خطرہ میں نہ پڑ جائے۔ اسی تصریح سے مسٹر گلیڈ اسٹون کا مقصد صرف یہ تھا کہ توفیق پاشا کو انگریزوں کی طرف اور زیادہ مائل کرلیں اور ان کا اعتماد حاصل کرلیں۔

موسیو فریسینیہ کی تصریحات جب برطانی مدبرین تک پہنچیں تو انھیں بیحد خوشی ہوئی، کیونکہ اب اُن کے لئے میدان صاف تھا اور احتلال مصر کے راستہ میں کوئی روک باقی نہ رہی تھی۔ اب انگلستان نے ضرورت محسوس کی کہ ٹرکی کو اپنے حسن نیت کی طرف سے مطمئن کردے تاکہ اُسے کوئی شبہ نہ ہونے پائے اور اُس کے لئے مرحوم توفیق پاشا حضرت سلطان المعظم سے یہ درخواست کرنیکی رائے دی کہ وہ ایک عثمانی مندوب عالی (High Commissioner) کو مصر بھیجیں۔ سلطان نے اس درخواست کو بہت پسند کیا اور درویش پاشا کو مندوب عالی کی حیثیت سے مصر بھیجا۔ جو ۷ جون ۱۸۸۲ء کو وہاں پہنچ گئے۔ مصر میں درویش پاشا کی موجودگی سے انگریزوں کی دو مصلحتیں تھیں:۔ اولاً دولت علیہ کو یہ اطمینان ہے کہ وہ مصر میں اسی کی مداخلت چاہتے ہیں، اور ثانیاً درویش پاشا کے ذریعہ حزب وطنی کی ہمت افزائی کیجائے۔

مصر کے انگریزی قناصل یورپین آبادی میں ایک اضطراب پیدا کرنا چاہتے تھے۔ سر ایڈورڈ مالٹ کونسل جنرل انگریزی رعایا کو جو مصر میں مقیم تھی حکم دیدیا تھا کہ ہر وقت سفر کے لئے تیار رہو کیونکہ عنقریب سخت خطرناک واقعات پیش آنیوالے ہیں۔ اسکندریہ کے انگریزی قنصل مسٹر کاکسن نے شہر کے تمام انگریزوں کو اسلحہ و کارتوس تقسیم کردیئے تھے (یہ اسلحہ انھیں اسکندریہ کے ایک انگریزی جہاز نے خفیہ طور پر بھیجے تھے) مسٹر کاکسن نے انگریزی افسر باریوٹ کی مدد سے مصریوں کے خلاف یورپین مداخلت کا ایک نقشہ بنایا تھا جس کی رو سے تین چار ہزار یورپین باشندوں کو مسلح کرنا ضروری تھا۔ ۹ جون ۱۸۸۲ء کو انہوں نے یہ نقشہ اپنے فرنچ ساتھی (یعنی فرنچ کونسل) کو دکھایا اور دوسرے قناصل دول کو بھی اس میں شرکت کی دعوت دی مگر اُن لوگوں نے اُسے نصیحت کی کہ اسطرح یورپین باشندوں کو مسلح کرنا ایک شدید اضطراب کا باعث ہوگا اور اہل یورپ کے خلاف ملک میں عام جذبات بھڑک اُٹھینگے۔ انھوں نے اس تجویز میں شرکت کرنے سے قطعاً انکار کر دیا۔ مگر مسٹر کاکسن اپنی تحریک سے باز نہ آیا، اُسنے تمام مالٹیوں اور یونانیوں کو مسلح کیا۔ اور جتنے یورپین اراذل اسکندریہ میں ملسکے انھیں بھی اپنی فوج میں شامل کرلیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکندریہ کے حادثہ فاجعہ کی تدبیر میں انگریزی کونسل صاحب کسواور کسی کا ہاتھ نہیں تھا۔

ہنگامہ کی ابتدا ایک مالٹی اور ایک مصری کی لڑائی سے ہوئی، جس پر یورپین باشندوں نے اپنے جنگلے اور برآمدوں سے مصریوں پر گولیاں برسانی شروع کیں۔ بہت سے لوگوں کا بیان ہے کہ یہ مالٹی خود مسٹر کاکسن کا ایک ملازم تھا۔ انگلستان اور فرانس کے بیڑوں نے یہ خبر سنتے ہی فوراً اپنی فوجیں اسکندریہ میں اتار دیں مگر انگلستان کو اس اشتراک سے خوف پیدا ہوا کہ کہیں فرانس احتلال مصر میں بھی اس کا ساتھ نہ دے، اسلئے کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

یورپ میں جب حادثہ اسکندریہ کی خبر پہنچی تو انگریزی مدبروں نے اور اخبار نویسوں نے شور برپا کر دیا کہ یہ مصریوں کے مذہبی جنون کا نتیجہ تھا، حالانکہ درحقیقت خود انگریز اور ان کی چالیں اس منحوس قتل عام کے اصل اور باعث تھیں۔ خود موسیو ڈی فریسینیہ وزیر اعظم فرانس نے ۱۲ جون کو مجلس الاشراف کے سامنے تصریح کر دی تھی کہ قتل عام سے چند روز پہلے کثیر التعداد اسلحہ مالٹیوں میں تقسیم کر دیئے گئے تھے، اس قتل عام کو مصریوں کے تعصب دینی سے منسوب کرنا سخت غلطی ہے۔ موسیو فریسینیہ نے اس تقریر میں حکومت مصر کی پالیسی کو بہت پسندیدہ بتلایا تھا۔

حکومت مصر حادثہ اسکندریہ کا حال سنتے ہی یعقوب پاشا سامی وزارت جنگ کے سکریٹری کو ۲ پیادہ پلٹنوں، ۲ توپخانوں کی باتریوں اور ۲ سوار رسالوں کے ساتھ اسکندریہ بھیجدیا تاکہ امن عام کی حفاظت اور اجانب کی امنیت کے لئے مقامی حکومت کی مدد کریں۔ اس کے ساتھ ہی حکومت مصریہ نے قتل عام کے متعلق تحقیقات کا ارادہ کیا تاکہ اصل حقیقت ظاہر ہو جائے، اور اس کے لئے انگلستان و فرانس سے درخواست کی کہ ایک غیر جانبدار تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا جائے۔ جو ۹ مصری اور ۹ یورپین ارکان پر مشتمل ہو، مگر انگلستان نے ایسے کمیشن میں شرکت کرنے سے قطعاً انکار کر دیا۔

قتل عام کے دوسرے دن صبح کو اٹلی اور آسٹریا کی حکومتوں نے اپنے اپنے رعایا کی حفاظت کیلئے اپنے بیڑے اسکندریہ کو بھیجدیئے۔ اسی روز لارڈ ساکسبری نے انگلستان کے دارالامرا میں کھڑے ہو کر حکومت انگریزی کو اس بات پر سخت ملامت کی کہ وہ اس منحوس قتل عام کے بعد اسکندریہ پر کیوں نہیں قبضہ کر لیتی؟ اس کے جواب میں لارڈ گرینویل وزیر خارجہ نے کہا کہ وزارت نے امیر البحر سیمور (Seymour) کو کامل آزادی عطا کر دی ہے کہ جسوقت کے لحاظ سے جو کارروائی مناسب ہو اپنے اختیار سے عمل میں لائے۔ واقعہ در اصل یہ تھا کہ مذبحہ اسکندریہ کے وقت جس چیز نے سر بوشیمپ سیمور کو اسکندریہ پر اپنی فوجیں اتارنے اور کسی قسم کی جنگی کارروائی کرنے سے باز رکھا وہ صرف یہ خوف تھا کہ کہیں فرنچ بیڑہ بھی اس کار خیر میں شریک نہ ہو جائے۔ تقریباً تمام برطانی مدبرین اس حقیقت سے آگاہ تھے؛

جناب خدیو، درویش اور قناصل دول کو ساتھ لے کر خود اسکندریہ گئے تاکہ غیر ملکی باشندوں کو مطمئن کریں اور امن قائم کر دیں۔ اسکے ساتھ ہی ۱۷ جون ۱۸۸۲ء کو دوسری وزارت راغب پاشا کی صدارت میں مرتب کی گئی اور عرابی پاشا اس میں بھی بدستور وزیر جنگ رہا۔ فرانس، روس، جرمنی، آسٹریا اور اٹلی کی سلطنتوں نے فتنہ کی شدت کو دیکھ کر دولت علیہ پر زور دیا کہ اس بین الاقوامی کمیشن میں اس کی شرکت نہایت ضروری ہے، جو کہ آستانہ میں منعقد کیا جانا تجویز ہوا ہے۔ مگر ترکی مدبرین انگریزوں کے دھوکے میں آ گئے اور انھوں نے اس بنا پر شرکت سے انکار کر دیا کہ ایسی شرکت تو اپنے حقوق کو دیگر دول کے برابر خود ہی تسلیم کر لینے کے ہم معنی ہے۔ آخر دول کے نمائندوں نے مجبور ہو کر ترکی کے نمائندوں کی شرکت کے بغیر آستانہ

میں اجتماع منعقد کیا۔ اس کمیشن میں انگریزی حکومت کی طرف سے لارڈ ڈفرن (جو اسوقت آستانہ میں برطانی سفیر تھے) شریک ہوئے اور حسب ذیل قرارداد (Protocol) پر انہوں نے بھی برطانی نمائندہ کی حیثیت سے دستخط کئے:۔

"وہ تمام حکومتیں جن کے نمائندے اس قرارداد پر دستخط کر رہے ہیں، اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی مسئلہ مصر کے متعلق کسی تصفیہ کے موقع پر اراضی مصر کے کسی حصہ کو اپنے قبضہ میں لانے کی کوشش نہ کریگی، نہ اپنے لئے یا کسی اور حکومت کے لئے خاص امتیازات حاصل کرنے کی کوشش کرے گی نہ اپنی رعایا کے لئے ایسی خاص تجارتی حقوق حاصل کرنے کا ارادہ کریگی جو ان کے سوا کسی اور حکومت کی رعایا کو حاصل نہوں یا نہو سکتے ہوں۔"

یہ قرارداد تمام دول کی طرف سے اس بات کا عہد و اقرار سمجھی جاتی ہے کہ وہ مصر کے حقوق پر کوئی دست درازی نہ کریگی۔ حکومت انگریزی نے بھی تمام اور حکومتوں کی طرح اس عہد کو قبول کیا اور اس کے ممتاز مدبرین میں سے ایک۔ لارڈ ڈفرن۔ نے اسپر دستخط کئے تھے۔ پس آج ہز مجسٹی ملکۂ وکٹوریہ اور ان کے وزرا کی دوسری تصریحات قطع نظر کرکے، صرف یہی ایک قرار ایسی ہے جو مصر کے موجودہ انگریزی احتلال پر یورپ سے اور خود انگلستان سے انگلستان کے عمل کے خلاف ایک دائمی احتجاج کی حیثیت رکھتی ہے۔

ادہر تو آستانہ میں بین الاقوامی کمیشن مسئلہ مصر کو حل کرنے کی کوشش کر رہا تھا، اور ادہر انگلستان اپنے جنگی جہازوں کی تجہیز و تسلیح و اسکندریہ پر اپنے بیڑے کی تقویت میں مشغول تھا۔ اور انگریزی اخبارات اپنی حکومت پر زور ڈال رہے تھے کہ وہ تنہا مصر پر قبضہ کرلے۔ ان اخبارات کے مضامین سے متاثر ہوکر انگریزی رائے عامہ بھی اپنی حکومت سے مطالبہ کرنے لگی تھی کہ وہ مصر میں تنہا کارروائی کرے۔ حتے کہ لارڈ کیمبرلے برطانی وزیر مستعمرات (Colonial Secretary) نے کھڑے ہوکر کہا کہ "انگلستان باوجودیکہ امن و سلامتی کی طرف پورا میلان رکھتا ہے اور یورپ کی رائے عامہ کا احترام کرنے پر تیار ہے، مگر اس کے لئے یہ بات قطعاً ناممکن ہے کہ نہر سویز کی حفاظت سے دست بردار ہو جائے اور شرق میں اپنے مصالح کی لازمی مدافعت چھوڑ دے۔" اسکے ساتھ ہی امیر البحر سیمور نے مصری حکومت کو دھمکی دی کہ اگر اُسنے انگریزی بیڑہ کے خلاف کوئی معاندانہ کارروائی کی تو وہ اسکندریہ پر گولہ باری کرکے اُسے برباد کردیگا۔ فرانس نے بھی انگلستان کی تقلید کرکے اپنے جہازوں کو تیار کرنا شروع کردیا اور ۱۸ جولائی ۱۸۸۲ء کو موسیو فرلسینیہ نے ایوان مبعوثین سے درخواست کی کہ وہ ضروری کارروائی کے لئے ۳۰ لاکھ فرانک[1] کی منظوری دے، اور یہ تصریح کردی کہ ایوان کی رضامندی کے بغیر نہ کوئی فرنچ فوج مصر بھیجی جائیگی اور نہ وادی نیل میں کسی قسم کی عملی مداخلت کیجائیگی۔ البتہ اتفاقی ضرورت کا مقابلہ کرنے کے لئے مستعد رہنا ضروری ہے۔

اس زمانہ میں انگریز ایک چال اور چلے۔ اُن کی سیاست کا اقتضا یہ تھا کہ سلطان المعظم سے عرابی پاشا کے تعلقات زیادہ ہوتے جائیں۔ اور خدیو سے کم۔ اسلئے اُنہوں نے ترکی مدبرین کو۔ جنہوں نے حوادث عرابیہ میں اول سے آخر تک ایک لمحہ کے لئے بھی انگریزوں پر شبہ نہیں کیا تھا، مشورہ دیا کہ اعلیٰحضرت سلطان کی جانب سے عرابی پاشا کو ایک اعزازی تمغہ بھیجیں جس سے اُسکی ہمت افزائی ہو اور اسکی سیاست پر خوشنودی

---

[1] ایک فرنچ سکہ ہے جو ۹½ آنہ ہندوستانی کے برابر ہوتا ہے۔

کا اظہار ہو جائے۔ دولت علیہ نے اس مشورہ پر عمل کیا اور عرابی پاشا کو درجہ اول کی تمغۂ مجیدی ایک فرمان خاص کے ساتھ بھیجدیا۔ اس ترکیب سے عرابی پاشا اور اس کی جماعت کی اور بھی ہمت افزائی ہوئی اور خدیو کے دل میں دولت علیہ کی طرف سے زیادہ نفرت بڑھ گئی جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا۔ کہ وہ اپنے اصلی آقا سے ناراض ہو کر انگریزوں کے دامن میں پناہ لیتے۔

انگریزی رجال سیاست نے ان سب تیاریوں سے مطمئن ہو کر اور یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچا کر کہ فرانس ہر قسم کی عملی مداخلت سے اجتناب کریگا۔ اپنا کام پورا کرنے کا فیصلہ کر لیا اور امیر البحر سیمور کو حکم دیا کہ اسکندریہ پر گولہ باری کرنے کے لئے بہانہ تلاش کرے۔ امیر البحر صاحب نے یہ حکم پا کر حکومت مصری کو دھمکی دی کہ اگر اس نے شہر اسکندریہ کے استحکامات کی درستی نہ بند کی تو وہ گولہ باری شروع کر دینگے۔ کیونکہ وہ استحکامات کی اصلاح یا قلعوں کی ترمیم کو انگریزی بیڑہ کے لئے تہدید کے ہم معنی سمجھتے ہیں۔ خدیو نے حضرت سلطان سے اس عجیب غریب مطالبہ کی نسبت استفسار کیا اور اُن کا حکم پا کر قلعوں اور استحکامات کی اصلاح و ترمیم بند کر دی مگر امیر البحر کو تو حکم تھا کہ کسی نہ کسی صورت سے بہانہ تلاش کرو۔ اُس نے دوبارہ ایک تنبیہی پیغام بھیجا کہ مصری عمل آبنائے اسکندریہ کو پتھروں سے بند کر رہے ہیں انہیں اسطرح پتھر پھینکنے سے منع کیا جائے ورنہ وہ اپنے بیڑے کو گولہ باری کا حکم دیدیگا۔ حکومت مصر نے پھر صلاحیت سے کام لیا اور اس بیہودہ پیغام کے جواب میں لکھا کہ اُس نے اپنے عمل کو آبنائے اسکندریہ کے بند کرنے کا کوئی حکم نہیں دیا۔ اور نہ اُس کے عمال نے آبنائے میں پتھر پھینکے، جہاں تک تحقیقات کی گئی اس دعوی کی کوئی حقیقت ثابت نہیں ہو سکی، لیکن اگر انگریزی بیڑے کو یقین ہے کہ ایسا کیا جا رہا ہے تو حکومت مصر کی وزارت بحریہ اُسے اختیار دیتی ہے کہ جس شخص کو آبنائے میں پتھر پھینکتے ہوئے دیکھے اُسے گرفتار کر لے۔ مگر امیر البحر نے اسپر بھی قناعت نہ کی اور ۱۰ جولائی ۱۸۸۲ء کو حکومت مصر کے نام ایک آخری پیغام بھیجا جس میں اس بات کا باریک جھوٹا دعوی کیا کہ وہ قلعہ ہائے صالح، مکس اور قائد بک پر جدید توپیں چڑھا رہی ہے، اور دھمکی دی کہ اگر اس نے قلعہ عجمی سے لے کر قائد بک تک اسکندریہ کے تمام قلعہ کی توپیں اسلحۂ ذخائر سمیت انگریزی بیڑے کے سپرد نہ کریں تو شہر پر گولہ باری شروع کر دیجائیگی۔

اسکندریہ کے دیگر یورپین قناصل کو جب امیر البحر سیمور کی ان تہدیدات کا علم ہوا تو انہوں نے متفقہ طور پر اسے لکھا کہ اسکندریہ پر گولہ باری کرنے سے اجتناب کرے، کیونکہ یہ حرکت تمام یورپین مصالح کو نقصان پہنچائے گی اور اُن سب کی املاک اور عمارات کو صدمہ پہنچیگا۔ اس کے ساتھ ہی اُنہوں نے وعدہ کیا کہ وہ حکومت مصر کو اس کے مطالبات تسلیم کرنے پر راضی کر دینگے۔ امیر البحر نے اسکے جواب میں انہیں لکھا کہ وہ اسکندریہ کے استحکامات اور قلعوں کے سوا کسی اور حصہ شہر پر گولہ باری نہیں کرنا چاہتا۔ اس لئے یورپین رعایا کے عمارات اور املاک گولہ باری سے محفوظ رہینگے۔ مگر اس جواب سے محض قناصل کو مطمئن کرنا منظور تھا، کیونکہ وہ سارے اسکندریہ کو برباد کرنا اور حکومت مصر کو بڑے بڑے تاوان ادا کرنے پر مجبور کرنا چاہتا تھا۔

مرحوم توفیق پاشا نے سیمور کے آخری پیغام پر غور کرنے اور اس کا مناسب جواب تجویز کرنے کے لئے ۱۰ جولائی ۱۸۸۲ء کو اپنی صدارت میں وزرا کا ایک جلسہ منعقد کیا جس میں عثمانی ہائی کمشنر درویش پاشا بھی موجود تھے۔ تمام حاضرین نے غور و خوض کر کے اس امر پر اتفاق کیا کہ وزیر مال، وزیر جنگ، وزارت بحریہ کے سکرٹری اور شاہی اسٹاف میں سے ایک شخص کو امیر البحر سیمور کے پاس بھیجا جائے، اور یہ لوگ اُسے پیغام

دیں کہ قلعہائے صالح، مکس اور قائدبک، خلد مکان محمد علی شاہ کے عہد سے ابتک ایک حالت پر ہیں، ان میں نہ کوئی خاص تغیر و تبدل کیا گیا ہے اور نہ جدید توپیں وہاں نصب کی گئی ہیں، لیکن اگر امیر البحر مزید اطمینان کرنا چاہیں تو حکومت مصر اسے ان قلعوں کا معائنہ کرا دینے پر تیار ہے۔ مجوزہ قرارداد کے مطابق چاروں اشخاص امیر البحر کے پاس گئے اور اسے یہ پیغام پہنچا دیا۔ مگر اس نے ایک نہ سنی اور دوبارہ یہی مطالبہ کیا کہ اسکندریہ کے تمام قلعوں کی توپیں دیگر اسلحہ و ذخائر سمیت اسکے سپرد کر دیجائیں۔ آخر جب مطالبہ الٹی میٹم کی حیثیت سے ہز ہائینس خدیو اور وزراء کے سامنے پیش کیا گیا تو سب نے بالاتفاق فیصلہ کیا کہ اسے قبول کرنا مصر کے لئے سخت ذلت ہے۔ اور طے کیا گیا کہ اگر انگریزی جہازوں نے قلعہ پر گولہ باری کی تو پانچ چھ باڑھیں چھوٹنے کے بعد مصری توپیں بھی اس کا جواب دینگی پانچ چھ باڑھیں چھوٹنے تک خاموش رہنے سے یہ مقصود تھا کہ ساری ذمہ داری انگریزی بیڑہ ہی پر رہے۔ چنانچہ حکومت مصر نے ۱۰ جولائی ۱۸۸۲ء کو امیر البحر سیمور کے پاس اپنا جواب بھیجدیا جس میں لکھا تھا کہ:-

"مصری حکومت نے ابتک کوئی کارروائی ایسی نہیں کی جس سے انگریزی بیڑہ کو اسکندریہ پر گولہ باری کرنا ضرور ہو۔ وہ محض اپنی عزت اور اپنے استقلال کی محافظت کر رہی ہے، اور اپنے قلعوں کی توپوں کو انگریزی بیڑے کے حوالہ کرنا اپنے لئے انتہائی ننگ و عار کا باعث سمجھتی ہے۔ پس اگر ایسے ناجائز مطالبہ کو رد کرنے کے پاداش میں شہر اسکندریہ پر گولہ باری کی گئی تو اس حرکت کے ہولناک نتائج کی پوری ذمہ داری اس قوم کے سر ہوگی جو اپنے اور مصر کے درمیان بغیر کسی اعلان جنگ کے اسکندریہ پر جنگی کارروائی کریگی اور اس طرح قوانین عامہ اور آئین جنگ کے خلاف عمل پیرا ہوگی"

موسیو فریسینیہ وزیر خارجۂ فرانس کو جب اس کا علم ہوا کہ امیر البحر سیمور نے اس طرح اپنا بلاغ اخیر حکومت کو بھیجدیا ہے، تو اسنے فرانسیسی بیڑہ کو (جو انگریزی بیڑہ کے برابر لنگر انداز تھا) حکم دیدیا کہ اسکندریہ سے ہٹکر پورٹ سعید پر قیام کرے۔ اس حرکت سے فرانس نے مصر میں اپنے تمام مصالح کا خون کر دیا، اور اپنی ایک صدی کی سیاست کو چھوڑ کر اپنی تاریخ میں سب سے بڑی سیاسی غلطی کا ارتکاب کیا۔ موسیو فریسینیہ کو اس احمقانہ حرکت کا نتیجہ خود بھی جھگتنا پڑا، اس کی قوم اس سے سخت نفرت کرنے لگی حتے کہ بہت سے فرانسیسیوں نے اس کو خیانت کا مجرم قرار دیا۔ اور اس پر عموماً الزام لگایا گیا کہ اسنے انگلستان کے ہاتھ فرانس کی عزت بیچ دی۔ مگر حوادث عرابیہ اور ان کے متعلق دول کی سیاست میں ضرور کچھ نہ کچھ اسرار پوشیدہ ہیں جنہیں آج تک تاریخ نے ہنوز نہیں کھولا ہے۔ بہرحال یہ ایک روشن حقیقت ہے جو اپنی اہمیت و نتائج آفرینی میں مسئلہ السلاس و لورین[1] (Alsace Lorraine) سے کچھ کم نہیں ہیں۔

۱۰ جولائی کی شام کو لارڈ گرینویل نے دول یورپ کو ایک یادداشت بھیجی جس میں انھیں مطلع کیا کہ "اسکندریہ پر انگریزی بیڑہ کی گولہ باری محض دفاعی ہے جسے ضرورت نے بالکل لازمی کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ انگریزی حکومت مصر کے خلاف کوئی اور ارادہ نہیں رکھتی" مگر آخر وہ کیا ضرورت تھی جس کے باعث اسکندریہ پر یہ گولہ باری کرنا لازمی ہو گیا تھا۔ اور یہ آخر کس قسم کا دفع تھا؟ کیا فرانسیسی بیڑہ بھی انگریزی بیڑہ کے برابر نہیں کھڑا تھا، پھر اس نے کیوں نہ دعوےٰ کیا کہ اسکندریہ کے قلعے اسے دھمکی دیتے ہیں؟ کیا آسٹریا و اٹلی کے

---

[1] یہ فرانس کے وہ مشہور صوبے ہیں جنہیں ۱۸۷۰ء کی جنگ میں پروشیا نے اس سے چھین لیا تھا۔

جہاز بھی وہاں موجود نہ تھے، پھر انہیں اسکندریہ کے قلعوں نے کیوں نہ دھمکی دی اور وہ اپنی مدافعت پر کیوں نہ مجبور ہوئے؟ کیا دول کے تمام قناصل نے اس امر کا اعتراف نہیں کیا کہ حکومت مصر نے امیر البحر سیمور کو اس بات کی اجازت نہیں دی تھی کہ وہ اسکندریہ کے راستہ میں جس شخص کو پتھر ڈالتے ہوئے دیکھے اُسی گرفتار کرلے؟ کیا وہ اسپر بھی آمادہ نہیں ہوگئی تھی کہ اُسے اسکندریہ کے قلعوں کی تفتیش کرادے؟ پھر کیا قلعوں کی توپوں نے انگریزی بیڑہ پر گولہ باری شروع کردی تھی جسکی وجہ سے اسکو مدافعت کرنی ضرور ہوگئی؟ واقعہ یہ ہے کہ حادثہ اسکندریہ اس قوم کے نام پر ایک سخت بدنما داغ ہے جو عدل و انسانیت کی مدعی ہے اور ایک ایسی سخت ذلت ہے جس کی یادگار صفحہ تاریخ پر ہمیشہ قائم رہیگی۔

۱۱ جولائی ۱۸۸۲ء کو (جو مصر کی تاریخ میں منحوس ترین دن تھا) سہ شنبہ کا آفتاب طلوع ہوا تھا کہ تمام انگریزی جہازوں نے مصری قلعوں پر گولہ باری شروع کردی، اور ۵ گولہ چھوٹ چکنے کے بعد مصری قلعوں نے اس کا جواب دینا شروع کیا۔ ۱۰ گھنٹہ تک فریقین میں گولہ اندازی کا مقابلہ جاری رہا یہاں تک کہ اسکندریہ کے تمام قلعے منہدم ہوگئے، قصر راس التین کا ایک حصہ برباد ہوگیا۔ اور کثیر التعداد مکانات جل گئے۔ اس منحوس دن کی شام کو سیمو الخدیو کی صدارت میں وزرا کی مجلس منعقد ہوئی اور اُس نے طے کیا کہ اگر انگریزی بیڑہ برابر گولہ باری کرتا ہے تو مغابرات صلح جاری کرانے کے لئے سفید جھنڈا بلند کردیا جائے۔ دوسرے اور ۱۲ جولائی کی صبح کو انگریزی بیڑہ نے دوبارہ گولہ باری شروع کی اور اب کی اُس کی توپوں کا رُخ شہر کیجانب تھا (اس موقع پر قارئین کرام یاد کریں کہ امیر البحر سیمور نے قناصل دول کو شہر کی طرف سے کامل اطمینان دلایا تھا، اور وعدہ کرلیا تھا۔ کہ شہری آبادی کو کوئی گزند نہ پہنچایا جائیگا)۔ اسپر سفید جھنڈے بلند کردئے گئے اور اسطرح اسکندریہ پر انگریزی بیڑہ کی گولہ باری ختم ہوئی۔ طلبہ پاشا امیر البحر سیمور سے صلح کی گفتگو کرنے گئے مگر خود اُس نے اُن سے ملاقات نہ کی اور ایک انگریزی افسر سے کہلا بھیجا کہ وہ سہ پہر کو تین بجے تک قلعہائے "عجمی"، "مکس" اور "عرب" کی تسلیم کا مطالبہ کرتا ہے تاکہ انھیں انگریزی فوج کے لئے چھاؤنی بنایا جائے اس پیغام کو لے کر طلبہ پاشا خدیو اور وزرا کے پاس واپس آئے جنہوں نے فوراً اس معاملہ کی اطلاع سلطان کو بذریعہ تار بھیجدی۔ کیونکہ وہ سرزمین مصر کا ایک انچہ بھی دولت علیہ کی منظوری بغیر کسی دوسری حکومت کو نہیں دیسکتے تھے طلبہ پاشا پھر اس کی اطلاع دینے اور جواب آنے تک مہلت مانگنے کے لئے امیر البحر کے پاس بھیجے گئے، مگر امیر البحر نے انتظار جواب کے لئے جو مہلت مقرر کی وہ گذر گئی اور وزارت بحریہ مصر میں انگریزی نمائندہ نے اطلاع دی کہ انگریزی بیڑہ عنقریب گولہ باری شروع کرنیوالا ہے۔ مرحوم توفیق پاشا یہ اطلاع پاکر حکم دیا کہ مصری فوجیں قلعہ عجمی کی طرف بھیجدی جائیں تاکہ انگریزی فوجوں کو خشکی پر اترنے اور ارض مصر پر قبضہ کرنے سے روکیں۔ مگر عرابی پاشا نے اس بنا پر ایسا کرنے سے انکار کردیا کہ "وہاں کی زمین بالکل کھلی ہوئی ہے اور انگریزی جہازوں کی گولہ باری مصری فوجوں کو سمندر کے قریب جانے دیگی"

اہالی اسکندریہ کو جب معلوم ہوا کہ اب انگریزی بیڑہ شہر پر گولہ باری کرنیوالا ہے تو ایک عام کھلبلی مچگئی، ہر شخص شہر چھوڑ کر بھاگنے لگا، ہر طرف ایک شور برپا ہوگیا، چوروں بدمعاشوں، اور اٹھائی گیروں نے بازار لوٹنے شروع کردیئے، اور شہر اسکندریہ نے وہ کچھ دیکھا جو کبھی اپنی تاریخ میں نہ دیکھا ہوگا۔ یہ تھی وہ ضرورت جس نے حکومت متحدہ برطانیہ کو ایک ایسے پرامن و پرسکون شہر پر گولہ باری کرنے کے لئے مجبور کیا تھا۔ جہاں یورپین اور مصری باشندے بھائیوں کی طرح ایک ساتھ بسر کررہے تھے۔ اور یہی وہ مقصد تھا جس نے اُسے

دوبارہ گولہ باری کرنے کیلئے آمادہ کیا تھا!

اس موقع پر مصری فوجیں مقام رمل میں قصر خدیوی کے گرد جمع ہونے لگیں۔ خدیو کو شبہ ہوا کہ عرابی انھیں قتل کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے اپنی جان بچانے کے لئے صرف انگریزوں ہی کے دامن جائے پناہ نظر آئی۔ مگر عرابی پاشا کا بیان ہے کہ وہ اس طرح اپنی فوجیں قصر خدیوی کے گرد جمع کرنے سے اُن کی حفاظت کرنا چاہتا تھا۔ بہرحال اسکندریہ کی گولہ باری کے چند روز بعد سب نے مرحوم توفیق پاشا کو ایک انگریزی محافظ دستہ کے ساتھ سرائے اسکندریہ کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔

عرابی پاشا نے جب انگریزوں کو اسکندریہ پر مستولی ہوتے دیکھا تو پیچھے ہٹکر کنج عثمان میں فوجیں جمع کرنے لگا اور مدمے بنوائے اور دفاعی استحکامات کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔ اُس نے تمام ملک میں اعلان کردیا کہ مصر اسوقت بجنگ ہونے کی حیثیت سے فوجی قانون کے ماتحت ہے۔ اور وزارت جنگ میں نائب وزیر کے ماتحت ایک جنگی کمیٹی قائم کردی تاکہ ضروری مسائل و معاملات پر غور کرے۔ ۱۷ جولائی کو خدیو نے تار کے ذریعہ عرابی پاشا کو مطلع کیا کہ مصر اور انگریزی امیر البحر کے درمیان صلح ہو گئی ہے، اور ساتھ ہی اُسے اسکندریہ بلایا۔ مگر عرابی نے تار ہی کے ذریعہ درخواست کی کہ پہلے وہ شرطیں اُسے بتا دیجائیں جنپر صلح ہوئی ہے خدیو نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا اور عرابی پھر اپنے کارروائیوں میں مشغول ہو گیا۔ اسپر خدیو نے حکومت مصر کے تمام محکموں اور وزارت جنگ کو لکھا کہ صلح ہو گئی ہے، جنگی تیاریوں کی اب کوئی ضرورت نہیں یہ خبر پاکر وزرا، معتمدین نظارت، رؤسائے دواوین، اور علماء واعیان سب نے وزارت جنگ میں ایک اجتماع منعقد کیا جس کے صدر وکیل وزارت (Under Secty. of State) تھے، بحث و مباحثہ کے بعد یہ بات طے ہوئی کہ ایک وفد بارگاہ خدیوی میں حاضر ہو اور حضرت خدیو کو قاہرہ تشریف لانے کی دعوت دی جسب تجویز وفد گیا اور اُس نے واپس آکر عرابی اور اعضاء مجلس کو مطلع کیا کہ خدیو کیلئے انگریزوں سے اذن خصوصی حاصل کئے بغیر اسکندریہ چھوڑنا محال ہے۔ عرابی کی جماعت اس جواب سے اور بھی مشتعل ہو گئی اور بعض لوگ تو توفیق پاشا کے اتنے مخالف ہو گئے کہ اُن کی معزولی پر زور دینے لگے۔ اُس زمانہ میں مصطفےٰ فہمی پاشا (جو آج کل (یعنی ۱۸۹۸ء میں) وزیر اعظم ہیں) عرابی پاشا کے زبردست حامیوں میں سے تھے اور اس کی پالیسی کی حمایت و نصرت میں سب سے زیادہ سرگرمی دکھاتے تھے!

۲۰ جولائی ۱۸۸۲ء کو سمو الخدیو نے اعلان کیا کہ وہ عرابی کو وزارت جنگ سے معزول کرتے ہیں۔ کیونکہ اُس نے اُن کے احکام کا اتباع نہیں کیا، قلعہ عجمی کی طرف فوجیں بھیجکر انگریزی فوج کی مزاحمت کرنے سے انکار کردیا، اور بغیر اس کے کہ اُن سے اجازت لیتا اپنی فوج کو لے کر کفر الدوار کی طرف ہٹ گیا اس اعلان کو تار کے ذریعہ وکیل حربیہ کے پاس بھیجدیا گیا، اور اسے حکم دیا گیا کہ عرابی سے وزارت کا چارج لیلے، اور جنگی تیاریوں کو یکقلم موقوف کردے۔ اسپر وکیل حربیہ نے ایک جلسہ عام منعقد کیا جس میں خاندان خدیوی کے امراء، تمام وزارتوں کے وکلاء، تمام محکموں کے افسران اعلیٰ، صوبوں کے اعلیٰ حکام اور تمام بڑے بڑے قضاۃ، مفتی، علماء، واعیان امت، امراء، و تجار سب جمع ہوئے، جن کی تعداد ۵۰۰ سے زائد تھی، وکیل حربیہ نے ان لوگوں کے سامنے خدیو کا تار پیش کیا اور اُن سے مشورہ طلب کیا کہ اس نازک معاملہ میں کیا رویہ اختیار کیا جائے؟ ایک طویل بحث مباحثہ کے بعد اس مجلس نے کثرت رائے سے فیصلہ کیا کہ خدیو کا حکم ہرگز نہ تسلیم کیا جائے اور عرابی پاشا سے درخواست کیجائے کہ وہ انگریزوں کے مقابلہ

میں ملک مصر کی حفاظت کرے۔ نیز یہ کہ ایک مجلس اداری قائم کیجائے جو ملک کی حالت پر غور کرے اور نظام قائم رکھے۔ اختتام اجلاس پر یہ قراردادیں بارگاہ سلطانی میں بھیجدی گئیں اور سرکاری طور پر اس کی ایک نقل عرابی پاشا کو دیدیگئی۔ پس اسوقت ایک طرف خدیو اور انگریز اسکندریہ میں متحد تھے اور دوسری طرف تمام قوم اور فوج ان دونوں کے خلاف مزاحمت پر آمادہ۔ یہ تھی وہ کیفیت جو اسکندریہ کی گولہ باری کے بعد ملک مصر میں پیدا ہوئی۔

ادہر یورپ میں حادثہ اسکندریہ نے ایک عام پریشانی پیدا کردی۔ دولت علیہ نے ۱۱ر جولائی کی شام کو تمام دول یورپ کے پاس ایک سخت احتجاجی نوٹ بھیجا جس میں انگریزی بیڑے کی کاروائی پر اظہار نفرت کرتے ہوئے دول کو اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ آستانہ کے بین الاقوامی کمیشن نے خود انگریزی ڈیلی گیٹ کے اتفاق سے (جس نے محض اس بنا پر اتفاق کیا تھا کہ ترکی حکومت بدستور اسکے نصائح پر عمل کرتی رہے) ۱۵ر جولائی ۱۸۸۲ء کو ایک جوابی نوٹ باب عالی کے نام بھیجا جس میں دول یورپ کی طرف سے دولت علیہ کو تکلیف دیگئی تھی کہ وہ اپنی فوجیں بھیجکر مصر پر اپنا احتلال قائم کرے۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ جو قائد عثمانی اس مہم پر بھیجا جائیگا۔ اس کے اختصاصات کی تحدید خود دول کرینگے، اس کو مصر کے اندرونی معاملات اور انتظامی محکموں میں کسی مداخلت کا حق نہوگا۔ اس احتلال سے مصر کے ان امتیازات پر کوئی اثر نہ پڑیگا جو فرمانات سلطانیہ اور تعہدات دولیہ کی رائے اس کو حاصل ہیں، ترکی احتلال کی مدت دول یورپ تجویز کرینگے اور مصارف احتلال خزانۂ مصر سے ادا کئے جائینگے۔ یہ نوٹ ۱۵ر جولائی کی شام کو باب عالی کے پاس بھیجدیا گیا اور دول اسکے جواب کا انتظار کرنے لگے۔ اسوقت ٹرکی اور مصر دونوں کے کیلئے عین مصلحت یہی تھی کہ دولت علیہ یورپ کی اس تجویز پر عمل کرکے مصر پر احتلال قائم کرلیتے، مگر بدبختی سے اسکندریہ کے گولہ باری کے بعد بھی ترکی مدبرین کی جماعت میں انگریزی نصائح پر عمل کرنیوالے موجود تھے، ان لوگوں کو لارڈ ڈفرن نے یہ سمجھایا کہ دولت علیہ خود مصر کی صاحب سیادت ہے اس کو ضرورت نہیں۔ کہ دول اسے احتلال کی اجازت دیں، وہ خود بغیر ان کی اجازت یا اظہار رضامندی کے حق رکھتی ہے کہ اپنی فوجیں مصر پر بھیجے اور احتلال قائم کرے۔ دول یورپ کا اس طرح ٹرکی کو احتلال کی دعوت دینا اس کے حقوق کو ٹھیس لگانا ہے۔!

قارئین کرام کو انگریزوں کی اس دوعملی سیاست پر حیرت نہ کرنی چاہئے، کیونکہ حصول غرض کے لئے بدترین ذرائع کو عین شرافت سمجھنا نہ صرف انگریزوں کی عادت ہے بلکہ ان کے مدبرین اسے اپنی سیاست کا بنیادی اصول قرار دیتے ہیں۔ ان لوگوں نے علانیہ دشمنی کے بعد بھی ترکوں کو دہوکہ دیا اور انھیں سمجھایا کہ یورپ ان کے حقوق پامال کرنا چاہتے ہیں، اور یہ کہ ہم تو بین الاقوامی کمیشن کی تجویز میں صرف اس لئے شریک ہوئے ہیں کہ ان سے ملکر ان کی کوششوں کو ناکام کریں۔ اور ان کے مکائد کا حال معلوم کرتے رہیں۔!

اس اثنا میں حکومت فرانس نے فرنچ مجلس النواب سے درخواست کی کہ وہ ضرورت کے وقت نہر سویز کی حفاظت کے لئے ایک رقم کی منظوری دیدے تاکہ جہازوں کی تجہیز و تسلیح مکمل کردیجائے۔ اسپر دوبارہ مسئلہ مصر کی بحث شروع ہوگئی جس کے دوران میں خطباء نے خوب زور خطابت صرف کیا، کسی نے وزارت کی مخالفت کی اور کسی تائید، مگر آخر میں وزارت کی تجویز کے مطابق ایک رقم منظور کردیگئی، اور مجلس نے وزارت کو کسی مخصوص سیاست پر چلنے کے لئے مجبور نہیں کیا، نہ اسکی سیاست سے کسی قسم کا اتفاق ظاہر کیا بلکہ محض نتائج

کا انتظار کرنے لگی۔

بین الاقوامی کمیشن کے سامنے باب عالی کا جواب پہنچنے سے پہلے انگریزی اور فرانسیسی ڈیلی گیٹوں نے تجویز پیش کی کہ نہر سویز کی حفاظت کے لئے کسی ایک حکومت یا چند حکومتوں کو مقرر کر دیا جائے۔ مگر کمیشن کے ممبروں نے بالاتفاق طے کیا کہ ترکی حکومت کا جواب وصول ہونے کے بعد کسی قسم کا فیصلہ کیا جائیگا۔ چنانچہ ۱۹ جولائی کو سعید پاشا نے کمیشن کا جواب دیا کہ دولت علیہ مسئلہ مصر کے متعلق نمائندگان دول کے مداورات میں شرکت کرنے پر تیار ہے۔ مگر اس کا کچھ تذکرہ نہیں کیا کہ وہ احتلال مصر کی تکلیف دہی کو قبول کرتی ہے یا نہیں اس کے معنے یہ ہوئے کہ وہ نمائندگان دول کی تجویز کو رد کرنے کے ساتھ ہی اُسے قبول بھی کرتی ہے اور عملی کارروائی میں حصہ لینے (یعنی احتلال مصر کی دعوت قبول کرنے) سے تو انکار کرتی ہے مگر زبانی گفتگو میں شریک ہونے پر تیار ہے۔ حق یہ ہے کہ اس سیاست کی تاریخ لکھتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔ ترکی مدبرین تمام سیاسی معاملات میں اپنی فرزانگی و فراست کے لئے مشہور تھے مگر مسئلہ مصر میں اُنہوں نے انتہائی ابلہی و بلادت کا ثبوت دیا جو سخت افسوسناک ہے۔

فرانس کے دارالعوام میں بحث ختم ہونے کے بعد ۲۵ جولائی کو دارالامرا میں مصر کا معاملہ پیش کیا گیا وہاں اگرچہ وزارت کی تجویز کے مطابق بیڑہ کی تجہیز و تقویت کے لئے مطلوبہ رقم منظور کر لی گئی، مگر ارکان مجلس نے سختی کے ساتھ وزارت کو اس کی احمقانہ سیاست پر ملامت کی۔ اس کے بعد موسیو فریسینیہ کی حکومت نے پھر دارالعوام کے سامنے ایک تجویز پیش کی جس کا مدعا یہ تھا کہ نہر سویز کی حفاظت کے لئے ۹۵ لاکھ فرانک کی منظوری دیجائے۔ اسپر ایوان مذکورہ نے بحث و تمحیص کے بعد فیصلہ کیا کہ ایک کمیشن مقرر کیا جائے جو نہر سویز کے بارہ میں حکومت سے گفتگو کرے اور مسئلہ کی تحقیقات کرکے مجلس کے سامنے اپنا بیان پیش کرے۔ نہر سویز کے بارے میں امیر البحر و وزیر بحری و وزیر بحریہ سے موسیو فریسینیہ کی رائے مختلف تھی۔ اول الذکر کی رائے تھی کہ فرنچ فوجوں کو جلد سے جلد شہر زقایق پر قبضہ کر لینا چاہئے مگر موخر الذکر کہتا تھا کہ فرنچ احتلال کے حدود نہر سویز کے شمالی کنارے سے آگے نہ بڑھنا چاہئے۔ پس جب دارالعوام کے مقرر کردہ کمیشن نے دیکھا کہ دونوں وزیر اختلاف رائے رکھتے ہیں اور یورپ نے نہ فرانس کو نہر سویز کی حفاظت سپرد کی ہے نہ انگلستان کو، بلکہ وہ ہر کارروائی کا ذمہ داری اسی کو قرار دیتا ہے جو مرتکب فعل ہو، تو اُس نے فیصلہ کر دیا کہ وزارت کی مطلوبہ رقم نامنظور کر دینی چاہئے، اور اس کے ساتھ ہی کمیشن کے ممبروں نے وزارت کی پالیسی پر سخت نکتہ چینی کی۔ اسپر ۲۹ جولائی ۱۸۸۲ء کو دوبارہ یہ مسئلہ دارالعوام کے سامنے پیش کیا گیا۔ اور موسیو فریسینیہ نے اس سلسلہ میں اپنی پالیسی کی تشریح کرتے ہوئے (جس کی حقیقت قارئین کرام ابھی دیکھ چکے ہیں) مجلس سے مطالبہ کیا کہ وزارت پر اعتماد کا اظہار کرے۔ مگر برخلاف اس کے ارکان مجلس ایک ایک کرکے کھڑے ہوئے۔ اور سب نے بالاتفاق فریسینیہ کی سیاست پر اظہار ملامت کیا۔ آخر میں جب اظہار اعتماد کی تجویز پر ووٹ لئے گئے تو ۵ ے کے مقابلہ میں ۴۱۷ کی عظیم الشان کثرت رائے سے اُسکو مسترد کر دیا گیا جسپر فریسینیہ کی وزارت ساقط ہو گئی کاش اگر اسکندریہ کی گولہ باری سے پہلے فرانس کی مجلس النواب وزارت کی غلطی پر متنبہ ہو جاتے اور اُسے ساقط الاعتبار کر دیتی تو مصر ضرور اس مصیبت سے بچ جاتا اور جمہوریہ فرانس اس فتنہ سے مظفر و منصور نکلتی۔ مگر افسوس ہے کہ مجلس نے ضرورت کے وقت فریسینیہ پر اعتماد رکھا۔ اور اس سے توقع کی کہ صحیح راستہ پر چلتا رہیگا، اور اس غلط اعتماد کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے یعنی فریسینیہ نے سخت احمقانہ سیاست پر عمل کیا جس سے انگلستان کی

جلیل القدر خدمت انجام دی اور فرانس و مصر کے مصالح کو عظیم الشان مضرت پہنچائی۔

۲۸ر جولائی کو دسقوط وزارت فریسینیہ سے ٹھیک ایک دن پہلے) باب عالی نے بین الاقوامی کمیشن کو مطلع کیا کہ وہ اس کی تجویز کے مطابق احتلال مصر کے لئے اپنی فوجیں بھیجنے کو تیار ہے بشرطیکہ ترکی فوجوں کے پہنچتے ہی انگریزی فوجیں مصر سے واپس چلی جائیں۔ مگر لارڈ ڈفرن نے اس کے جواب میں لکھا کہ انگلستان اسوقت تک مصر میں ترکی فوجوں کے احتلال کو قبول نہیں کر سکتا جب تک سلطان المعظم کی طرف سے عرابی پاشا کے نافرمان ہونے کا اعلان نہ کر دیا جائے۔ یہ وہی عرابی پاشا ہے جس کی ابتک ہمت افزائی کیجارہی تھی، اور دولت علیہ پر زور دیا جارہا تھا کہ حزب الوطنی کے وفادارانہ مقاصد میں اس کی مدد کیجائے۔ آج اس عرابی کے متعلق دولت علیہ سے کہا جاتا ہے کہ اُسے نافرمانی اور باغی قرار دے۔

اسی روز خدیو نے امیر البحر سیمور کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں اُسے اجازت دیگئی تھی کہ نہر سویز پر قبضہ کرے اور عرابی پارٹی اُن کی (یعنی خدیو کی) حفاظت کے لئے ہر قسم کی ضروری تدابیر اختیار کرے۔ انگریزی امیر البحر کو علم تھا کہ موسیو ڈسیپس (M. De Lesseps) نے عرابی پاشا سے انگریزی فوجوں کے عدم احتلال سویز کا وعدہ کر لیا ہے اور اس کے مقابلہ میں عرابی پاشا نے بھی اس سے وعدہ کر لیا ہے کہ مصری فوجیں نہر سویز سے کوئی تعرض نہ کرینگی، مگر باوجود اس کے اس نے نہر سویز پر قبضہ کر لینے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ انگریزوں کو تو محض اپنے فائدہ سے سروکار ہے خواہ اس میں خود اپنے عہود و مواثیق کی کتنی ہی شرمناک خلاف ورزی کیوں نہ کرنی پڑے۔ اُدھر آستانہ میں بین الاقوامی کمیشن کے سامنے اٹلی کے ڈیلیگیٹ نے تجویز پیش کی کہ تمام دول یورپ متحدہ طور پر ایک مدت معینہ کے لئے نہر سویز پر قبضہ کر لیں اور اس تجویز کو جرمنی، آسٹریا اور روس نے قبول کر لیا۔ روس اس فتنہ کے دوران میں، دولت علیہ کے ساتھ سب سے زیادہ دوستی و ہمنوائی کر رہا تھا اور انگلستان کے خلاف ترکی کے ساتھ اُس نے وہی پالیسی اختیار کی تھی جس کا ہم پچھلے فصل میں ذکر کر آئے ہیں۔ اس نے دولت علیہ سے وعدہ کر لیا تھا کہ مصر کے معاملہ میں وہ ہر طرح اس کی مدد کریگا، اور ۱۸۷۷ء کی جنگ پلونا کے تاوان کی مدت زیادہ بڑھادیگا تاکہ اُسے اپنی فوجیں بھیجنے میں آسانی ہو۔ ۲۰ر اگست ۱۸۸۲ء کو ہندوستان سے انگریزی فوجیں سویز پہنچیں اور انہوں نے شہر سویز پر قبضہ کر لیا۔ ابتک دول یورپ اپنے متحدہ احتلال کی تجویز پر عمل درآمد نہ کر سکے تھے، کیونکہ دولت علیہ نے ان سے اپنی فوجیں بھیجنے کا وعدہ کر لیا تھا، اور اسوقت دولت علیہ لارڈ ڈفرن سے اس بارہ میں مغابرت کر رہی تھی کہ ترکی و انگلستان میں ایک فوجی اتفاق ہو جائے اور دونوں مصر پر مشترکہ احتلال قائم کر دیں۔ ۱۱ر اگست ۱۸۸۲ء کو برطانی دار العوام میں مسئلہ مصر پر بحث ہوئی اور مسٹر گلیڈ اسٹن نے اثنائے تقریر میں بالصراحت اعلان کیا کہ مصر پر انگریزی احتلال کا مقصد اعادۂ امن و سکون کے سوا اور کچھ نہیں ہے، اور یہ کہ مسئلہ مصر کو آخری فیصلہ کے لئے عنقریب دول یورپ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

۱۹ر اور ۲۰ر اگست کو انگریزی فوجوں نے پورٹ سعید اور اسماعیلیہ پر قبضہ کر لیا اور جنرل سر گارنٹ دولزلی (Sir Garnet Wolseley) نے نہر سویز کو تجارتی جہازوں کے لئے بند کر دیا تاکہ جنگی جہازوں کو آمد و رفت میں آسانی ہو اور نہر کے کناروں پر فوجیں آسانی کے ساتھ اُتاری جاسکیں۔ اس حرکت پر موسیو ڈی لیسپس نے احتجاج کیا مگر بے سود۔

یہ خبر جب فرانس پہنچی تو فرنچ اخبار چیخ اُٹھے۔ اور فریسینیہ کی وزارت پر نہایت تلخ لعن طعن شروع ہوگیا جو کہ اسی عظیم الشان سیاسی شکست کا باعث اصلی تھا، جرمن اخبارات بھی فرانس کو ملامت کرنے لگے کہ محض اسکے اندرونی نفاق و شقاق نے اس طرح شرق میں اس کے مصالح کو نقصان پہنچایا ہے۔ اور انہوں نے تصریح کردی کہ جرمنی کو مصر سے صرف اتنی دلچسپی ہے کہ اسکے دوست ٹرکی کے مصالح اس سے متعلق ہیں، اور وہ اس کی مدد کرنا چاہتا ہے۔

۲۵ اگست ۱۸۸۲ء کو مقام محسنہ پر انگریزی اور مصری فوجوں میں مقابلہ ہوا۔ انگریزوں نے مصریوں کے خط رجعت کو کاٹ دیا جس کی وجہ سے انھیں شکست ہوئی۔ اس جنگ میں شہم صادق راشد پاشا حسنی بھی مصریوں کے ساتھ تھا۔ (اور یہ بہادر شخص اسبات کا مستحق ہے کہ تمام مصری اس کی عزت کریں۔ اُسے جب معلوم ہوا کہ انگریزوں نے اسکندریہ پر قبضہ کرلیا ہے، اور اندرون مصر میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو باوجود یکہ چرکسی کا تھا مگر مصریوں کے ساتھ شامل ہوگیا اور اسبات کو بالکل فراموش کرکے کہ عرابی جماعت چرکسیوں سے سخت کراہت رکھتی ہے محض وطن عزیز کی مدافعت کے لئے کھڑا ہوگیا) عرابی پاشا اس شکست کا حال سنکر پیچھے ہٹ گیا اور تل الکبیر کو اپنا مرکز بنا کر قاہرہ سے فوجوں کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ اس واقعہ کو چند ہی روز گذرے تھے کہ تل الکبیر میں مصری فوجوں کو شکست ہوئی اور انگریزی فوجوں نے قاہرہ پر یلغار کردیا۔ ذیل میں ہم اس بیان کو درج کرتے ہیں جو انگریزی فوجوں کے دخول قاہرہ کے بعد اپنی جلاوطنی سے کچھ عرصہ پہلے عرابی پاشا واقعہ تل الکبیر کے متعلق دیا تھا۔

"اسکے ساتھ ہی کوبری القصاصین کی طرف دو معمولی لڑائیاں ہوئیں جن میں ہماری دونوں فوجوں نے پوری ثابت قدمی دکھائی۔ دوسری لڑائی میں سعادت[1] راشد پاشا حسنی زخمی ہوگئے اور ان کی جگہ سعادت علی روبی پاشا مقرر کئے گئے۔ قبل اسکے کہ ہم مدافعت کے لئے دمدمے اور دمدمے تیار کرتے دفعتاً انگریزی اور ہندوستانی فوجوں نے ہمیں آلیا، اور انگریزی رسالہ نے ہم پر ہجوم کیا جس کے ساتھ سواروں کا توپخانہ بھی تھا۔ صبح سویرے عین غفلت کی حالت میں جبکہ تاریکی چھائی ہوئی تھی توپخانہ اور پیادہ پلٹن نے آتشباری شروع کردی۔ دو گھنٹہ تک ہم بھی جواب دیتے رہے، مگر انگریزی رسالہ اور توپخانہ کی ایک جماعت نے ہم پر پیچھے سے حملہ کردیا جس سے ہماری فوج تتر بتر ہوگئی۔ یہ ۲۹ شوال ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۳ ستمبر ۱۸۸۲ء روز چہار شنبہ کا واقعہ ہے۔ اس شکست کے بعد میں نے تل سے بلبیس کی طرف رجوع کیا اس حالت میں کہ انگریزی رسالہ میرے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔ وہاں علی پاشا روبی سے میری ملاقات ہوئی، اور ہم دونوں اشخاص بلبیس کے اسٹیشن سے ایک ریلوے انجن پر سوار ہوکر قاہرہ پہنچے یہاں وزارت جنگ میں مجلس النواب کے تمام ارکان مجتمع تھے اور حضرات شہزادگان بھی تشریف لائے تھے سب لوگوں نے بحث و مباحثہ کے بعد اس بات کا یقین کرکے کہ دولت برطانیہ ان کے ملک پر قبضہ نہیں کرنا چاہتی ہے، فیصلہ کیا کہ جب صورت حال یہ ہے تو مدافعت بند کی جائے اور اعتماد کیا جائے کہ دولت برطانیہ محب انسانیت و عدالت ہے، وہ جب حقیقت جان لیگی اور اہل ملک کے صحیح جذبات سے آگاہ ہوجائیگی تو یقیناً ان کی آزادی و بہتری اور حفاظت کے لئے سعی کرے گی"

یہ آخری فقرہ پڑھ کر ایک انسان پر حیرت طاری ہوجاتی ہے اور وہ پوچھنے لگتا ہے کہ اسکندریہ

---

[1] لفظ سعادت اصطلاحاً ہزایکسلنسی کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اور ہمیشہ نام کی طرف مضاف ہوا کرتا ہے۔

قتل عام اور انگریزی بیڑہ کی گولہ باری کے بعد بھی عرابی پاشا کو انگلستان پر بھروسہ تھا؟ کیا وہ ایسے صریح ظلم کے بعد بھی یہ سمجھ سکتا تھا کہ دولت انگلستان محب انسانیت و عدالت ہے۔ اور اس کی فوجیں اندرون ملک میں موجود رہنے کی صورت میں بھی دفاع کی ضرورت نہیں؟ کیا عرابی پاشا نے بحثہ اسکندریہ کو ایک ایسی حکومت شایاں شان سمجھا تھا۔ جو انسانیت و عدالت کے محبت سے متصف ہو؟ اور کیا اسکندریہ کی گولہ باری مصر کے ساتھ انگریزوں کی حسن نیت کی دلیل تھی؟ حقیقت یہ ہے کہ انگریزوں نے اپنے وطیرہ سیاسی سے ترکی، خدیو، اور حزب الوطنی تینوں کو دھوکہ دیا اور اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے!

مصری اور برطانی فوجوں کی اس جنگ کے دوران میں باب عالی برابر اس فوجی اتفاق کے بارے میں لارڈ ڈفرن سے مغایرت کر رہا تھا جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ اس مغایرت میں انگریزی سفیر کی انتہائی کوشش یہ تھی کہ ترکی فوجوں کی روانگی میں دیر لگ جائے۔ ہر روز ایک نئی شرط پیش کرتا اور ہر دفعہ نئی نئی شقیں پیدا کرتا تھا خصوصیت کے ساتھ اس نے عرابی پاشا کی نافرمانی کا اعلان کرنے پر بہت زور دیا، اور آخر کار ۹ ستمبر ۱۸۸۲ء کو اعلیٰحضرت سلطان المعظم نے ایک فرمان شائع کر دیا جس میں عرابی کو نافرمان قرار دیتے ہوئے مصری فوجوں اور عام مصری باشندوں کو حکم دیا گیا تھا کہ کسی معاملہ میں اس کی پیروی نہ کریں! اس موقع پر قارئین کرام بھولے نہوں گے۔ کہ یہی عرابی تھا جس کی اب سے تھوڑے ہی عرصہ پہلے دولت علیہ نے ہمت افزائی کی تھی اور حضرت سلطان نے اظہار رضامندی کے لئے اُسے درجۂ اول کے تمغۂ مجیدی سے مشرف کیا تھا۔!

حق یہ ہے کہ اس اعلان نے ـــ جو واقعۂ تل الکبیر سے ایک ہفتہ پہلے شائع ہو گیا تھا ـــ فوجوں کی ہمت اور اہالی مصر کے جوش کو بہت کم کر دیا تھا، کیونکہ ابتک سب لوگ عرابی پاشا کو جلالۃ السلطان کے حقوق کا مدافعہ اور رضائے سلطانی کا مرجع سمجھتے تھے، اسی لئے اس کے گرد بڑی حد تک اتنے جوش کے ساتھ جمع ہو گئے تھے۔ پھر جب اس پر ہم یہ بات اور اضافہ کر دیتے ہیں کہ جناب خدیو بھی عرابی کے خلاف انگریزوں سے متحد ہو گئے تھے اور انگریزی فوجوں کی رہنمائی کے لئے مصری افسروں کو بھیج رہے تھے تو ہمیں اس نازک صورت حال کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ جس کا عرابی پاشا نے حوادث کے آخری زمانہ میں مقابلہ کیا۔ اور مصری فوج کی فیصلہ کن شکست کے اسباب معلوم ہو جاتے ہیں باب عالی ابھی تک کسی امید میں تھا۔ کہ انگریزوں سے اتفاق مکمل ہو کر ترکی فوجیں مصر پر قابض ہو جائینگی مگر ۱۴ ستمبر ۱۸۸۲ء کو انگریزی فوجیں قاہرہ میں داخل ہو گئیں اور اس کے تین دن بعد لارڈ ڈفرن نے باب عالی کو مطلع کر دیا کہ اب ترکی فوجوں کو مصر بھیجنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔!!

یہ صورت تھی کہ جس سے انگلستان نے دولت علیہ کو دھوکہ دیا پہلے اُسے رائے دی کہ عرابی پاشا کی مدد کرے، کیونکہ اسوقت مصریوں میں باہم نفاق پیدا کرنا اور حزب وطنی سے خدیو کے تعلقات کو خراب کرنا۔ اس کی عین مصلحت تھی، پھر جب یہ مقصد حل ہو گیا۔ اور ضرورت ہوئی کہ سلطان المعظم کی طرف سے عرابی کو نافرمان قرار دیا جائے تو اُس نے دولت علیہ پر زور دیا۔ اور اس سے ایسا اعلان کرا دیا پھر جب دول یورپ نے سرکاری طور پر دولت علیہ کو احتلال مصر کی دعوت دی تو محض انگلستان کی نصیحت پر عمل کر کے اُس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور آستانہ کی بین الاقوامی کمیشن میں شرکت قبول کر لی حالانکہ اُسے مسترد کر چکی تھی۔ پھر جب بین الاقوامی کمیشن نے احتلال مصر کے لئے اُس پر زور دیا۔ تو اُس نے قبول کر لیا۔

مگر فوراً اپنی فوجیں بھیجنے کی بجائے ایک کافی عرصہ تک لارڈ ڈفرن کے ساتھ ترکی انگریزی اتفاق کے باب میں مغایرت کرتی رہے اور انگریزوں کو پورا موقع دیا کہ اُسے (یعنی خود دولت علیہ کو) بدترین دہوکہ دیں! یہ ایک تاریخی سبق ہے جسے ہر شخص کو ہر فرصت اور ہر حالت میں یاد کرنا اور یاد کرانا چاہئیے کہ انگلستان دشمن بنکر اتنا نقصان نہیں پہنچاتا، جتنا دوست بن کر پہنچاتا اور پہنچا سکتا ہے۔

انگریزوں کے قاہرہ میں داخل ہونے کے بعد خدیو نے ایک حکم صادر کیا کہ موجودہ مصری فوج توڑ دیجائے، اور اس کے ساتھ ہی نئی فوج کے ترتیب کے لئے انگریزوں سے گفتگو شروع کردی جو انگریزی افسروں کی ماتحتی و نگرانی میں ہو۔

اختلال کی تکمیل کے بعد انگریزوں نے دیکھا کہ مراقبۂ ثنائیہ (یعنی مصری مالیات پر انگریزی و فرانسیسی مشترکہ نگرانی) اُن کے اغراض و مقاصد کے لئے مضر او اُن کی توسیع اختیارات کے لئے مزاحم ہے۔ پس فیصلہ کیا کہ اسے ختم کردینا چاہئیے۔ چنانچہ ۳۰ اکتوبر ۱۸۸۲ء کو سرآکلینڈ کا موں Sir Auckland Colvin) انگریزی کمشنر نے حکومت مصری کو لکھدیا کہ تازہ احکام جو مرکزی حکومت سے وارد ہوئے ہیں، اُن کی رو سے ہیں اب مجلس وزارت کے جلسوں میں حاضر نہو سکوں گا" یہ درحقیقت مراقبت ثنائیہ کی موقوفی کا اعلان تھا کیونکہ وہ مشترکہ مراقبت تھی، اور اس کا ایک رکن ساقط ہوجانے کے بعد دوسرا رکن (یعنی فرانسیسی مراقب) تنہا اسکے وجود کو قائم نہ رکھ سکتا تھا۔ اس طرح انگلستان نے فرانس کے نفوذ پر دست درازی شروع کی اور مصر سے اس کا اقتدار اٹھانے کے لئے مخالفانہ کارروائیوں کا سلسلہ جاری کردیا۔

عرابی پاشا اور اسکے رفقا نے انگریزوں کے قاہرہ میں داخل ہوتے ہی اپنے آپکو جنرل لو کے سپرد کردیا اور فوجی عدالت میں انپر مقدمہ چلایا گیا۔ عرابی کے وکیل بھی انگریز تھے۔ عدالت نے اپنا کام تیزی کیساتھ انجام دیا اور عرابی کو ان کے رفقا سمیت سزائے موت کا حکم سنادیا۔ مگر خدیو نے اس حکم کو دائمی جلاوطنی سے بدل دیا اس زمانہ میں دولتلو[1] ریاض پاشا وزیر داخلہ تھے، انھوں نے جب دیکھا کہ کورٹ مارشل نے تیزی کے ساتھ اپنا کام ختم کردیا اور حوادث عرابیہ کی حقیقی ذمہ داری جسپر عائد ہوتی ہے اسے ظاہر نہیں کیا، تو انھوں نے استعفا دیدیا۔

اس طرح حوادث عرابیہ کی افسوسناک داستان ختم ہوتی ہے جنمیں مصریوں کی امیدیں پامال ہوئیں اور انگریزوں کی سیاست خدع و کذب کامیاب ہوگئی۔

حوادث عرابیہ کے متعلق فیصلہ کرنے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے، اور اُن لوگوں پر جو ان حوادث میں شریک تھے مسئولیت و جوابدہی کو تقسیم کرنے میں رائے عامہ بہت کچھ مختلف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ عرابی انگریزوں سے ملا ہوا تھا اور اپنے وطن سے خیانت کر کے انھیں مصر دلوانا چاہتا تھا۔ مگر یہ رائے متعدد وجوہ کی بنا پر غیر صحیح ہے، وہ شخص یقیناً ایماندار تھا اور اُس پر حد سے حد یہ الزام لگایا جا سکتا ہے کہ اُس نے اپنے مقاصد کے حصول میں بہت زیادہ عجلت کی اور بہت زیادہ دہوکہ کھایا۔ کوئی کہتا ہے کہ مرحوم توفیق پاشا شروع ہی سے انگریزوں کے ساتھ متفق ہوچکے تھے اور اُن کا یہ کہنا محض جوابدہی سے بچنے کے لئے تھا

[1] اس لفظ کے اصل معنی "صاحب دولت" کے ہیں مگر اصطلاحاً "ہز ایکسلنسی" کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔

کہ عرابی پارٹی سے بچنے کے لئے انھوں نے مجبوراً انگریزوں کو احتلال مصر کی دعوت دی مگر یہ قول بھی غیر صحیح ہے توفیق پاشا اچھی طرح جانتے تھے کہ تداخل اغیار ایک قوم کے لئے سخت مصیبت ہے، اور ان کی دلی خواہش تھی کہ اجنبی مداخلت کے بغیر معاملہ طے ہو جائے مگر اسکندریہ کی گولہ باری کے بعد انھیں یقین ہو گیا کہ عرابی کی جماعت

مجبوراً اپنی جان بچانے کے لئے انگریزوں کی پناہ لے۔ اور یہ ایک واقعہ ہے کہ انگریزی احتلال پر توفیق پاشا کو حد سے زیادہ افسوس تھا، پھر اگر وہ لوگ جنہوں نے خود ان کو افسوس کرتے دیکھا ہے۔ اس بات کی شہادت نہ بھی دیں تو کیا یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایک شخص جس کی رگوں میں محمد علی پاشا کا خون دوڑ رہا ہو، اپنے ملک کو بطیب خاطر اغیار کے سپرد کر سکتا ہے، اور اغیار بھی وہ جو حرص و طمع میں مشہور ہیں؟ پس حد سے حد جو باز پرس توفیق پاشا سے کیجا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ضرورت سے زیادہ صلح جو تھے۔ اور بعض اوقات اس صلح جوئی میں سخت کمزوریاں کر جاتے تھے۔ اگر وہ عزم کے پکے اور ارادہ کے قوی ہوتے تو یقیناً مصر ان ہولناک خطرات سے بچ جاتا۔

مورخ کے لئے بہت مشکل ہے کہ اپنے قارئین کرام کے سامنے حوادث عرابیہ پر کوئی قطعی محاکمہ پیش کرے اور ان اشخاص پر جن کا ہاتھ ان حوادث میں شریک تھا، مسئولیت کو عدل کے ساتھ تقسیم کر سکے، کیونکہ اس سلسلہ میں بہت سے راز ہیں جو اب تک مستور ہیں اگر آج وہ کھل جائیں تو تمام معاملات کا حکم بدل جائیگا۔ اور بہت سے اشخاص مسئولیت سے بری یا اس میں شریک ہو جائینگے۔ بہر حال ایک بات یقینی ہے جو حوادث عرابیہ سے صراحتاً ظاہر ہوتی ہے، اور وہ یہ کہ آپس کی پھوٹ قوموں کی بربادی و تباہی کی اصل جڑ ہے۔ اگر عرابی پارٹی اور پھر کسی جماعت میں نفاق نہ ہوتا تو حوادث عرابیہ کبھی نہ پیدا ہوتے۔ اگر عرابی کی جماعت اور توفیق پاشا میں مخالفت نہ ہوتی تو بات اتنی نہ بڑھتی اور انگلستان کو مداخلت کا موقع نہ مل سکتا۔ اگر جلالت مآب سلطان المعظم اور خدیو سابق میں اختلاف نہ ہوتا تو دولت علیہ انگلستان پر اعتماد نہ کرتی، نہ اسے حزب عرابی کو مدد پہنچانے کی ضرورت ہوتی۔ اور مرحوم توفیق پاشا انگریزوں کی پناہ لینے پر مجبور ہوتے۔ غرض یہ کہ اگر یہ منحوس نفاق نہ ہوتا تو انگریز کبھی ہمارے وطن عزیز پر قابض نہیں ہو سکتے تھے۔

پس اب تمام مصریوں پر لازم ہے کہ پوری طرح آپس میں متحد ہو جائیں، اور اغیار و اجانب اور شر و فساد کے بانیوں کو اپنی جماعت میں نفاق کی تخم ریزی کرنے کا موقع نہ دیں۔ آج ہم نہایت قوی دشمنوں کا مقابلہ کر رہے ہیں جو قوی ہونے کے ساتھ ہی اتحاد و اتفاق سے کام کرتے ہیں۔ پھر کیا ہم ان سے کمزور ہونے کے باوجود آپس میں نفاق رکھ کر بھی فلاح کی توقع کر سکتے ہیں؟ تمام ابنائے مصر پر فرض ہے کہ سمو الخدیو کے ساتھ زبردست تعلق پیدا کریں اور ان کے تخت کی حفاظت میں اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہا دینے سے دریغ نہ کریں، کیونکہ تخت خدیوی کی سلامتی ہی میں وطن عزیز کی سلامتی ہے، اور ہر برائی جو خدیو کی ذات کے لئے برائی ہے وہ در اصل مصر کیلئے برائی ہے۔ آج مصر کی حزب وطنی کوئی ایسی جماعت نہیں ہے جو خدیو کی مرضی و رائے کے خلاف کام کرتی ہے، بلکہ حزب وطنی کا اصل صدر یعنی ساری قوم کا حقیقی لیڈر عباس حلمی پاشا (خدیو مصر) ہے، جس نے بلاد مصر میں وطنی احساس کو بیدار کر دیا اور قوم کو اپنے مقدس حقوق کی طلب کا رستہ دکھا دیا ہے۔

نہ صرف یہ بلکہ اس سے زیادہ مصری قوم پر یہ فرض ہے کہ اس رابطہ کو قوی اور قوی تر کریں جو انھیں دولت عثمانیہ سے مربوط کرتا ہے۔ اس فرض کو ہر شخص سے پہلے خود حضرت خدیو معظم نے محسوس کیا ہے، اور مصر و دولت علیہ کے درمیان علاقہ تابعیت و متبوعیت کی تجدید فرمائی ہے جس سے مصریوں کے قلوب مستقبل کی امیدوں سے

معمور ہو گئے ہیں اور وطن عزیز کی نجات متوقع نظر آتی ہے۔

مصر پر انگریزی احتلال قائم ہوتے ہی برطانی وزراء و مدبرین اعلان کرنے لگے کہ یہ احتلال محض وقتی ہے دولت برطانیہ کا مقصد اس سے مصر کو نقصان پہنچانا نہیں ہے، بلکہ اس کی فوجیں محض خدیوی اقتدار کے استحکام اور مصری قوم کی ترقی کیلئے وادی النیل میں گئی ہیں، جب یہ کام پورا ہو جائیگا تو وہ خود وہاں سے واپس آجائینگی اور اہل ملک کو بغیر کسی اجنبی نگرانی اور تداخل اغیار کے، اپنے ملک کا آپ انتظام کرنے کے لئے چھوڑ دینگی۔ اگر اس موقع پر انگریزی وزراء اور ارباب حل و عقد کی ان تصریحات کو درج کیا جائے جو انھوں نے مصر کے بارہ میں احتلال کے وقت سے آجتک کی ہیں اور ان صریح وعدوں کو پیش کیا جائے جو بنائے مصر کا اعتماد حاصل کرنے کیلئے انھوں نے مختلف اوقات میں کئے ہیں تو یقیناً ان کے لئے ایک ضخیم کتاب الگ درکار ہوگی۔ بارہا لارڈ سالسبری اور انہیں جیسے خطباء و سیاسیین کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنی قوم اور تمام اقوام عالم کو یقین دلایا کہ انگلستان کی شرافت خود مصر کو خالی کر دینے کا تقاضا کرتی ہے، اور اس شرافت کی سلامتی اسی میں ہے کہ مصریوں کو ان کی محبوب سرزمین اور ان کے وطن کی زمام امور سپرد کر دیجائے۔ بارہا برطانیہ کے رجال حکومت کھڑے ہوئے اور انھوں نے ساری دنیا کو مژدہ سنایا کہ تخلیہ مصر ایک فیصلہ شدہ امر ہے اور ہم اب تک جو مصر میں مقیم ہیں اس سے مقصد محض مدنیت و انسانیت کی خدمت ہے۔ بارہا برطانی ارباب سیاست نے برطانی شرف اور برطانی تاج کی قسم کھا کر یقین دلایا کہ مال مصر خود مصریوں ہی کے لئے ہے اور انگریزی فوجیں استتباب امن اور استحکام حکومت خدیوی کی تکمیل کے بعد فوراً وادی نیل سے ہٹا لیجائینگی۔ بارہا مسٹر گلیڈاسٹن نے اپنی گرجتی ہوئی آواز سے اعلان کیا کہ۔

"اگرچہ مصر کا قبضہ برطانیہ کے لئے مفید ہے، مگر برطانی وعدوں کا ایفا اس سے زیادہ مفید اور مقتضائے شرف و عزت ہے"

ان تصریحات جمیلہ میں سے آخری تصریح وہ خط ہے جو جنوری ۱۸۹۰ء میں مسٹر گلیڈسٹن نے میرے نام بھیجا تھا۔ اس میں فرماتے ہیں کہ:-

"میری رائے ہرگز نہیں بدلی ہے، وہ ہمیشہ سے یہی رہیگی کہ ہم اپنا کام ختم کر کے پوری شرافت کے ساتھ مصر کو خالی کر دیں، اور اس مقصد کو حاصل کر لینے کے بعد جس کے لئے ہم نے مداخلت کی تھی اور جس سے خود مصریوں ہی کا فائدہ مدنظر تھا، ایک لحہ کے لئے وہاں نہ رہیں .... جہاں تک میں سمجھتا ہوں مصر میں ہمارے قیام کا وقت چند برس ہوئے کہ پورا ہو چکا ہے ..... میں جب آخری مرتبہ اپنے عہدے پر تھا۔ تو مجھے توقع ہو گئی تھی کہ دوسری حکومتیں بھی اس اہم مسئلہ (مصر) کو طے کرنے میں ہمارا ساتھ دینگی، اور خصوصاً موسیو واڈنگٹن (سفیر انگلستان متعین لندن) نے ۱۸۹۳ء میں جو پالیسی اختیار کی تھی اس سے میری یہ توقع اور زیادہ قوی ہو گئی تھی، مگر میری عین خواہش کے خلاف اس بارے میں مغابرات نے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا، اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ کیوں ....."

پس اس خط میں خود مسٹر گلیڈاسٹن نے اعتراف کیا ہے کہ تخلیہ مصر کا وقت آچکا ہے یعنی جس کام کیلئے انگلستان نے مداخلت کی تھی وہ عرصہ ہوا کہ پورا ہو چکا۔ پھر اب انگلستان کی فوجیں مصر سے کیوں نہیں ہٹا لیجاتیں؟؟

اصل یہ ہے کہ ان صریح وعدوں اور حسین تصریحات سے بہت سے مصری حتی کہ خود یورپین سیاسیات بھی احتلال برطانی کا مقصد سمجھنے میں دھوکہ کھا گئے ہیں، اور وہ اس انگلستان سے جس نے بدترین طریقہ

سے اسکندریہ میں قتل عام کا بندوبست کیا، جس نے تاریخ میں اپنا جواب نہ رکھنے والی بددیانتی کے ساتھ اسکندریہ پر گولہ باری کی، جس نے بدترین وسائل وحیل کے ساتھ حوادث عرابیہ میں اپنی عزت کو پامال کیا، اُس سے انھیں ان حرکات سخیفہ و دنیہ کے بعد بھی توقع ہے کہ اپنی صداقت، اپنے وعدوں کے احترام اور اپنی عزت و شرافت کی حفاظت کے لئے دُنیا کے سامنے اپنی دیانت داری کا ثبوت پیش کرے گا۔ حالانکہ مصر میں اُس نے اپنے اعمال سے ثابت کردیا ہے کہ اُس کے صریح وعدے اور صاف اعلانات کچھ نہ تھے مگر خوشنما پردے اور حسین لباس جس میں اُس نے اپنے حرص و طمع اور اپنے بُرے ارادے کو چھپایا تھا۔ اور وہ ہمارے وطن میں اپنی کارروائیوں سے ثابت کرچکا ہے کہ برطانی شرف کے واسطے، برطانی تاج کی قسمیں اور برطانی قوم کی عزت و حرمت کے حوالے، جنہیں ہم نے غلطی سے مقدس سمجھ لیا تھا، درحقیقت دھوکہ دینے اور بھولے بھالے جانوروں کو پھانسنے کے لئے خوشنما جال اور حسین پھندے ہیں۔!

انگلستان نے مصر میں جو سیاست اختیار کی ہے وہ مجملاً ان چند اصولوں پر مبنی ہے:-

اولاً- انگریزی اثر و اقتدار کے سوا ہر قسم کے یوریپین مصالح اور فوائد کو کلیتہً پامال کردیا جائے

ثانیاً- جلالۃ سلطان المعظم کے نفوذ معنوی کا بالکل خاتمہ کردیا جائے اور رفتہ رفتہ اُن تمام روابط وعلائق کو کاٹ دیا جائے جو مصر کو دولت علیہ سے مربوط و متعلق کئے ہوئے ہیں۔

ثالثاً- جناب خدیو کے اثر کو زائل کیا جائے، مصری محکموں پر سے خدیوی اقتدار اُٹھا دیا جائے، مصریوں سے تمام بڑے بڑے مناصب چھین لئے جائیں، اور ان کی جگہ انگریزوں کو مقرر کیا جائے۔

رابعاً- مصر میں اضطراب وبدامنی کا سلسلہ جاری رکھا جائے، اور ایسے اسباب پیدا کئے جائیں جو برطانیہ کے لئے دائمی احتلال کا بہانہ ہوسکیں۔

خامساً- مصریوں کے متعلق یورپ میں جھوٹی خبریں اور مفتریانہ تہمتیں شائع کیجائیں تاکہ ان سے یوریپین ہمدردی منقطع ہوجائے۔

چنانچہ اُنھیں اصولوں کی بنا پر انگلستان نے فرانس کے نفوذ پر دست درازی کی اور اپنی پوری قوت سے اس کے مصالح کو نقصان پہنچایا یہاں تک کہ مصری مدرسوں میں فرانسیسی زبان کی بجائے انگریزی زبان کو اشاعت دیگئی، اور انتہا فرانس ہی نہیں بلکہ تمام یورپ کے حقوق کو پامال کیا اور یوریپین قرضخواہوں اور مصری قرضہ کے بونڈ رکھنے والوں کو بتا دیا کہ اگر وہ خدانخواستہ مصر پر پوری طرح قابض ہوگیا تو اُن کے حقوق و مصالح پر اس سے زیادہ دست درازی کریگا۔ ہندوستان۔ اور دوسرے مقبوضات میں اُس نے اپنی پالیسی سے عیاں کردیا کہ مصر پر کامل تسلط قائم کرنے کے بعد وہ اسی طرح یہاں بھی یوریپین تجارت کو معدوم کردیگا اور اس کی حکومت میں سواحل نیل پر یوریپین قسمت آزماؤں کے لئے معیشت کی کوئی صورت باقی نہیں رہیگی۔ اس حقیقت کو آج تمام یوریپین قومیں سمجھ گئی ہیں۔ مسئلہ مصر کی ابتدا میں جرمنی پر انگلستان کو بھروسہ تھا کیونکہ وہ انگریزی احتلال سے ذرہ برابر بھی متعرض نہ تھا، مگر آج اس حکومت نے اچھی طرح محسوس کرلیا ہے کہ انگلستان اُس کا سخت دشمن اور اُس کے تجارتی وصنعتی ترقی کے راستہ میں سب سے بڑا امر اہم ہے۔ چنانچہ جرمنی کی موجودہ تحریک استعمار آج کل کے حوادث سیاسیہ میں نہایت اہم درجہ رکھتی ہے جس کا نتیجہ یقیناً یہ ہوگا کہ مصر میں جرمنی انگلستان کا سب سے بڑا حریف بنجائیگا۔

بہرحال آج یورپ میں ایک شخص بھی ایسا نہیں رہا جس نے اس حقیقت کو نہ محسوس کر لیا ہو کہ انگلستان مصر میں یورپین مصالح کی کوئی خدمت نہیں کر رہا ہے، بلکہ اس کے نفوذ و اقتدار کی ترقی یورپین مصالح وفوائد کے لئے سخت مضر ہے؛

یہی حال دولت علیہ کا ہے۔ انگریزوں نے انتہائی کوشش اس مقصد کے حصول میں صرف کی ہے کہ مصریوں میں دولت علیہ اور سلطان المعظم کے خلاف نفرت وعداوت کے جذبات پھیلائیں، بہت سے وُ فلا جو وطنیت، اور شرافت سے عاری ہیں، اور جن کا عقیدہ دولت کے سوا کچھ نہیں ہے، اس خدمت پر مامور ہیں کہ خلیفۂ اکبر اور سلطان اعظم پر نکتہ چینیاں کرتے رہیں اور ان لوگوں کو محاکمہ ومواخذہ سے بری کر دیا گیا ہے جو خلیفہ اسلام اور سلطان مصر کو بُرا بھلا کہکر خود مصر کی توہین کرتے ہیں۔

مگر ان کوششوں میں انگریزوں کو کسی قسم کی کامیابی نہیں ہوئی اور نہ وہ کبھی مصریوں کو دولت علیہ سے متنفر کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں، مصریوں کی دولت عثمانیہ اور اس کے سلطان المعظم کے ساتھ بھی محبت ہے جو خون اور روح میں سرایت کر گئی ہے اور اُن کے دلوں سے اُسوقت تک نہیں نکلسکتی جب تک اُن کے تن سے روح نہ نکل جائے۔ اللہ تعالےٰ نے عباس حلمی پاشا کی ذات میں مصریوں کو ایک ایسا عالی دماغ اور دُوراندیش امیر عطا کیا ہے جس نے مصر اور دولت علیہ کے درمیان نہایت مستحکم علائق وروابط قائم کر دیئے ہیں اور اس طرح مصریوں کی تمنائیں برآنیکا سامان کر دیا ہے، انگریزوں نے عباس کے خلوص کو باطل کرنے کی بہت سعی کی، دولت علیہ کے مقبوضات میں مکروفریب کے جال بچھائے، مسئلہ ارمینیہ کی تخلیق کی، اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ سلطان المعظم اور خدیو کے درمیان مخالفت پیدا کرنے کی کوشش کی، مگر ان دونوں کی عقلمندی وہوشیاری سے یہ سب ریشہ دوانیاں باطل ہو گئیں اور سیاست حمیدیہ نے مسئلہ آرمینیہ میں انگریزوں کو سخت شکست دی۔

یہ تمام کوششیں جو انگریزوں نے مصر اور دولت علیہ کے تعلقات کو مکدر کرنے اور خدیو معظم اور جلالت سلطان اعظم کے درمیان تفریق ونفاق پیدا کرنے میں صرف کی ہیں، یہ خود اس بات کی صریح دلیل ہیں کہ دولت علیہ اور مصر کا اتفاق مصر کی سلامتی اور انگلستان کی ناکامی کا قوی سبب بن سکتا ہے۔

خدیوی قوت کی تضعیف کے لئے بھی انگریزوں کی کوششیں ظاہر ہیں۔ انھوں نے احتلال سے پہلے اور اس کے بعد بارہا دعوےٰ کیا ہے کہ مصر میں مداخلت کرنے سے ان کا مقصد محض خدیوی اقتدار کی تقویت، مصریوں کی ترقی اور انکو رس کامل بنانا ہے۔ کہ خود اپنے ملک پر آپ حکومت کریں مگر احتلال قائم کر لینے کے بعد ان کا عمل ان کے اس قول سے بالکل متضاد تھا۔ انھوں نے خدیوی اقتدار کو مٹانے اور خدیویت کی بنیادوں کو ڈھانے کے لئے انتہائی کوشش کی اور مصریوں کو بڑے بڑے عہدوں سے نکال کر تمام محکموں کو انگریزوں سے بھر دیا خصوصاً خدیو حال (یعنی عباس حلمی پاشا ثانی) کے عہد میں تو انگریزوں کے اصلی ارادے بنصف النہار کے سورج کی طرح روشن ہو گئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے (یعنی خدیو نے۔ جب اپنے جائز آئین حقوق کا مطالبہ کیا۔ اور اپنی قوم کے استقلال کو حاصل کرنا چاہا، تو انگریزوں نے سختی سے اُن کی مزاحمت کی، انگریزی اخبارات اور اہل قلم نے ان کے خلاف زہر آلود پروپگنڈا پھیلایا، انگریزی حکام ہر اُس خائن یا دخیل کی حمایت کرنے لگے جو خدیو کی ذات اور اُن خیالات وحسیات کی مخالفت کرتے تھے اور ان لوگوں کی قدر گھٹائی جانے لگی جو خدیو کے مخلص وفادار تھے۔ حتےٰ کہ ہمارا بدقسمت ملک میں ملامت حاصل کرنے

کے لئے پہلا معیار قابلیت یہ قرار دیا گیا کہ عزیز مصر سے نفرت اور وطنیت سے بعد ہو۔ انسان خواہ کتنا ہی جاہل اور ناقابل ہو اسکو اگر وہ خدیو کا دشمن اور وطنیت کا منکر ہو تو انگریزوں کی بارگاہ میں اسے تقرب حاصل ہو سکتا ہے اور اس کے لئے درجات و مناصب کے ترقی کا راستہ صاف ہے۔ بس یہی وہ خدیوی اقتدار کی تقویت اور خدیویت کا استحکام ہے جس کے لئے انگریزوں نے مصر میں مداخلت کی تھی، اور آجتک جس کا دعوےٰ کیا جارہا ہے؛

مگر اس باب میں بھی انگریزی مساعی ناکام ہوئیں۔ آج مصری قوم کے مصالح خدیو کے مصالح سے اور مصری قوم کی امیدیں اور آرزوئیں خدیو کی امیدوں اور آرزوں سے متفق ہوگئی ہیں، پس محال قطعی ہے کہ فرزندان مصر اپنے محبوب خدیو عباس حلمی پاشا سے ایک لمحہ کے لئے بھی علیحدہ ہو جائیں، بلکہ وہ ہمیشہ اُن کی حکومت کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرینگے۔ اور ابدالدہر تک ان کے ناصر و مددگار رہینگے۔ جتنا جتنا انگریز ان کے حقوق پامال کرتے جائینگے اور اُن کے ساتھ کراہت کا اظہار کرتے رہینگے اتنا ہی مصریوں کا تعلق عرش خدیوی سے بڑھتا جائیگا۔ اور ان کی ذات کے ساتھ ان کے دلوں میں خلوص متمکن ہوتا جائیگا۔

اب خلق اضطراب اور ازدیاد نفاق و شقاق کی کوششوں کو لیجئے۔ انگریزوں نے جب دیکھا کہ سرزمین مصر میں علاوہ امن و سلامتی کے لئے کچھ زیادہ مدت درکار نہیں ہے اور یہ کام پورا ہونے کے بعد یورپ ضرور تخلیہ مصر کا مطالبہ کرے گا، مسئلہ سوڈان کو پیدا کردیا تاکہ احتلال مصر کو طول دیا جاسکے اور ہمیشہ کیلئے سوڈان میں اضطرابات و قلاقل کا خزانہ تیار رہے قارئین کرام اس فصل کی ابتدا میں پڑھ چکے ہیں کہ اسمٰعیل پاشا نے بعض انگریزوں کو سوڈان میں حاکم مقرر کیا تھا۔ ان لوگوں نے اپنے فرائض کو صرف اس حد تک محدود رکھا۔ کہ بدامنی کے اسباب پیدا کریں اور اہل مصر و حکومت مصر کے خلاف سوڈانیوں کو بھڑکائیں انہوں نے خود مصر کے خرچ سوڈان میں فساد و بغاوت کے مادوں کو پرورش کیا اور وقت فرصت کا انتظار کرنے لگے۔ جب حوادث عربیہ کے باعث ہمارے وطن عزیز کا نظام درہم برہم ہوا اور انگریزوں نے اپنا احتلال قائم کردیا، تو مقررہ تجویز کے مطابق سوڈان نے بغاوت کردی۔ اور چونکہ اسوقت مصری فوج کثیر التعداد اور قوی و شدید تھی، اسلئے برطانی مدبروں نے اُسے بھی ہلاک کرنے کے لئے اس فتنہ سے فائدہ اُٹھایا چنانچہ انگریزی افسروں کے ماتحت مصری فوجیں سوڈان میں بھیجی گئیں اور سازشوں سے انکو شکست دلائی گئی۔ حتے کہ تین سال کے اندر ۹۰ ہزار سے زیادہ مصری فوج تباہ کرادی گئی جو لوگ ان منحوس مہموں میں گئے تھے اور خوش قسمتی سے زندہ بچکر آگئے تھے وہ علانیہ کہتے ہیں کہ جس طریقہ پر انگریزی سالاروں نے مصری فوجوں کو لڑایا ہے وہ بلاشک و شبہ اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ وہ عمداً ہزیمت دلانا چاہتے تھے اور مصریوں کو درویشوں کے ہاتھوں قید کرانے کی کوشش کرتے تھے؛

آخر انگریزوں نے حکومت مصری سے درخواست کی کہ سوڈان کو مصر سے الگ کرکے اندرونی آزادی عطا کردیجائے شریف پاشا نے اس بیہودہ درخواست کو پوری قوت کے ساتھ رد کردیا اور زیادہ زور دینے پر جنوری ۱۸۸۴ء میں استعفا پیش کردیا۔ نوبار پاشا ارمنی الاصل ان کی جگہ وزیر اعظم مقرر کیا گیا اور اس کے ذریعہ سوڈان کو مصر سے الگ کرالیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی مسئلہ مصر کو مزید اشکال و تعقید میں مبتلا کرنے کے لئے نوبار کی وزارت سے درخواست کرائی گئی کہ انگریزی فوجوں سے مصر کی مدد کیجائے چنانچہ بخوشی و رضامندی یہ درخواست قبول کی گئی۔ اور انگریزی فوجوں کو بغاوت فرو کرنے کے لئے سوڈان بھیجدیا گیا۔

غرض یہ کہ انگریزوں نے سوڈان کو اپنے احتلال کی دائمی حمایت کے لئے بدامنی اور اضطراب کا ایک سرمایہ محفوظ بنادیا ہے۔ جب کبھی اُن سے کہا جاتا ہے کہ اب مصر میں امن قائم ہوچکا اور انگریزی احتلال کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی ہے تو فوراً اس خزانہ کا منہ کھول دیا جاتا ہے اور حسب ضرورت اسباب احتلال پیش کر دیئے جاتے ہیں۔

علیٰ ہذا مصریوں کے خلاف اشاعتی جدوجہد بھی جاری ہے۔ مسلمانوں کے متعلق بُرے جذبات پھیلانے کے لئے مذہب کا ذریعہ یورپ میں ہمیشہ سے موجود ہی ہے۔ پس جب کبھی ضرورت ہوتی ہے تو انگریزی جرائد وصحائف یورپ میں مسلمانوں کے تعصب کی داستان شروع کر دیتے ہیں، اور اہل یورپ کو یقین دلاتے ہیں کہ متعصب مصری مسلمان عیسائیوں کے خلاف عام فساد برپا کرنے پر تیار ہیں اس لئے عیسائیوں اور یورپ والوں کی سلامتی اسی میں ہے کہ مصر میں انگریزی احتلال قائم رہے۔ حالانکہ یہ ایسا بے بنیاد الزام ہے جسے مصر کی تاریخ بالصراحت غلط ثابت کرتی ہے، اور اسکے عین برخلاف مصریوں کی دینی رواداری اور غیر ملکی مسافروں اور متوطنوں کے ساتھ کریمانہ مہمان نوازی کی بیشمار مثالیں پیش کرتی ہے۔ رہا اسکندریہ کا قتل عام جسے انگریزی اخبارات مصریوں کے خلاف بہت رنگ دیکر شہادت میں پیش کرتے ہیں، سو اسکے متعلق ہم یہ ثابت کرسکتے ہیں کہ وہ مصریوں کے تعصب کا نتیجہ نہ تھا بلکہ خود انگریزوں کے وسائل وحیل نے اسے پیدا کیا تھا، اس کی ذمہ داری مصریوں پر نہیں بلکہ خود انگریزوں اور تنہا انگریزوں پر عائد ہوتی ہے۔

اس طرح انگلستان نے تمام یورپ میں مشہور کیا کہ مصری قوم اپنے ملک کا انتظام خود اپنے ہاتھ میں لینے کی قابلیت بالکل نہیں رکھتی، وہ اپنے اوپر آپ حکومت نہیں کرسکتی، اور اس کے لئے انگریزی احتلال کی معاونت ومساعدت سخت ضروری ہے، گویا یہ انگریزوں کی عین شفقت وعنایت ہے، کہ فرزندان مصر کو بڑے بڑے محکموں اور اعلےٰ مناصب سے نکال کر اپنے آدمی بھرتی کر رہے ہیں! حالانکہ خاندان خدیوی کی تاریخ مصریوں کی ناقابلیت کے دعوائے باطل کے خلاف زندہ مثال موجود ہے۔ آخر یہ مصری ہی تھے جو انگریزی احتلال سے پہلے ملک کے ہر چھوٹے بڑے کام کو انجام دے رہے تھے، تمام ذمہ وار مناصب پر مامور تھے اور ملک کے انتظام کو چلا رہے تھے۔ مصریوں کی قابلیت وتہذیب وتعلیم کی حالت بہر حال بلغاریہ اور سرویہ کی اسحالت سے بدرجہا بہتر ہے جب ان صوبوں کو دولت علیہ سے آزاد کرادیا گیا تھا۔ پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر مصر کی حکومت اہل مصر کے ہاتھوں میں دیدیجائے تو یورپین قرضخواہوں کے مصالح کو نقصان پہنچیگا، اسلئے ان مصالح کی حفاظت ورعایت اس میں ہے کہ انگریزی احتلال کی ضمانت وکفالت باقی رکھی جائے۔ مگر اس دعوے کو بھی شواہد وحقائق باطل ثابت کرتے ہیں، کیونکہ مصریوں نے کبھی قرضخواہوں کی طمانینت کے لئے مالیہ مصریہ پر دول کی متحدہ نگرانی کو قبول کرنے سے انکار نہیں کیا۔ خود عرابی کی جماعت نے ہر موقع پر اعلان کیا کہ وہ دائنوں کے حقوق پر کوئی دست درازی کرنا نہیں چاہتی اور واقعہ ثابت کو قبول کرتی ہے۔ پس اگر قرضخواہوں کے مصالح کو کسی چیز سے نقصان پہنچتا ہے تو وہ خود انگریزی احتلال کا بقاء واستمرار ہے۔ کیونکہ ان کی طمع وغرض نے انھیں حکومت مصریہ کے واسطے سے صندوق[1] الدین پر ہاتھ ڈالنے کے لئے آمادہ کیا ہے اور سوڈان کی مہم میں اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں پس تمام

[1] صندوق اصطلاحاً "فنڈ" کو کہتے ہیں، اور صندوق الدین سے مراد وہ فنڈ ہے جو قرض ادا کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہو

دائنوں اور مصری قرض عام کے بونڈ رکھنے والوں کو یقین رکھنا چاہیئے کہ انگلستان اپنی اغراض کے سوا مصر میں اور کسی کی خدمت نہیں کر رہا ہے، بلکہ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے وہ اُن کے مصالح کو قربان کر رہا ہے۔

پچھلی بحث میں قارئین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ انگلستان نے مذبحہ اسکندریہ کا سامان کیا اور اس خوبصورت شہر کو چوروں اور بدمعاشوں کے رحم پر چھوڑ دیا چنانچہ اُن لوگوں نے تمام بازار لوٹ لئے اور آخر انگریزی داخلہ کے بعد حکومت مصر کو نقصان کے معاوضہ میں بڑی بھاری رقمیں ادا کرنی پڑیں۔ اس بھاری جرمانہ کو ادا کرنے سے مصری مالیہ کا توازن خراب ہو گیا۔ جسے درست کرنے کے لئے ۱۸۸۵ء میں حکومت مصر کو ۹۰ لاکھ گنی قرض لینا پڑا، اور حکومت انگریزی نے دول یورپ کو دعوت دی کہ مالیۂ مصر کا مسئلہ طے کرنے میں اس کا ہاتھ بٹائیں۔ دول نے اس دعوت کو قبول کیا اور ۱۷ مارچ ۱۸۸۵ء کو لندن میں ایک بین الدولی کمیشن مجتمع ہوا جس نے طے کیا کہ مصر کے تمام محکموں کا سالانہ خرچ ۵ لاکھ گنی سے زیادہ نہ ہونا چاہیئے۔

۳۰ مارچ ۱۸۸۵ء کو پیرس میں ایک دوسرا بین الاقوامی کمیشن مقرر کیا گیا جس کا مقصد نہر سویز کی غیر جانبداری کو برقرار رکھنے اور ہر سلطنت کو آمد و رفت کی آزادی دینے کے لئے نظام طے کرنا تھا۔ یہ کمیشن ۱۳ رجون تک برابر بحث و تذکرہ کرتا رہا، مگر سوائے اصول طے کرنے کے اور کچھ نہ کر سکا یعنی نہر سویز کی آزادی اور غیر جانبداری تو طے ہو گئی مگر یہ نہ طے ہو سکا کہ اسے برقرار رکھنے کی کیا صورت ہے فرانس کی تجویز یہ تھی کہ نہر سویز کا انتظام ایک ایسے کمیشن کے سپرد کیا جائے جس میں تمام دول عظمیٰ کے نمائندے شریک ہوں، مصر کا نمائندہ بھی ہو جسے محض مشورہ دینے کا حق دیا جائے، اور عثمانی نمائندہ اس کا صدر ہو مگر انگلستان نے اس تجویز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور تجویز پیش کی کہ نہر سویز کا انتظام خود حکومت مصری کے (جو اب انگریزوں کی محکوم ہے) سپرد کر دیا جائے۔

اس اختلاف نے مذکورۂ بالا قراردادوں کی تنقید کے مسئلہ کو لاینحل بنا دیا اور ڈھائی مہینہ کی بحث کے بعد بھی کمیشن اس نقطہ سے آگے نہ بڑھ سکا جس پر وہ اجلاس کے پہلے دن تھا۔ انگریزی نمائندہ کی اس تحریک سے یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ انگلستان نہر سویز پر اپنا کامل اقتدار قائم کر کے اُسے ایک انگریزی نہر بنانا چاہتا ہے۔ تاکہ جنگ کے وقت اپنے دشمن یا دشمنوں کے خلاف اُسے استعمال کر سکے چنانچہ حوادث عرابیہ کے زمانہ میں موسیو ڈی لیسپس کے اس طرح وعدہ کر لینے پر بھی کہ نہر سویز پر انگریزی فوجیں نہ بھیجی جائیں گی، انگلستان نے جو کچھ کیا وہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ وہ اقتضاء مصلحت کے وقت کسی عہد اور کسی میثاق کی پرواہ نہیں کرتا۔

یورپ کی کوئی سلطنت اگر وہ نہر سویز کو آزاد دیکھنا چاہتی ہے اور اسے انگریزی نہر کی بجائے ایک بین الاقوامی نہر بنانا چاہتی ہے جس میں ہر قوم کو آمد و رفت کی یکساں اجازت ہو، تو اس کے لئے تنہا ذریعہ صرف یہی ہے کہ مصر کو آزاد کرائے، اور سرزمین مصر کی حکومت خود اہل مصر کے سپرد کر دے۔ کیونکہ آزاد مصر اور ایسا مصر جو کسی حیثیت سے انگریزی حکومت کے اثر و اقتدار میں نہ ہو، صرف وہی ایک ایسا قابل اطمینان ضامن ہو سکتا ہے جس کے ماتحت ہر سلطنت اور ہر قوم کو نہر سویز میں یکساں آزادی نصیب ہو سکتی ہے

پس مسئلۂ سویز اُن نہایت اہم مسائل میں سے ایک ہے جو یورپ کو مصر میں شریک ہونے اور اسے حل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ خصوصاً جرمنی کا استعماری تقدم اور مشرق اقصیٰ میں اس کا تجارتی تفوق اُن امورِ مہمہ میں سے ہے جو اُس کو مستقبل قریب میں اس امر پر مجبور کریگا۔ کہ تمام اور سلطنتوں سے زیادہ مسئلہ مصر کو اہمیت دے، اور ہمارے بلادِ عزیزہ کو انگریزی غلامی سے نجات دلانے کی کوشش کرے۔

انگریزوں نے ۱۸۸۵ء میں پھر کوشش کی کہ ٹرکی کو دھوکہ دیکر روس کے خلاف استعمال کریں، بغیر اس کے کہ اس میں خود اُس کا کوئی نفع ہو۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ جب مسئلۂ افغانستان کے بارے میں انگلستان اور روس کا اختلاف بڑھا تو لارڈ سالسبری نے سر ہنری ڈرومنڈ وولف (Sir H. Drummond Wolff) کو آستانہ بھیجا تاکہ باب عالی سے مسئلہ مصر کے باب میں ایک سمجھوتہ کریں، یا در حقیقت باب عالی کو دھوکہ دیں کہ اگر وہ انگلستان کے ساتھ متحد ہو کر روس کے خلاف اس سے اتحاد کرلے تو مصر خالی کردیا جائیگا۔ مگر سر ڈرومنڈ وولف آستانہ ہی میں تھے کہ لندن میں انگلستان و روس کا اختلاف طے ہو گیا اور ۱۰ ستمبر ۱۸۸۵ء کو دونوں سلطنتوں کے درمیان اس پر اتفاق ہو گیا کہ پنجدہ روس کو ملجائے اور میروسحاق اور ذوالفقار افغانستان کے پاس رہیں اس طرح وہ مقصد حاصل ہو گیا جس کے لئے ٹرکی سے اتحاد کی ضرورت پیش آئی تھی۔ مگر سر ڈرومنڈ وولف اپنی اصل غرض کو چھپانے کے لئے بدستور عثمانی دارالخلافہ میں مقیم رہے، اور آخر دولت علیہ سے گفت و شنید کے بعد یہ بات طے ہوئی کہ باب عالی اپنا ایک ہائی کمشنر سر وولف کے ساتھ مصر بھیجے، اور وہ حالات کے دیکھ بھال کے بعد سر وولف کی شرکت سے ایک سمجھوتہ کا مسودہ تیار کرے جسے دونوں حکومتوں کے سامنے تصدیق کے لئے پیش کردیا جائے چنانچہ سر ڈرومنڈ وولف غازی مختار پاشا کو لے کر مصر پہنچے اور ۱۸۸۶ء کے اواخر تک بیفائدہ پھراتے رہنے کے بعد دفعتاً انھیں چھوڑ کر لندن روانہ ہو گئے۔ اسپر دولت غازی مختار پاشا آستانہ واپس چلے گئے اور انھوں نے مصری فوج کی تنظیم جدید اور سوڈان کی واپسی کے متعلق ایک فہرست بیان پیش کیا۔

حکومت عثمانیہ اور حکومت فرانس کو جب اس کا علم ہوا کہ سر ڈرومنڈ وولف دفعتاً لندن واپس چلے گئے تو انہوں نے حکومت برطانیہ سے اس سفر کا سبب دریافت کیا۔ اس کے جواب میں مطلع کیا گیا کہ وہ آستانہ جاکر سلسلۂ مغابرت جاری کرنے کے لئے ضروری احکام لیتے آئے تھے اور اب عنقریب آستانہ بھیجے جانے والے ہیں ۱۸۸۷ء میں وعدہ کے مطابق وولف صاحب آستانہ پہنچے، اور ترکی حکومت کے سامنے ایک سمجھوتہ کا مسودہ پیش کیا جس میں ۱۸۸۷ء کے تین سال بعد (یعنی ۱۸۹۰ء میں) مصر کو خالی کردینے کی تجویز تھی، مگر اس شرط کے ساتھ کہ اگر اس مدت کے اندر کوئی ایسا عام فساد مصر میں برپا ہو گیا جو برطانی احتلال جاری رکھنے کے لئے داعی ہو تو انگریزی فوجوں کے قیام کی مدت بڑھا دیجائیگی، اور اگر احتلال ختم کردیئے جانیکے بعد پھر کوئی بدنظمی اور عام بدامنی مصر میں پھیلیگی تو صرف انگریزی حکومت کو یہ حق ہوگا کہ اپنی فوجیں بھیجکر اُسے فرو کرے۔

دولت علیہ نے اس سمجھوتہ کو قبول کرلیا اور ۲۲ مئی ۱۸۸۷ء کو صدر اعظم نے اس پر دستخط کردیئے جس کے بعد صرف سلطان المعظم کی تصدیق ہونی باقی تھی۔ مگر فرانس کو جب اس کا علم ہوا تو اُس نے سلطان المعظم

کو تصدیق سے باز رکھنے کے لئے پوری کوشش کی اور روس سے اس باب میں مدد لیکر حضرت سلطان پر زور دیا کہ ایسے اتفاق کو ہرگز قبول نکریں۔ برلن کانگریس کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ فرانس اور روس ایک سیاسی مسئلہ میں متفق ہوئے؛

موسیو فلارینس جو اسوقت فرانس کے وزیر خارجہ تھے، دول یورپ کو بھی اسطرف توجہ دلائی اور اپنے سفرا کے ذریعہ تمام حکومتوں کو ایک سرکلر بھیجا جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ وولف اگریمینٹ مصر کے انگریزی احتلال کو دائمی و ابدی احتلال بنا دیتا ہے، کیونکہ انگلستان کے لئے بدامنی و اضطراب کا پیدا کر دینا ہر وقت ممکن ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ مسئلہ سوڈان ہر وقت اس خدمت کو ادا کرنے پر تیار ہے۔ پھر اگر فساد اور بدامنی بھی نہ ہو اور احتلال اٹھا بھی دیا جائے، تب بھی محض اس اتفاق کا قبول کر لینا ہی مصر پر سے باب عالی کے اقتدار کو زائل کر دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں موسیو فلارینس نے یہ الفاظ لکھے تھے کہ:-

"ہم (یعنی فرانس) بحر ابیض متوسط کی ایک اسلامی سلطنت ہونے کی حیثیت سے جلالتماب سلطان المعظم کے حقوق پر کسی دست درازی کو پسند نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ دست درازی ایک زبردست خطرہ کا باعث ہوگی"۔

گویا موسیو فلارینس کی سیاست یہ تھی کہ سلطان المعظم کے حقوق کا احترام کر کے فرانس کے زیر حکومت مسلمانوں کی تالیف قلب کرے۔

فرانس اور روس اعلیحضرت سلطان المعظم کو انگلستان کے سوانیت اور وولف اگریمینٹ کی مضرتوں سے آگاہ کرنے میں کامیاب ہوگئے، اور اعلیٰحضرت نے اسپر تصدیق کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر سر ہنری ڈرمنڈ وولف ناکام و نامراد آستانہ سے واپس چلے گئے۔ بعد میں مسئلہ مصر کے متعلق پھر کوئی مخابرت نہیں ہوئی، اور ۱۸۹۰ء میں اس کی سلسلہ جنبانی بھی ہوئی تو لارڈ سالسبری نے تخلیہ مصر سے بالصراحت انکار کر دیا۔

انگلستان نے مسئلہ مصر میں جرمنی، اٹلی اور آسٹریا، یعنی دول متحالف ثلاثہ پر ہمیشہ اعتماد کیا ہے حتیٰ کہ لارڈ گرینویل نے انگریزی احتلال کے بعد علی الاعلان کہا کہ "پرنس بسمارک نے ہمیں وادیٔ نیل میں اپنی فوجیں بھیجنے کا مشورہ دیا ہے"۔ پرنس بسمارک کا خیال تھا کہ انگلستان کا احتلال مصر السائس و لورین کی طرف سے فرانس کی توجہ کو پھیرے گا اور ان دونوں سلطنتوں میں بھی عداوت قائم ہو جائیگی اسپر مزید یہ کہ ٹرکی اور انگلستان کی عداوت مستحکم ہو جائیگی اور ٹرکی کو مجبوراً جرمنی کی طرف رجوع کرنا پڑیگا اسلئے اس نے مصر میں انگریزوں کی ہر طرح مدد کی اور ایک عرصہ تک دول ایتلاف ثلاثہ انگریزوں کی مساعدت میں اٹھیں۔ انگریزوں نے اپنی دہا سیاسی سے اٹلی کو خصوصیت کے ساتھ اپنا ساتھی بنایا اور اسپر اپنی دوستی نثار کرنے کے لئے بحر احمر کے سواحل پر مصوع کا علاقہ (Eritrea) اس کے حوالہ کر کے اسے بھی استعمار کی مرض میں مبتلا کر دیا۔ اس سے مسئلہ مصر میں ان کا خاص مددگار ہو گیا۔ پھر جب اس کی فوجوں نے حبشیوں کے مقابلہ میں شکست کھائی تو اسنے برطانیہ سے فریاد کی اور جرمنی کی سفارش لایا چنانچہ اس کی مدد کی گئی اور حکومت مصریہ کو مجبور کر کے درویشوں اور حبشیوں کے خلاف اٹلی کی مدد کے لئے ڈنگولہ کی مہم بھجوائی گئی!!!

غرض انگریزوں نے اپنے دہا سیاسی سے جرمنی اور اسکے حلیف آسٹریا و اطالیا کا اعتماد حاصل کر کے

مسئلہ مصر میں اپنے بہت سے مقاصد کو حاصل کر لیا۔ انھوں نے جرمن رجال سیاست کو سمجھایا کہ دولت فرانس مصر پر قابض ہونا چاہتی ہے اور اگر میں نے وہاں سے اپنی فوجیں واپس بلالیں تو وہ ضرور اپنی فوجیں بھیجدیگا۔ ان اباطیل واکاذیب سے جرمن مدبرین دہوکہ کھاگئے اور انہوں نے یقین کر لیا۔ یا ایسا یقین ظاہر کیا۔ کہ مسئلہ مصر فرانس کا مسئلہ ہے، اسلئے تخلیہ مصر کی کوشش کرنا فرانس کی ایک بہت بڑی خدمت کرنا ہے۔ برلن میں جس جرمن اہل سیاست سے میری گفتگو ہوئی اُس نے صاف طور پر مجھ سے یہی کہا کہ جرمنی مسئلہ مصر کو ایک فرانسیسی مسئلہ سمجھتا ہے اور اسلئے فرانس کی مدد کرنے پر وہ انگلستان کی مدد کو ترجیح دیتا ہے۔ جرمنوں میں عام طور پر یہ غلط اعتقاد راسخ ہوگیا ہے۔ اور در اصل یہ اعتقاد اُن اہم اسباب میں سے ہے جو مصر کے معاملہ میں جرمنی کو انگلستان کی مدد پر آمادہ کر رہا ہے۔ اسلئے ہم دیکھتے کہ وہی جرمنی جو آرمینیا، کریٹ، اور یونان میں انگلستان کی مساعی کو ناکام کرنے کے لئے دولت علیہ کی ہر طرح مدد کر رہا ہے، جب مصر کا معاملہ آتا ہے تو دولت علیہ کو چھوڑ کر انگلستان کا مددگار بنجاتا ہے، جیسے کہ مسئلہ مصر یہ کو مسئلہ شرقیہ سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے اور وہ مصر کو دولت علیہ کا جز ہی نہیں شمار کرتا۔ اگر باوجود اس کے ہم یہ توقع کر سکتے ہیں کہ جرمنی سیاست آخر وقت تک انگریزوں کی حامی نہیں رہیگی، ان دونوں سلطنتوں کے تعلقات اب بہت کچھ مکدر ہوگئے ہیں اور یقین ہے کہ تجارتی و استعماری رقابت روز بروز اُن میں تناقض و تباغض بڑھاتی رہیگی۔ میرے نزدیک سیاست حمیدیہ آخر کار مصر کے معاملہ میں بھی جرمن کو اسی طرح اپنا حامی بنالیگی جس طرح اُس نے مسئلہ شرقیہ میں اُسے بنالیا ہے۔ مگر یہ مقصد اسوقت حاصل ہوگا۔ جب مناسب وقت اور مساعد حالات پیدا ہوجائینگے؛

مصر کیطرف جرمنی ایک اور چیز بھی راغب کریگی۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر وادئ نیل پر انگلستان کا مستقل قبضہ ہوگیا۔ اور اُسے مصر کی زمام امور مستقلاً حاصل ہوگئی تو افریقہ اور ایشیا کی جرمن نو آبادیاں خطرہ میں پڑجائینگی۔ کیونکہ مصر، افریقہ اور ایشیا کی کنجی ہے اور اس کا ماضی اور حال ہمیں بتلاتا ہے۔ کہ جو قوم اُسپر حاکم ہوتی ہے وہ تمام قوموں سے زیادہ قوی ہوجاتی ہے۔ اور اُسے اتنی قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔ کہ تمام عالم کے مصالح کو نقصان پہنچا سکے۔ مسئلہ مصر ایشیا اور افریقہ دوسرے مسائل کیطرح خود اپنے جغرافی حدود میں محدود نہیں ہے بلکہ وہ اس عہد کی بین الاقوامی سیاست کا ایک بڑا مسئلہ ہے؛

قارئین کرام کو مصر میں انگریزی تقدم اور اس کی حکومت میں انکے ازدیاد نفوذ سے دہوکہ نہ کھانا چاہیئے کیونکہ یہ اصل مسئلہ مصر پر مطلق کوئی اثر نہیں ڈال سکتا۔ مصر کی سرزمین پر تین انگریز ہوں یا تین لاکھ۔ اور خواہ وہ صاحب الاقتدار ہوں یا غیر صاحب اقتدار بہر صورت مسئلہ مصر کی ذات ایک ہی رہیگی۔ کیونکہ ارض فراعنہ جس طرح کسی زمانہ میں کنانۃ اللہ فی الارض رہ چکی ہے۔ اُسی طرح وہ اللہ سے بغاوت کرنیوالی قوموں کا مدفن بھی ہے خود انگریزی قوم کی جن افراد نے تاریخ میں غور و خوض کیا ہے اور جو اس حقیقت کو جانتے ہیں۔ کہ تاریخ ہمیشہ اپنے سبق دُہرانی اور مختلف دوروں کی گردش کے ساتھ ایک ہی قسم کے لگے بندھے نتائج پیش کرتی ہے وہ محسوس کرتے ہیں کہ مصر میں برطانیہ کا استعماری احتلال دولت معظمہ برطانیہ کی بربادی کا باعث ہوگا۔ لارڈ سالسبری نے حال ہی میں اپنے ایک لیکچر میں کہا تھا کہ "حرص و طمع کی سیاست بڑی بڑی سلطنتوں کی تباہی کا باعث ہوئی ہے"

پس خود انھیں اور ان کے ساتھی مدبروں کو محسوس کرنا چاہئے کہ مصر میں اُن کی سیاست حرص و طمع کی بدترین مثال ہے۔ پھر کیا ایک ایسی حکومت جو اسکندریہ سے لے کر راس امید (Cape of Good hope) تک ایک عظیم الشان افریقی سلطنت قائم کرنا چاہتی ہے اور اس غرض کو حاصل کرنے کے لئے نہ ان قوموں کے حقوق کا کچھ خیال کرنے پر تیار ہے جو اس برِ اعظم میں رہتی ہیں، نہ ان مصیبتوں کی کچھ پرواہ کرنے کے لئے آمادہ ہے جو ان قوموں پر نازل ہونگے۔ اور نہ اُس خونریزی کا کچھ خوف کرتی ہے جو اس کام کے لئے اُسے کرنی پڑیگی کیا ایسی حکومت اس خطرناک لالچ اور اس ہیبت انگیز حرص و طمع کے مال سے بچ سکتی ہے؟؟؟

میں نے اپنے ایک رسالے (اختصار الاحتلال الانکلیزی) میں اُن خطرناک نتائج کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جو انگریزوں کے مصر میں باقی رہنے سے ضرور پیدا ہوں گے۔ اور واضح طور پر ثابت کر دیا ہے کہ مسئلہ مصریہ کے بطون میں سب سے خطرناک بین الاقوامی مسائل پوشیدہ ہیں، چنانچہ مسئلہ تجارت اقوام، مسئلہ بحر ابیض، مسئلہ افریقیہ، مسئلہ شرقیہ، مسئلہ مسیحیت، اور مسئلہ اسلام انھیں مسائل میں سے چند اہم مسئلے ہیں۔ ان میں سے ایک ایک کو لیجئے اور اس سے مسئلہ مصر کے تعلق کو دیکھئے۔

اگر دولت برطانیہ نے مصر پر دائمی قبضہ کر لیا تو اُن یورپین باشندوں کے لئے جو وادی النیل میں بستے ہیں، محال ہو جائیگا کہ یہاں اقتصادی فلاح حاصل کر سکیں، کیونکہ انگریز ہر ممکن طریقہ سے مصر کے مکاسب و منافع کو محض اپنے ابنائے وطن کے لئے مخصوص کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور انگریزی تجارت کے سوا تمام اور ملکوں کی تجارت کا راستہ بند ہو جائیگا۔ تمام اُن ممالک میں جو بد قسمتی سے انگریزوں کے ماتحت آگئے ہیں انہوں نے یہی سیاست اختیار کی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ یورپین تجارت کے لئے یہ بھی محال ہو جائیگا کہ سوڈان اور وسط افریقہ کے غیر انگریزی علاقوں میں ترقی کر سکے کیونکہ نیل کا راستہ خود وہاں تک پہنچنے کا تنہا راستہ ہے انگریزوں کے قبضہ میں آجائے گا اور وہ اپنی تجارت کے سوا سب کے لئے اُسے بند کر دینگے پس مصر پر انگریزی احتلال درحقیقت مصر سوڈان اور وسط افریقہ کے یورپین تجارت کے لئے موت اور مصر کے غیر برطانی یورپین قسمت آزماؤں کے لئے قصائے اجل ہوگا۔

اگر انگلستان مصر کا مالک ہو گیا تو بحر ابیض ایک انگریزی جھیل بنجائیگا۔ اور اس طرح دول یورپ کا توازن قائم نہ رہ سکیگا۔ کیونکہ جب انگلستان پہلے سے جبرالٹر، مالٹا اور قبرص پر قابض ہو چکا ہے، تو اسکندریہ پورٹ سعید، نہر سویز، اور ارض مصر، کے اضافہ سے اس کی قوت بحری اسقدر مضبوط ہو جائیگی کہ وہ ہر سلطنت کی بحری قوت کو کچل کر بحر ابیض متوسط کا تنہا مالک بنجائیگا۔ اور یہ یقیناً تمام یورپ کے لئے ایک عظیم خطرہ ہے جس سے بچاؤ سوائے اس کے اور کسی طرح ممکن نہیں کہ مصر کو آزاد کرائیں اور دولت علیہ کی سیادت عالیہ میں اُسے داخلی استقلال دلادیں۔

انگلستان اگر وادی نیل پر مسلط ہو گیا تو دول یورپ کے افریقی مستعمرات بیکار ہو جائینگے اور افریقہ میں دول کا توازن قائم نہ رہ سکیگا۔ وسط افریقہ کے تمام یورپین مستعمرات وسیع صحراؤں اور دشوار گذار گھاٹیوں سے گھرے ہوئے ہیں جن کو عبور کر کے جانا سخت دقت طلب ہے، خلاف اس کے دریائے نیل افریقہ کے قلب میں بہتا ہے جس کے ذریعہ بڑی آسانی سے اندرون افریقہ تک جہاز رانی کیجا سکتی ہے اور نیل کا مالک تمام انحائے افریقہ میں سہولت کے ساتھ پہنچ سکتا ہے۔ انگلستان کے قبضۂ مصر

نہ صرف افریقہ کا توازن دول خراب ہو جاتا ہے، بلکہ ایشیا میں بھی وہ باقی نہیں رہ سکتا کیونکہ مشرق اقصٰے اور ایشیائی پانی میں بین الاقوامی جہازرانی محض انگریزی مصالح کے ماتحت ہوگی اور دول یورپ کی ایشیائی نوآبادیاں انگلستان کے رحم پر چھوٹ جائینگی۔ ظاہر ہے کہ جب برطانیہ نے تمام بین الاقوامی منافع کو ٹھکرا کر ۱۸۸۲ء میں نہر سویز پر اپنی فوجیں اتار دیں اور اسپر اپنا تسلط قائم کر دیا، تو کیا اس کے لئے کچھ مشکل ہوگا کہ کسی وقت تمام دول کے لئے اُسے بند کر کے انھیں اپنی ایشیائی مستعمرات سے الگ کر دے۔

قارئین کرام فتنۂ شام کے سلسلہ میں ہماری اس بحث کو پڑھ کر آئے ہیں جو ہم نے محمد علی پاشا کے حملۂ شام کے متعلق لکھی ہے۔ اور انہیں معلوم ہو چکا ہے کہ مرحوم محمد علی نے نپولین کی اس رائے پر عمل کرتے ہوئے شام کو حاصل کرنا چاہا تھا۔ کہ شام مصر کے لئے اور مصر شام کے لئے ضروری ہیں۔ پس اگر مصر پر انگلستان مستولی ہوگیا تو کیا شام اس کی دست درازی سے بچ جائیگا؟ پھر دنیا کیا کریگی جب بیت المقدس اور اماکن مقدسہ پروٹسٹنٹ انگلستان کے قبضہ میں چلے جائینگے؟ کیتھولک اور آرتھوڈوکس عیسائی اسوقت کیا کرینگے؟ اور مسلمانوں کے لئے کیا چارہ کار رہجائیگا؟

پس ہر حیثیت سے مصر پر انگلستان کا استیلا دنیا کے لئے خطرناک ہے، اور ایک ایسی بلا ہے۔ جو بنی نوع انسان پر زبردست مصائب نازل کریگی بعض لوگ خیال کر سکتے ہیں کہ جن نتائج کا ہمنے ذکر کیا ہے ان کا ظہور پذیر ہونا محال ہے، یا بعید الامکان ہے۔ مگر رجال سیاست کا فرض ہے کہ ہر واقعہ کے بعید سے بعید نتائج پر غور کریں اور مستقبل کے ایسے خطرات کا بھی تدارک کریں جو ایک قرن، کئی قرنوں کے بعد پیش آنے والے ہوں۔

ہمنے کہا کہ مسئلہ مصر کے بطون میں مسئلہ اسلامیہ بھی پوشیدہ ہے اور ہم اس کتاب کے مقدمہ میں، یہ بات واضح طور پر بیان کر آئے ہیں کہ جب سے مصر پر انگریزی احتلال قائم ہوا ہے، انگلستان خصوصیت کے ساتھ دولت علیہ کی تقسیم کے لئے کوشش کر رہا ہے۔ اور اپنے قبضۂ دوام کی ضمانت کے لئے سلطنت عثمانیہ کو برباد کرنا، بلاد عرب کو اپنے تسلط میں لینا اور خلافت عربیہ قائم کر کے اُسے اپنی سیاست کا آلۂ کار بنانا چاہتا ہے پس مسئلہ مصر اسوقت مسئلہ شرقیہ کی شرح ہے، اور مصر میں انگلستان کا وجود مملکت عثمانیہ کے لئے عظیم الشان خطرہ ہے۔ اور اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ مدبرین دولت علیہ کو مسئلہ مصر پر اپنی پوری توجہ صرف کر دینی چاہیئے، بلکہ اُسے ان مسائل میں شمار کرنا چاہیئے جن پر ملک وملت کی زندگی کا انحصار ہے۔ جس طرح انگلستان نے اُن کو حوادث عرابیہ میں ایسا سخت دھوکہ دیا ہے جس کی ایک مثال بھی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اسی طرح انھیں بھی اپنی سلطنت کے بقا اور مہلک خطرات سے اس کی حفاظت کے لئے ہر قسم کی ریشہ دوانیوں سے کام لینا چاہیئے۔

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ روئے زمین کے تمام مسلمانوں کی نظریں ارض مصر کی طرف متوجہ ہیں اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ ارض حجاز کے بعد تمام ممالک اسلامیہ میں مصر کی اہمیت سب سے بڑھی ہوئی ہے۔ قرآن مجید میں ہمارے وطن عزیز کا نام ۳۳ جگہ آیا ہے جس سے ممالک اسلامیہ میں اس کی خاص اہمیت معلوم ہوئی ہے حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اُسے رباط اکبر فرمایا ہے کیونکہ مقامات مقدسہ (بیت المقدس، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ) کی حفاظت کے لئے اس کا وجود خاص اہمیت رکھتا ہے۔ عہد نبی کریم سے آجتک مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے کہ بلاد شام اور بلاد مصر کو ہمیشہ اسلامی حکومت میں رہنا چاہیئے چنانچہ جب

صلیبی مجاہدین حروب صلیبیہ کے زمانہ میں شام پر حملہ آور ہوئے تھے تو انھیں نکال دینے کے لئے تمام مسلمان کھڑے ہو گئے تھے اور انھوں نے جب تک انھیں نکال نہ دیا اسوقت تک چین سے نہ بیٹھے۔ پس اسی طرح مسلمانوں کو اب بھی اسوقت تک چین نہ لینا چاہئے جب تک انگریزی تسلط سے مصر آزاد نہ ہو جائے۔ اور حقیقی اسلامی حکومت میں نہ آجائے۔

اسپر جب ہم اس حقیقت کو اضافہ کرتے ہیں کہ مصر مسلمانوں کیلئے مشرق الانوار اور معہد علوم وعرفان ہے اور علوم اسلامیہ کی تعلیم و تحصیل کے لئے ہمیشہ سے مرکز بنا رہا ہے، تو ہمیں معلوم ہو جاتا ہے، کہ ہمارا مسئلہ مصریہ کو ایک مسئلہ اسلامیہ قرار دیتے ہیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، کیونکہ ہماری سیاست ہماری دین سے کوئی جدا شئے نہیں ہے اقوام عالم کی رہنمائی سیاسی اعتبارات کے مقابلہ میں مذہبی احساسات کے ذریعہ بہت زیادہ آسانی کے ساتھ کیجا سکتی ہے خود یورپ کے اقوام متمدنہ نے جن کا مذہبی جذبہ نہایت مضمحل واقع ہوا ہے، ہم پر ثابت کر دیا ہے، کہ مذہب سیاست کی بنیاد ہے اور مذہبی شعائر قوموں کی حیات اجتماعی میں زبردست اثر رکھتے ہیں۔ چنانچہ اس کی واضح تر دلیل یہ ہے کہ یورپ نے دولت علیہ کے داخلی معاملات میں مذہب ہی کے نام سے مداخلت کی ہے، اور تمام یورپ میں یہودیوں کے ساتھ عام شاہراہوں، قومی اجتماعات اور پارلیمنٹوں میں جو توہین و تذلیل کی جاتی ہے وہ بھی اسی مذہبی جذبہ کا نتیجہ ہے۔

غرض یہ کہ مسئلہ مصر دولت علیہ اور خلافت اسلامیہ کی زندگی و موت کے مسائل میں درجہ اول رکھتا ہے حال ہی میں انگلستان نے جس طرح دولت علیہ کے خلاف مسئلہ آرمینیہ دیگر مسائل میں ریشہ دوانیاں کی ہیں ان کے بیان سے قارئین کرام کو اور زیادہ صفائی کے ساتھ مسئلہ مصریہ کی اہمیت اور تمام عالم کیلئے اسپر توجہ کرنے کی ضرورت معلوم ہو جائیگی۔ پس جبکہ ہمارے ملک کا مسئلہ یہ اہمیت رکھتا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ انگریزوں کو جلد یا بدیر آخر کار یہاں سے نکلنا پڑیگا تو لازم ہے کہ تمام مصری اپنے مقدس حقوق کی سختی کے ساتھ نگرانی کریں۔ اور ہر وقت، ہر وسیلہ سے انکو حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ اگرچہ مسئلہ مصر میں بہت سی دوسری قوموں کے حقوق بھی شامل ہیں، مگر بہر حال مصریوں کو اس میں سب سے زیادہ حصہ لینا چاہئے کیونکہ مصریوں ہی سے اس کا سب سے زیادہ تعلق ہے۔ ہمیں اپنی ساری کوششیں اسبات میں صرف کر دینی چاہئے کہ انگریزوں کے تخلیہ مصر کی مدت قریب اور قریب تر آجائے، اور اپنے وطن عزیز کے گاؤں میں علم کی اشاعت کرنی چاہئے تاکہ مصر کا بچہ بچہ اپنے وطن و قومی فرائض سے آگاہ ہو جائے اور آزادی کے چوروں سے محفوظ رہینگے۔ سچا وطن پرست وہ ہے جو وطنیت کی راہ میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلنے پر تیار ہو اور اس کا قول وفعل اس مقولہ پر مبنی ہو کر۔

"اگر میں اپنے ملک آزاد کرانے کے لئے زمین کا تختہ الٹ دینے کی استطاعت رکھتا تو بلا تامل الٹ دیتا"

چھٹا فتنہ

مسئلۂ بلغاریا اور مسئلۂ یونان
۱۸۸۵ء۔ ۱۸۸۷ء

قارئین کرام کو ہماری گذشتہ بحثوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ روس نے ۱۸۷۸ء کی جنگ میں اپنے کثیر التعداد سپاہیوں اور اپنی بے شمار دولت کا خون صرف اس لئے کیا تھا کہ بلغاریا کو دولت علیہ کے قبضہ سے آزاد کرا کے اُسے ایک خود مختار ریاست بنادے اور اسی لئے اُس نے عہدنامہ سین اسٹیفانو میں اُن ملکوں کو جو بلغاری اقوام سے آباد ہیں ایک ریاست کے ماتحت لانے کی شرط منظور کرائی تھی۔ پھر قارئین کرام کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ برلن کانگریس نے وحدت بلغاریا کی تجویز کو مسترد کر کے بلغاری ممالک کو دو قسموں میں تقسیم کر دیا، اور شمالی حصہ کو بلغاریا نام آزادی دیکر جنوبی حصہ کو مشرقی رومیلیا کے نام سے دولت علیہ کے ماتحت اندرونی حیثیت سے آزادی عطا کر دی۔ ہم یہ بھی ظاہر کر چکے ہیں۔ کہ روس نے اہالی مشرقی رومیلیا کو ترکی کے خلاف پوری طرح بھڑکا دیا تھا اور انھیں اسباب پر آمادہ کیا تھا۔ کہ ترکی تسلط کے خلاف بغاوت کر کے بلغاریا سے مل جائیں۔ اور یہ سب کوششیں برلن کانگریس کے بعد کی گئیں جنسے مقصود یہ تھا کہ بلغاریا روس کے لئے ایک آلۂ کار بنجائے۔ اور بلقان کی سیاست میں اس کے مقاصد کی خدمت کرے۔ مگر پرنس بسمارک نے آسٹریا اور روس میں عداوت پیدا کرانے بلقان اور خصوصاً بلغاریا میں آسٹریا کا نفوذ بڑھانے اور اس نوخیز ریاست کو آسٹرین مصالح کا خادم بنانے کی کوشش کی۔ اور چونکہ روس سے انگلستان کو سخت عداوت تھی۔ اور روسی مدبرین فرانس سے تقرب حاصل کر رہے تھے اسلئے برطانی مدبرین نے مصر میں اپنے احتلال کی ضمانت کے لئے بہترین وسیلہ یہی سمجھا کہ ائتلاف ثلاثہ (جرمنی، آسٹریا، اٹلی) کو راضی کر لے۔ اور روس کے خلاف آسٹریا کی مساعدت کرے۔ چنانچہ اسی لئے لارڈ سالسبری نے پرنس الگزنڈر آف باٹنبرگ (Prince Alexandra of Battenberg) رئیس بلغاریہ سے دوستانہ خط و کتابت شروع کی اور اس کی طرف سے حد سے زیادہ میلان کا اظہار کیا حتےٰ کہ اُسکو انگلستان کی طرف خاص توجہ ہو گئی اور اُس نے انگلستان کے خاندان شاہی سے کامل رابطہ و علاقہ قائم کرانے کے لئے اپنے بھائی پرنس ہنری ڈی باٹنبرگ کی شادی پرنسس ایس ملکۂ انگلستان کے ایک لڑکی سے کر دی۔ اسوقت سے امیر بلغاریا برطانی و آسٹروی ارباب سیاست کے ہاتھوں میں ایک کھلونا بنگیا۔ ان لوگوں نے اُسے مشرقی رومیلیا میں انقلاب کرانے کی صلاح دی اور اس صوبہ کو اپنی ریاست سے ملحق کر لینے پر آمادہ کر دیا چنانچہ اُس نے ایک سازش پھیلا کر ۱۸ ستمبر ۱۸۸۵ء کو مشرقی رومیلیا کے ترکی گورنر جنرل جافریل پاشا کی گرفتاری کا انتظام کر لیا۔ اور ایک باغی جماعت قائم کر کے اس کے ذریعہ عام باشندوں کو بلغاریا سے ملحق ہو جانے کی دعوت دی۔ روسی تبلیغ نے پہلے ہی سے عوام میں بغاوت و فساد کے مادے تیار کر دیئے تھے، اُنھوں نے فوراً اس دعوت کو قبول کیا اور ۱۹ ستمبر سنہ مذکور کو پرنس الگزنڈر نے فلیپوپلیس میں جا کر اعلان کر دیا کہ مشرقی رومیلیا اب ریاست بلغاریا سے ملحق ہو گیا ہے۔ ۲۴ ستمبر کو ریاست

بلغاریا نے تمام دول یورپ کو سرکاری طور پر اس انقلاب کی اطلاع دیدی اور ان سے درخواست کی کہ آئندہ سے مشرقی رومیلیا کو بلغاریا کا جزو شمار کریں۔ اور باب عالی کو یہ نیا انتظام قبول کرنے پر راضی کردیں۔

مشرقی رومیلیا کے الحاق کی خبر مشہور ہوتے ہی عام طور پر اُن لوگوں نے جو بلقان کے اسرار سیاست سے ناواقف تھے، یقین کرلیا کہ اس انقلاب کا اصلی محرک روس ہے، اور وہی وحدت بلغاری کی تاسیس اور بلغاریتہ الکبریٰ کی (Greater Bulgaria.) تعبیر سے خوش ہونیوالا ہے۔ مگر حقیقت بالکل اس کے خلاف تھی۔ اس میں شک نہیں کہ روس بلغاریتہ کبریٰ کی تاسیس چاہتا تھا۔ مگر اس حیثیت سے کہ وہ اس کے مصالح کا تابع ہو نہ کہ آسٹریا اور انگلستان کی سیاست کا غلام۔ پس اس موقع پر مشرقی رومیلیا کے بلغاریا سے ملحق ہوجانے پر روس کی خوشی نہیں ہوئی بلکہ سخت رنج ہوا۔ اُس نے اس انقلاب پر سختی کے ساتھ احتجاج کیا اور بلغاری فوج کے روسی افسروں نے متفقہ طور پر استعفا دیدیا۔ اس کے ساتھ ہی حکومت روس نے دول یورپ پر زور دیا کہ مسئلہ بلغاریا اور انضمام مشرقی رومیلیا پر غور کرنے کے لئے آستانہ میں ایک بین الدولی کانفرنس منعقد کرنی چاہئے۔ کیونکہ یہ انقلاب برلن کانگریس کی تجویز کے بالکل خلاف ہے۔ چنانچہ روس ہی کی تحریک پر آستانہ میں وہ کانفرنس منعقد ہوئی۔

ادھر دولت علیہ کے وزرا کی رائے تھی کہ یورپ اس بارہ میں جو فیصلہ بھی کرے اُسے قبول کرنا پڑے گا کیونکہ مشرقی رومیلیا کو قوت سے واپس نہیں لیا جاسکتا۔ مگر سلطان المعظم اُن کی رائے سے متفق نہ تھے اُن کا خیال تھا کہ سلطنت کے حقوق کی حفاظت ہر طریقہ سے کرنی چاہئے! خواہ وہ طریقہ مصالحت کا ہو یا محاربت کا۔ اس اختلاف کی بنا پر سعید پاشا کی وزارت ساقط ہوگئی اور اُن کی جگہ کامل پاشا کو صدر اعظم مقرر کیا گیا جو اسوقت سینٹ پیٹرسبرگ میں ترکی سفیر تھے۔ اعلیحضرت سلطان المعظم کو امید تھی کہ روس دول ائتلاف اور انگلستان کے مقابلہ میں ان کی مدد کرے گا، مگر روسی مدبرین نے کامل پاشا کو سمجھا دیا کہ وہ آستانہ کی مجوزہ بین الدولی کانفرنس کی تجاویز سے یک سر مو تجاوز نہ کرینگے۔ آخر دولت علیہ کو مجبوراً اس کانفرنس کے لئے اپنا ایک ڈیلی گیٹ مقرر کرنا پڑا اور اس کے فیصلہ کو قبول کرنے پر تیار ہوگئی۔ مشرقی رومیلیا کے بلغاریا سے الحاق کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ یونان اور سرویا نے دولت عثمانیہ کے مقبوضات میں سے اپنا اپنا حصہ طلب کرنا شروع کردیا اور توازن بلقانی کا نام لے کر فوجی تیاریاں کرنے لگے۔ بلغاریا نے بھی دولت علیہ اور ریاست سرویا کے حدود پر اپنی فوجیں جمع کرنا شروع کردیں اور تمام دنیا کو خوف ہوا کہ بلقان میں فساد کی آگ ضرور بھڑک اٹھیگی اور اس کی چنگاریوں سے یورپ کے آتش گیر اڈے بھی مشتعل ہوجائینگے دول یورپ نے یہ حال دیکھ کر ۵ ار اکتوبر ۱۸۸۵ء کو دولت علیہ اور بلغاریا کے نام ایک مراسلہ بھیجا جس میں ظاہر کیا گیا تھا۔ کہ وہ بلغاریا کی حرکت سے متفق نہیں ہیں اور معاہدہ برلن اور سلطان المعظم کے حقوق کا احترام کرتے ہیں۔ ساتھ ہی بلغاریا کو نصیحت کی گئی تھی کہ ترکی سرحدوں پر فوجیں نہ جمع کرے۔ ۵ نومبر ۱۸۸۵ء کو بین الدولی کانفرنس آستانہ میں منعقد ہوئی، اور اُسے اجلاس کرتے ہوئے ۹ ہی دن گذر رہے تھے کہ شاہ سرویا میلان (Milan.) نے بلغاریا پر اعلان جنگ کردیا۔ یہ اعلان جنگ وصول ہوتے ہی پرنس الگزنڈر نے باب عالی کو صاحب سیادت ہونیکی حیثیت سے مطلع کیا اور سرویوں کو بلاد بلغاریا سے نکالدینے کے لئے اس سے اجازت مانگی۔ جنگ شروع ہوتے ہی کچھ زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ بلغاریوں نے سلیونٹیزا (Slivnitza)

پر سرویوں کو سخت شکست دی اور انھیں بری طرح پسپا کر دیا اس جنگ اور اسکے نتائج سے یورپ میں عام خطرہ کا احساس کیا گیا اور ۲۴ نومبر ۱۸۸۵ء کو دول نے ایک متحدہ یادداشت حکومت سرویا کے پاس بھیجی کہ وہ "بھائیوں بھائیوں" (یعنی سرویوں و بلغاریوں) میں زیادہ خونریزی نہ کرائے اور بلغاریا سے التوائے جنگ کی درخواست کرے۔ سرویوں نے اس درخواست کو قبول کیا، مگر بلغاریہ نے اسے رد کر دیا اور عذر پیش کیا کہ زیادتی سرویوں کی ہے اس لئے جب تک انھیں بلغاری حدود سے نکال نہ دیا جائے گا چین نہ لیا جائیگا۔ چنانچہ پرنس الگزنڈر برابر جنگ کرتا رہا اور سرویوں کو شکست دیتا رہا حتےٰ کہ شہر پیروٹ پر پہنچ گیا جہاں اسے آسٹریا کی طرف سے یہ دھمکی پہنچی کہ اگر اب اس نے ایک قدم آگے بڑھایا تو آسٹرین فوجیں اس کے مقابل ہونگی۔ اس دھمکی سے وہ ٹھہر گیا اور التوائے جنگ قبول کرنے پر راضی ہوگیا۔

روس اس جنگ کے زمانہ میں غیر جانبداری پر قائم رہا۔ مگر باوجودیکہ وہ بلغاریا سے مشرقی رومیلیا کے الحاق پر ناراض تھا اور احتجاج کر رہا تھا، اس نے بلغاریوں کو ان کی فتوحات پر مبارکبادی اور انکی شہامت کا اعتراف کیا۔ اور یہ اسبات کا ثبوت ہے کہ عواطف مذہبی ہمیشہ امیال سیاسی پر غالب رہتے ہیں اور تمام اقوام کی سیاست میں مذہبی جذبات ایک عنصر غالب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آستانہ کی بین الاقوامی کانفرنس برابر اپنے مناقشات میں مشغول تھی، اور انگریزی نمائندے کی انتہائی کوشش یہ تھی کہ وہ کسی قطعی نتیجہ پر نہ پہنچے، چنانچہ اس نے اس تجویز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ مشرقی رومیلیا پر عثمانی گورنر جنرل مقرر کیا جائے اور بلغاریوں کو عہدنامہ برلن کا احترام کرنے پر مجبور کیا جائے۔

ادہر یورپ نے جب دیکھا کہ بلغاری فوجیں برابر سروی افواج کے مقابلہ میں کھڑی ہیں تو اس نے بعض یورپین ماہرین حربیات کا ایک بین الاقوامی کمیشن بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ تاکہ سروی بلغاری سرحد مقرر کردیں چنانچہ یہ کمیشن گیا اور اس نے طے کیا کہ پیروٹ سے بلغاری فوجیں ہٹائے جانے سے دو دن پہلے سروی فوجیں ودین (Vidin) سے ہٹائی جائیں۔

دولت علیہ نے اپنے دو کمشنر مشرقی رومیلیا کے حالات کا مطالعہ کرنے اور اہالی کو اطاعت پر راضی کرنے کے لئے بھیجے مگر وہ اپنی ماموریت میں ناکام ہوئے۔ اسی طرح ایک ہائی کمشنر پرنس الگزنڈر کے پاس بھیجا تاکہ سرویا سے صلح کرنے میں اس کی مدد اور رہنمائی کرے سر ہنری ڈرمنڈ وولف اسوقت آستانہ ہی میں تھے، انھوں نے ترکی مدبروں کو اپنے دام میں لانے کے لئے ترکی سے انگلستان کی محبت ظاہر کرنی شروع کی اور عثمانی رجال سیاست کو تخلیہ مصر کا سراب دکھا کر برطانیہ سے حلیفانہ اتحاد کی رغبت دلانے لگے۔ ترکی مدبرین پھر اس جال میں پھنس گئے اور سر وولف کے اقوال پر اعتماد کرکے انھیں بہت کچھ ترکی سیاست میں دخیل کر دیا۔ اس غیر معمولی نفوذ کا یہ نتیجہ ہوا کہ دولت علیہ نے مصر کے ساتھ مشرقی رومیلیا کو بھی کھو دیا یعنی اس نے سر وولف کی اس تجویز کو قبول کر لیا کہ ترکی بلغاریا کے حق میں مشرقی رومیلیا سے دست بردار ہو جائے اور اس کے مقابلہ میں انگلستان ترکی کے لئے مصر خالی کر دے، انگلستان تو آجتک مصر خالی کر رہا ہے، مگر ترکی نے اسی وقت پرنس الگزنڈر کو بلغاریا اور مشرقی رومیلیا کا گورنر جنرل تسلیم کر لیا۔

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ یونان نے دولت علیہ سے جنگ کرنے کے لئے جنگ کا سامان اور فوجوں کا اجتماع شروع کر دیا تھا۔ ۳۱۔ دسمبر ۱۸۸۵ء کو وزارت یونان نے (جس کا صدر اسوقت موسیو ڈیلیانیس

(Delianni) تھا) اپنے سفراء کے ذریعہ تمام دول یورپ کو مطلع کیا کہ ۱۸۸۱ء میں بین الدولی کمیشن نے یونان کے لئے جو حصہ مقرر کیا تھا اس پر ابھی تک کلیتاً اسے قبضہ نہیں ملا ہے اسلئے زور و جبر کے ساتھ اپنا حصہ لینے پر تیار ہے، دول نے اُسے بلغاریا اور سرویا کی طرح نصیحت کی کہ جنگ نہ کرے اور فوجیں جمع کرنا بند کردے۔ مگر وہ اپنی ضد پر قائم رہا اور ان کی نصیحت قبول کرنے پر تیار نہوا آخر یورپ کو خوف پیدا ہوا کہ اگر یونان نے ٹرکی سے جنگ چھیڑدی تو خود یونان ہی تباہ ہو جائیگا، اس لئے اُنہوں نے اسے جنگ سے روکنے کے لئے یونانی سمندروں میں متحدہ بحری مظاہرہ کیا تاکہ وہ ڈر کر اپنی ضد سے باز آئے۔ اس مظاہرہ میں فرانس نے شرکت نہیں کی کیونکہ فرنچ پبلک میں یونانیوں کے ساتھ عام ہمدردی تھی۔

سرویا اور بلغاریا کو بھی دول یورپ نے اپنے ۱۳ر جنوری ۱۸۸۶ء کے مراسلہ میں دھمکی دی کہ اگر انھوں نے ایک دوسرے پر زیادتی کی تو حملہ کرنے والے کے خلاف تمام دول مدافعت کرنے والا کا ساتھ دینگے۔ اور اُسے ثمرات فتح سے محروم کردینگے۔ اس زمانہ میں پرنس قرہ جورج وچ (Karageorgevich) امر مانٹی نیگرو کا داماد تمام دول یورپ کے دارالسلطنتوں میں چکر لگا رہا تھا اور شاہ میلان کو معزول کرکے خود سرویا کا بادشاہ بننا چاہتا تھا۔ اس کی کوششوں سے ڈر کر میلان نے ۲ر مارچ ۱۸۸۶ء کو بخارسٹ میں بلغاریا سے صلح کرلی۔ تاکہ دول یورپ کی رائے اُس کے خلاف نہو جائے۔

روس نے دول یورپ سے مطالبہ کیا کہ مسئلۂ بلغاریا پر غور کریں اور مشرقی رومیلیا کی گورنری پر پرنس الگزنڈر کے تقرر کو برلن کانگریس کی قرارداد کے مطابق صرف ۵ سال کے لئے محدود کردیں پرنس نے اس تجویز کی مخالفت کا عزم کرلیا اور روس کا مقابلہ کرنے پر تیار ہوگیا، بغیر اس خیال کے کہ اس مخالفت کا نتیجہ کیا ہوگا۔ مگر روس کے زور دینے پر ۵ر اپریل ۱۸۸۶ء کو بین الدولی کانفرنس نے آستانہ میں فیصلہ کردیا کہ پرنس الگزنڈر صرف ۵ سال مشرقی رومیلیا کا گورنر رہے، اور ایک کمیشن جس میں ۲ نمائندے بلغاریا کے اور ۲ ٹرکی کے ہوں اس کام پر مامور کئے جائیں کہ مشرقی رومیلیا کے حالات اور اس کی انتظامی ضروریات پر غور کرکے کانفرنس کے سامنے ایک نظام پیش کریں پرنس الگزنڈر نے آستانہ کانفرنس کی اس تجویز پر اپنے طرز عمل میں تھوڑا تغیر کیا اور ایک مجلس عمومی قائم کردی جس میں بلغاری اور رومیلی نمائندے شریک تھے۔ یہ گویا بلغاریا کی متحدہ پارلیمنٹ تھی۔ اس اثنا میں یونان ترکی سرحدوں پر برابر فوجیں جمع کر رہا تھا اور جنگ پر آمادہ تھا۔ باب عالی نے جب دیکھا کہ یہ حالت نہ حالت جنگ ہے۔ اور نہ حالت امن، اور اس سے بیکار جنگی تیاریوں میں کثیر دولت صرف ہو رہی ہے، تو اُس نے دول یورپ سے درخواست کی کہ یونان کو سرحدوں سے فوجیں ہٹا لینے پر مجبور کریں ورنہ دولت علیہ کو اجازت دیں کہ اُسے امن پسندی کا سبق دے یورپ نے اس درخواست پر فوراً توجہ کی اور ہر ممکن طریقہ سے یونان اور دولت علیہ میں جنگ روکنے کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ اس غرض کے لئے متحدہ طور پر ایک تنبیہی پیغام حکومت یونان کو بھیجا گیا جس میں اُسے ہتھیار رکھدینے اور ترکی حدود پر فوجی اجتماع روکنے کی نصیحت کی گئی اور اسے دھمکی دیگئی کہ اگر اُس نے دول کے مطالبہ کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور بخوشی و رضا اپنی ہٹ سے باز آنے پر تیار نہوا تو جبراً اُسے مطالبہ قبول

کا احترام کرنے پر مجبور کیا جائیگا۔ فرانس ابتدا ہی سے یونان کی طرف میلان ظاہر کر رہا تھا اور مظاہرہ بحریہ میں دول کے ساتھ شرکت کرنے سے انکار کر چکا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ دول نے یونان کو ایسی سخت دھمکی دی ہے تو اپنی دوستی کا فرض سمجھا کہ اُسے اوامر دول کو تسلیم کر لینے کی نصیحت کرے چنانچہ سفیر فرانس متعین ایتھنز نے موسیو ڈلیجیانیس وزیر اعظم یونان کے پاس ۲۳ اپریل ۱۸۸۶ء کو ایک نوٹ بھیجا جس میں اُسے نصیحت کی کہ ٹرکی سے اعلان جنگ نکرے اور دول یورپ کی خواہش کے خلاف عمل کرنے سے اجتناب کرے۔ موسیو ڈلیجیانیس نے بظاہر اس نصیحت کو قبول کر لیا اور ۲۵ اپریل سنہ مذکور کو سفیر فرانس کے پاس پیغام بھیجدیا کہ اس کی حکومت نے فرانس کی نصیحت قبول کر لی ہے۔

مگر دول یورپ جانتے تھے کہ یونانی اپنے قول میں سچے نہیں ہیں۔ اور وہ ترکی مقبوضات میں سے کچھ لینے کے لئے تمام بلاد بلقان کو آتش جنگ سے مشتعل کرنا چاہتے ہیں، اسلئے انہوں نے اس جواب پر قناعت نہ کی اور ۲۶ اپریل ۱۸۸۶ء کو ایک نہایت شدید لہجہ نوٹ حکومت یونان کے پاس بھیجا جس میں اس سے مطالبہ کیا تھا کہ ایک ہفتہ کے اندر اندر تمام یونانی فوجیں گھٹا کر جنگ کی تیاری سے قبل کی تعداد پر کردیجائیں۔ ٹرکی کے خلاف ہر قسم کے معاندانہ عمل سے احتراز کیا جائے اور یورپ کی خواہش کے مطابق امن پسندانہ پالیسی اختیار کیجائے۔ اس موقع پر قارئین کرام اس حقیقت کو فراموش نکریں کہ دول یہ جو کچھ بھی کر رہے تھے خود یونان کی بہتری اور بھلائی کے لئے تھا۔ کیونکہ دولت علیہ اگر یونان کے خلاف اعلان جنگ کر دیتی تو اُسے نہایت ذلیل شکست اُٹھانی پڑتی۔ پس یونان کے لئے یورپ کی تمام تہدیدیں در اصل اسلئے تھیں کہ وہ شدید خطرات سے بچ جائے مگر یونان نے دول کی دھمکی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور تمام دول کے سفرا ایتھنز سے روانہ ہو گئے۔ فرانس کا سفیر بھی کچھ روز مقیم رہنے کے بعد اس بہانہ سے روانہ ہو گیا کہ اُسے موسیو فریسینیہ وزیر خارجہ فرانس سے کچھ خاص گفتگو کرنی ہے۔

دول نے جب دیکھا کہ یونان ضرورت سے زیادہ تکبر و ترفع کا اظہار کر رہا ہے تو اپنے بیڑوں کے امیر البحروں کو حکم دیا کہ تمام یونانی بندرگاہوں کا ایسا سخت محاصرہ کر لیں کہ یونان کو اپنی نافرمانی کا انجام معلوم ہو جائے۔ اور یورپ کے اوامر جو خود اس ہی کی بھلائی کے لئے ہیں عمل کرنے کے لئے مجبور ہو جائے۔ چنانچہ محاصرہ کیا گیا اور موسیو ڈلیجیانیس کی وزارت استعفا دینے پر مجبور ہو گئی۔ ۲۱ مئی ۱۸۸۶ء کو موسیو ٹریکوپیس نے وزارت یونان کا چارج لیا اور فوراً دول کو اطلاع دی کہ وہ اُن کے احکام کی اطاعت پر تیار ہے۔ مگر ساتھ ہی اس نے یونانی فوج کے ایک دستہ کو حکم دیکر سرحد پر کسی پتر دل سے لڑا دیا اور دعویٰ کیا کہ ترکی فوجیں یونانی فوجوں پر دست درازی کر رہی ہیں۔ اس حرکت سے وہ چاہتا تھا کہ دول اُس کے مددگار بنجائیں اور محاصرہ اُٹھالیں، مگر وہ اس حیلہ کو سمجھ گئے اور انھوں نے آخری طور پر مطالبہ کیا کہ یونانی فوجوں کی تعداد گھٹا کر اتنی ہی کر دیجائے جتنی جنگی تیاریوں سے قبل تھی اور سرحدوں پر سے فوجیں ہٹالیجائیں۔ آخر یونان نے مجبور ہو کر اس مطالبہ کو منظور کر لیا اور ۸ جون ۱۸۸۶ء کو دول نے یونانی بندرگاہوں پر سے محاصرہ اُٹھالیا۔

۱۸۸۶ء میں یونان نے جنگ کے لئے جو تیاریاں کی تھیں اور ترکی سے جنگ پر مستعد ہوا تھا اس سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ یہ ریاست ایک طویل زمانہ سے ٹرکی کے خلاف جنگ کا سامان کر رہی تھی اور اپنی فوجوں کی تیاری اور لشکروں کی ہتھیار بندی سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہوئی تھی۔ پس حال کی جنگ میں اس کی شکست فاش سکے مرض غرور کے لئے ایک دوائے شافی ہے یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ علاج اُسے عمر بھر کیلئے کافی

ونما نہ ہوگا، کیونکہ اس کی رگ رگ میں عثمانیوں اور مسلمانوں کے ساتھ عداوت بھری ہوئی ہے مگر یہ ضرور ہے کہ ادہم پاشا کی فتوحات نے اُسکے مادہ فاسد کو ایک طویل زمانہ کے لئے خارج کردیا ہے۔

اس اثنا میں پرنس الکزنڈر ڈی باٹینرگ امیر بلغاریا برابر یہ کوشش کر رہا تھا۔ کہ اُس کی ریاست سے مشرقی رومیلیا کا الحاق مکمل ہوجائے۔ اس مقصد کے لئے اس نے رومیلیا کی ترکی سرحد پر جنگی چوکیاں قائم کیں اور حکم دیدیا کہ ترکی علاقہ سے کسی قسم کا سامان بغیر محصول ادا کئے ملک میں داخل ہو۔ اور نہ صرف یہ بلکہ جمعیت عمومیہ میں جسے اُس نے بلغاریا اور مشرقی رومیلیا کی متحدہ پارلیمنٹ کے طور پر قائم کیا تھا اعلان کردیا کہ وحدت اب مکمل ہوگئی ہے۔ اور اب اُسے توڑنا قطعاً محال ہے۔

روس کو جب ان حرکات کا علم ہوا تو بلغاریا اور اُس کے امیر سے اسکا بغض اور بڑھ گیا اور آخر جون ۱۸۸۶ء میں اُس نے باب عالی کو ایک تحریر بھیجی جسمیں اُس سے درخواست کی گئی تھی کہ بلغاریا کو سزا دے اور اسے ایک حد محدود پر قائم رہنے کے لئے مجبور کرے۔ باب عالی نے اس کے جواب میں اُسے لکھا کہ دول یورپ کا غالب حصہ بلغاریا کا حامی ہے اس لئے اُس کے خلاف کوئی کارروائی کرنا مشکل ہے۔ اس پر روس نے اعلان کردیا کہ وہ بندرگاہ باطوم کو ایک آزاد تجارتی بندرگاہ رکھنے کے بجائے جنگی اسٹیشن بنانا چاہتا ہے۔ اگرچہ یہ حرکت معاہدۂ برلن کے دفعہ (۵۹) کے خلاف تھی مگر روس نے خیال کیا کہ جب بلغاریا کے معاملہ میں معاہدۂ برلن کا احترام نہیں کیا گیا تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اس کا احترام ملحوظ رکھے۔ اس حرکت سے اُس کا مقصد یہ تھا کہ بلغاریا کے مددگاروں اور خصوصاً انگلستان سے انتقام لے چنانچہ انگلستان نے اس پر احتجاج بھی کیا، مگر روس نے اسکی ذرہ برابر پرواہ نہ کی۔

آستانہ کانفرنس کی تجویز کے مطابق ترکی کے نمائندے بلغاریا کے نمائندوں کے ساتھ ملکر مشرقی رومیلیا کا نظام حکومت تیار کرنے میں مصروف ہوئے، مگر بنیادی اصول ہی میں اختلاف واقع ہوگیا۔ ترکی نمائندے اس صوبہ کو ترکی کے ماتحت داخلی آزادی دیکر پرنس الکزنڈر کو اس کا گورنر بنا رہے تھے، مگر بلغاری نمائندوں کا اصرار تھا کہ اسے قطعی و آخری حیثیت سے بلغاریا کے ساتھ ملحق کردیا جائے۔

روس کی عداوت الکزنڈر کے ساتھ روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ اس نے اس نوجوان امیر کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کا ایک علاج سوچا اور اُسے آمادۂ بلغاریا سے معزول کرنے کے لئے ایک زبردست سازش شروع کردی۔ اس کی صورت یہ تھی کہ حکومت روس نے اپنے خاص ایجنٹ بلغاریا میں پھیلا دیئے اور انھیں حکم دیا کہ موقع پاکر الکزنڈر کو گرفتار کرلیں اور اُسے ایک روسی جہاز پر بٹھا کر غائب کردیں۔ چنانچہ اس نقشہ پر عمل کیا گیا اور ۲۱ اگست ۱۸۸۶ء کو پرنس الکزنڈر ایک جہاز پر بٹھا کر غائب کردیا گیا، موسیو کارافلوف Karavel اس کا وزیر اعظم قید کردیا گیا اور سازشیوں نے اسوقت تک انتظام قائم رکھنے کے لئے ایک مجلس قائم کردی جب تک کوئی دوسرا امیر مقرر نہوجائے۔ یہ ایک زبردست حادثہ تھا جو انگلستان کے مشرقی سیاست ایک کاری ضرب کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس سے انگلستان اور روس کی منافرت اور زیادہ ہوگئی۔ اور وہ اس سے بدلہ لینے کی تدبیریں کرنے لگا۔ اُس نے جرمنی اور آسٹریا کو اپنے ساتھ شریک کرنے کی کوشش کی کیونکہ اُن کی شرکت کے بغیر وہ کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ مگر جرمن جو اپنی اور آسٹریا کی سیاست کا مالک تھا روس سے اس حد تک عناد پیدا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اسلئے اُس نے پرنس الکزنڈر کی واپسی کو حالات پر چھوڑ دیا۔

روسی رجال سیاست کا خیال تھا کہ بلغاری قوم پرنس الکزنڈر کی معزولی پر کوئی حرکت نہ کرسکے گی

اور اس انقلابی کمیٹی کے احکام کا اتباع کریگی جس نے حکومت روس کے اشارہ سے پرنس کو معزول کیا ہے، مگر بلغاری قوم الکزنڈر سے خاص محبت رکھتی تھی اور یہ سمجھتی تھی کہ وہی تھا جس نے انھیں سرویوں پر فتح ولائی۔ اور شرقی رومیلیا کو اُن کی ریاست سے ملحق کیا، پس وہ دفعتاً مشتعل ہوگئی اور تمام شاہراہوں پر پرنس الکزنڈر کی واپسی کے لئے زبردست مظاہرے کرنے لگے۔ ۲۴ اگست کو الکزنڈر کی معزولی کے تیسرے دن اہالی بلغاریا نے اس انقلابی کمیٹی کے تمام ارکان کو گرفتار کرلیا جنہوں نے الکزنڈر کو معزول کیا تھا۔ اور موسیو اسٹامبولوف (Stambulove) اور کارافلوف (Karavalove) وغیرہ لوگوں کی نگرانی میں ایک عارضی حکومت (Provisional Government) قائم کردی جس کا سب سے بڑا کام یہ تھا کہ پرنس الکزنڈر کو تلاش کرکے اُسکی واپسی کے لئے قوم کی خواہش اُس تک پہنچاوے چنانچہ اُن لوگوں نے تلاش کرکے معلوم کیا کہ وہ جرمنی میں ہے اور اُسے تار دیا کہ قوم اُس کو اپنا امیر بنانا چاہتی ہے۔ ۲۹ اگست کو وہ صوفیا واپس پہنچگیا اور عارضی حکومت سے چارج لے لیا۔

پرنس الکزنڈر کی واپسی پر اہل بلغاریا نے مسرت و تہنیت کے عظیم الشان مظاہرے کئے، مگر روس اپنے ارادوں پر بدستور قائم تھا۔ پس جب پرنس نے دیکھا کہ اُسکی اور اُسکے ملک کی سلامتی روس کے ہاتھ میں ہے تو اُس نے زار کو لکھا کہ وہ اُس کا تابع فرمان ہے اور ہر طرح اُس کی مرضی پر عمل کرنے کو آمادہ ہے مگر زار نے اس کے جواب میں اُسے لکھا کہ "اگر بلغاریا کی ریاست تمہارے قبضہ میں نہ رہے تو اُسکی (یعنی زار کی) گورنمنٹ کو اس سے (یعنی بلغاریا سے) کچھ سروکار نہیں"۔ یہ جواب پاکر الکزنڈر نے دوسری طرف دیکھا تو اُسے نظر آیا کہ جرمنی و آسٹریا اس کی مساعدت پر آمادہ نہیں ہیں اور انگلستان بھی جس کے اشاروں پر عمل کرکے اُس نے روس کی دشمنی مول لی اب اُسے تنہا چھوڑ کر الگ ہوگیا ہے، حتےٰ کہ انگلستان کی وزارت خارجیہ کے سکرٹری نے ۶ ستمبر ۱۸۸۶ء کو دارالعوام میں صاف طور پر صریت کا اعلان کردیا کہ "حکومت برطانیہ نے بلغاریا سے نہ کوئی عہد و پیمان کیا ہے اور نہ اُسکے مصالح اس بات سے متعلق ہیں" یہ حال دیکھ کر پرنس کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ رہا۔ کہ ریاست سے دست بردار ہو جائے۔ چنانچہ اس نے ۷ ستمبر ۱۸۸۶ء کو ریاست سے دست برداری کا اعلان کردیا اور ملک کا انتظام ایک مجلس کے ہاتھ چھوڑ کر صوفیا سے چلا گیا جو موسیو اسٹامبولوف، کارافلوف اور موٹکوروف (Mutkorove) سے مرکب تھی۔

اس مجلس کو خوف ہوا کہ کہیں روس اپنی فوجیں بلغاریا پر بھیجکر احتلال عسکری نہ قائم کردے، اسلئے اُس نے دولت علیہ کی طرف رجوع کیا اس حیثیت سے کہ وہ صاحب سیادت تھی۔ دولت علیہ نے اس باب میں دول یورپ سے مغابرت کی اور تحقیق کے بعد مجلس مذکور کو مطلع کردیا کہ روسی احتلال کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

پرنس الکزنڈر کی دست برداری کے بعد روس نے میجر جنرل نکولس کولبارس (Kaulbaras) کو بلغار کی حالت دیکھنے اور عارضی حکومت کی رہنمائی کرنے کے لئے اپنے نمائندے کی حیثیت سے صوفیا بھیجا۔ اس شخص نے بلغاریا دارالحکومت میں پہنچتے ہی عارضی حکومت اور بلغاریا سے بالکل ایسا برتاؤ شروع کردیا جیسے ایک امیر اپنی رعایا اور اپنی وزرا سے کرتا ہے۔ چنانچہ اس نے مطالبہ کیا کہ:۔ اولاً اس جماعت کے تمام ارکان کو رہا کردیا جائے۔ جنہوں نے ۲۱ اگست کو پرنس الکزنڈر پر قبضہ کرلیا تھا اور اُسے امارت سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ ثانیاً۔ جلد سے جلد حالت عرفیہ ختم کردیجائے اور ثالثاً۔ ایک مدت غیر معلوم تک اس پارلیمنٹ کا انعقاد

موقوف رکھا جائے جو نئے امیر کا انتخاب کرنیوالی ہے (حالانکہ ۱۰ اکتوبر ۱۸۸۶ء کو اس کا انعقاد طے ہو چکا تھا)

اس حوادث کے دوران میں یورپ کے اہل علم اس پر حیران تھے کہ بلغاریا کے معاملہ میں پرنس بسمارک انگلستان و آسٹریا کی مدد کرتے کرتے دفعتاً روس کی مساعدت کیوں کرنے لگا۔ اس کے مختلف وجوہ پرنس بسمارک سے منسوب کئے گئے ہیں، مگر حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اس دقیق النظر جرمن مدبر نے روس کو جنگ کے لئے بالکل مستعد دیکھ کر اور یہ سمجھ کر کہ اگر آسٹریا نے بلقان میں اُس کی ذرہ برابر مزاحمت کی تو وہ جنگ چھیڑ دیگا اور پھر جرمنی کو بھی اس میں شریک ہونا پڑیگا، محض حفاظت امن اور جنگ کا سدباب کرنے کیلئے روس کی مساعدت کی تھی۔ اسکے علاوہ اُس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ روس اور فرانس کے تعلقات میں روز بروز شگفتگی بڑھ رہی ہے اور اگر جرمنی نے علانیہ آسٹریا کی مدد کی اور روس کے خلاف بلغاریا میں اس کا ساتھ دیا تو پھر ان دونوں کا ہجوم و دفاعی اتحاد ایک امر معلوم ہے۔

جنرل کولبارس نے عارضی حکومت کے خلاف بلغاریوں کو اپنی طرف راغب کرنے کی انتہائی کوشش کی، ہر ہر شہر اور گاؤں میں پھرا، ہر مجلس میں تقریریں کیں، مگر کامیاب نہ ہوا۔ عارضی حکومت نے اس کے مطالبات کو رد کر دیا اس کی مخالفت کے باوجود ان لوگوں پر مقدمہ چلایا گیا جنہوں نے ۲۱ اگست کو الکزنڈر پر قبضہ کیا تھا۔ اور ۱۰ اکتوبر کی جو تاریخ انتخاب امیر کے لئے مقرر ہو چکی تھی اُس کو ملتوی کرنے سے انکار کر دیا۔ جب یہ انتخاب کا دن آیا تو عارضی حکومت ۵۰۔ رائیوں کے مقابلہ میں ۵۰۰ رایوں کے زبردست اکثریت سے کامیاب ہوگئی اور پارلیمنٹ کا انعقاد واخر ماہ اکتوبر میں بمقام ٹرنووا (Turnova) جو بلغاریا کا قدیم دار السلطنت تھا، قرار پایا۔ مگر جنرل کولبارس نے اس انتخابات کو لغو قرار دیا اور دعویٰ کیا کہ عارضی حکومت نے عام باشندوں کو کامل آزادی رائے نہیں دی تھی۔ اُس نے یہ بھی اعلان کیا کہ حکومت روس اُن لوگوں پر مقدمہ چلانے کو اپنی توہین سمجھتی ہے جنہوں نے الکزنڈر کو گرفتار کیا تھا۔ اُس کے ساتھ ہی اُس نے بلغاریا میں بدامنی و اضطراب کی تخلیق شروع کی تاکہ روس کے لئے فوجی مداخلت کا بہانہ ہاتھ آئے، چنانچہ روسی باشندوں کو جو بلغاریا میں مقیم تھے اشارہ کر کے بلغاری عوام سے لڑوا دیا اور ہر طرف ایک عام مناخنت و مخاصمت شروع ہوگئی اس سے روسی جنرل اور عارضی حکومت میں نفرت کچھ اور بڑھ گئی اور بلغاری اعیان و اکابر نے فیصلہ کر لیا کہ ہر طرح کر روسی ارادوں کی مزاحمت کرینگے۔ ارکان حکومت نے کولبارس کی تمام تجویزوں کو رد کر دیا اور صرف ایک مطالبہ کو قبول کیا جو پرنس الکزنڈر ڈی باٹنبرگ کے دوبارہ انتخاب کو روکنے کے متعلق تھا۔

۳۱ اکتوبر ۱۸۸۶ء کو بلغاری پارلیمنٹ مجتمع ہوئی اور ۱۱ نومبر کو اُس نے پرنس والڈیمر آف ڈنمارک (Waldmar of Denmark) کو امیر بلغاریا منتخب کیا۔ یہ انتخاب بلغاری مصالح کے موافق تھا اور روسی خواہشات کے مخالف بھی نہ تھا۔ کیونکہ شہزادہ مذکور زارینۂ روس (زار الکزنڈر ثالث کی ملکہ اور آخری زار نکولس کی ماں) کا بھائی تھا۔ مگر شاہ ڈنمارک نے اپنے بیٹے کے امیر بلغاریا مقرر کئے جانےکو قطعاً قبول نہ کیا اور آخر بلغاری پارلیمنٹ مجبوراً موسیو جیوکوف (Jiokoe) کو عارضی امیر مقرر کیا۔

روس کی دلی خواہش تھی کہ بلغاریا پر اپنا استقلال قائم کرے اور اُسے اپنے قابو میں رکھے۔ اگر اس کی یہ خواہش نہ ہوتی تو وہ ضرور شاہ ڈنمارک سے درخواست کرتا کہ اپنے بیٹے کے انتخاب کو قبول کرے۔ روس کی اس خواہش کا حال جب انگلستان کو معلوم ہوا تو اس نے آسٹریا کو روس کے خلاف اپنے ساتھ متحد کرنے کی کوشش کی اور اس مقصد کے لئے لارڈ راند ولف چرچل برلن ہوتے ہوئے وائنا گئے۔ ۹ نومبر ۱۸۸۶ء کو لارڈ

سالسبری نے لندن میں تقریر کی اور روس کی بلغاری پالیسی پر تنقید کرتے ہوئے اس پر سخت ملامت کی اور اعلان کیا کہ مسئلہ بلغاریا میں انگلستان آسٹریا سے اتحاد کرنے پر تیار ہے۔ روسی اخبارات اس پر بہت برانگیختہ ہوئے، انھوں نے انگریزی وزیر کی ملامتوں کا جواب ویسی ہی سخت ملامتوں سے دیا۔ اور حکومت روس سے مطالبہ کیا کہ انگریزی حکومت سے قطع تعلق کر کے اپنے سفیر کو واپس بلا لے۔

اس اثنا میں عارضی حکومت کی مخالفت پر ناراض ہو کر روس نے بلغاریا سے تعلقات قطع کر دیے اور ۲۰ر نومبر کو جنرل کولبارز تمام روسی قنصلوں کو ساتھ لے کر صوفیا سے روانہ ہو گیا۔ چلتے وقت اس نے بلغاری شاہراہوں پر عارضی حکومت کے خلاف احتجاجی اشتہارات چسپاں کئے جس میں اسے "قزاقوں کی حکومت" سے یاد کیا گیا تھا۔ ان لوگوں کی روانگی کے بعد روسی رعایا بلغاریا میں جرمن قنصل کے ماتحت اور مشرقی رومیلیا میں فرنچ قنصل کے ماتحت رہی۔

۳ر دسمبر ۱۸۸۶ء کو باب عالی نے دول کے سامنے تجویز پیش کی کہ شاہزادہ منگریلیا (Prince of Mingrelia) کو امیر بلغاریا مقرر کیا جائے مگر دول نے اس بنا پر انکار کر دیا کہ شاہزادہ مذکور بلغاریوں میں مبغوض اور روسیوں میں محبوب ہے۔ جب معاملہ نے بہت طول کھینچا اور بلغاریوں کا انتظار بہت طویل ہو گیا تو حکومت موقتۂ بلغاریا نے ایک وفد تمام دول یورپ کی حکومتوں میں بھیجا تاکہ اپنے ملک کے لئے جلدی کوئی امیر حاصل کریں پہلے یہ وفد وائنا گیا جہاں بڑے احترام کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا گیا، پھر برلن گیا، مگر وہاں وائنا جیسی گرمجوشی نہ پائی۔ پھر پیرس و لندن کا سفر کیا۔ راستہ میں اتفاقاً کولون (Cologne) کے اسٹیشن پر پرنس الکزنڈر ڈی باٹنبرگ سے اس کی ملاقات ہو گئی۔ ارکان وفد بڑی محبت و عزت کے ساتھ اس سے ملے اور اسے مطلع کیا کہ بلغاری قوم ابتک اسکو نہایت محبوب رکھتی ہے، مگر پرنس جانتا تھا کہ اب اس کا دوبارہ امارت بلغاریا پر مامور ہونا ایک امر محال ہے اسلئے اس نے ادھر کا عزم نہ کیا۔ اپنا سفر ختم کر کے یہ وفد آستانہ پہنچا اور یہاں اس نے بارگاہ سلطانی میں لوازم تابعیت ادا کر کے ترکی رجال سیاست کے ذریعہ روسی سفیر کے ساتھ مفاہمت کا سلسلہ جاری کیا۔ مگر حکومت روس سے صفائی نہو سکی۔ آخر دولت نے مارچ ۱۸۸۶ء کے اواخر میں رضا بک کو ہائی کمشنر کی حیثیت سے صوفیا بھیجا تاکہ بلغاری پارٹیوں میں باہم موافقت پیدا کریں اور دوسری طرف دول یورپ کو ایک نوٹ بھیجا کہ بلغاریا میں اس حالت کا زیادہ عرصہ تک قائم رہنا سخت مضر ہے، اس لئے اس مسئلہ کو حل کرنے میں جلدی کرنی چاہیے۔

آخر جب بلغاری مایوس ہو گئے کہ ان کے لئے انتخاب امیر کے بارے میں دول کا متفق ہونا محال ہے تو عارضی حکومت نے پارلیمنٹ کے سامنے تجویز پیش کی کہ شاہزادہ فرڈیننڈ آف سائس کوبرگ (Ferdinand of Saxe Coburg) کو منتخب کر لیا جائے چنانچہ ۷ر جولائی ۱۸۸۷ء کو اس کا انتخاب عمل میں آ گیا، اور سرکاری طور پر اسے اس انتخاب سے مطلع کر دیا گیا۔ اسپر دولت علیہ نے دول یورپ سے دریافت کیا کہ وہ اس انتخاب کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟ مگر ہر سلطنت نے یہی جواب دیا کہ اگر دوسری سلطنتوں نے اسے قبول کر لیا تو وہ بھی تیار ہے۔ سوائے روس کے کہ اس نے صاف طور پر لکھ دیا کہ بلغاری پارلیمنٹ جو انتخاب بھی کرے اسے وہ قبول کرنے پر تیار نہیں ہے۔ اس طرح پرنس فرڈیننڈ کے انتخاب پر دول کا اجتماع نہ ہو سکا۔ ادھر پرنس خود کچھ عرصہ تک متردد رہا، اور آخر منظور کر لینے کا فیصلہ کر کے ۱۰ر اگست ۱۸۸۷ء کو صوفیا روانہ ہو گیا دار الحکومت میں داخل ہوتے ہی اس نے اعلیحضرت سلطان المعظم کو بذریعہ تار اپنے صدق و اخلاص سے مطلع کیا اور امید

ظاہر کی کہ دولت علیہ اسے اپنے فرائض ادا کرنے میں مدد دیگی۔ ۲۴ اگست کو اُسنے بلغاری پارلیمنٹ کے سامنے بلغاری قوم کے ساتھ خلوص رکھنے اور عادلانہ حکومت کرنے کا وعدہ کیا۔ ۱۸ اگست کو شہر فلیپوپولیس دارالحکومت مشرقی رومیلیا میں داخل ہوا جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ وہ اس صوبہ کو دولت علیہ کے لئے چھوڑنا نہیں چاہتا ہے۔ اس کے بعد اُس نے موسیو اسٹامبولوف کو جو روس کے سخت دشمنوں میں سے تھا حکم دیا کہ وزارت مرتب کرے۔

باب عالی نے پھر دول یورپ سے دریافت کیا کہ بلغاریا کی کرسی امارت پر فرڈنینڈ کے جلوس کے متعلق اُن کی کیا رائے ہے؟ اس کے جواب میں روس نے لکھا کہ دولت علیہ کو بلغاریا کے معاملہ میں مداخلت کر کے پرنس فرڈنینڈ کو نکالدینا چاہئے۔ بعض دوسری سلطنتوں نے بھی لکھا کہ اس معاملہ میں روس سے اتفاق کرنا ضروری ہے اس سے دلیر ہو کر روس نے تجویز پیش کی کہ جنرل ان راتھ (Ernroth) کو قیام امن کے لئے بلغاریا بھیجا جائے اور وہ پرنس کو معزول کر دے۔ باب عالی نے بھی اسے قبول کر لیا اور یہ شرط لگادی کہ ایک عثمانی کمشنر بھی روسی جنرل کے ساتھ شریک ہو۔ مگر انگلستان، آسٹریا اور اٹلی نے اس اثنا میں اپنے قناصل کو حکم دیا کہ فرڈینینڈ سے ملیں اور اُسے امیر بلغاریا تسلیم کر لیں۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ ہر سہ دول نے پرنس کے تعین کا اعتراف کر لیا ہے۔ فرڈینینڈ کی خوش قسمتی سے روسی ترکی مخابرات بھی کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکے، اور وہ بدستور کرسی ریاست پر متمکن رہا۔ موسیو اسٹامبولوف کی وزارت روس کی سخت مخالف تھی۔ اس عہد میں روس سے تعلقات برابر کشیدہ رہے۔ البتہ حال میں جب اسٹامبولوف ساقط ہوا، اور قتل کیا گیا، اور پرنس بورِیس (Boris) ولیعہد بلغاریا نے آرتھوڈوکس مذہب اختیار کیا تو روس کے ساتھ بلغاری حکومت کے تعلقات بہتر ہو گئے ہیں۔ سلطان المعظم نے بھی فرڈینینڈ کو امیر بلغاریا اسوقت تک تسلیم نہیں کیا جب تک روس سے اسی کے تعلقات صاف ہو گئے۔ اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ روس اور دولت علیہ میں صفائی ہوتی جاتی ہے۔ سلطان المعظم کے اعتراف پر تمام دول یورپ نے بھی پرنس فرڈینینڈ کو امیر تسلیم کیا اور اسطرح مسئلہ بلغاریا ختم ہو گیا۔

قارئین کرام یہ دیکھ کر ضرور افسوس کرینگے کہ مسئلہ شرقیہ کا ہر فتنہ دولت علیہ کے مقبوضات میں سے کسی نہ کسی حصہ کے انسلاخ پر ختم ہوتا ہے چنانچہ اس فتنہ میں بھی مشرقی رومیلیا اس سے جدا ہوا اور اس نے بے فائدہ مخابرات میں اپنا قیمتی وقت ضائع کیا۔

ساتواں فتنہ

مسئلہ ارمینیا

ایک عرصہ سے دولت علیہ کے بعض مدبرین کا یہ عقیدہ تھا کہ دول یورپ میں اگر کوئی سلطنت دوستی، تقرب اور اعتماد کے قابل ہے تو وہ صرف انگلستان ہے۔ یہ اعتقاد عام طور پر دلوں میں اسطرح راسخ ہو گیا تھا کہ عثمانی رجال سیاست کے لئے اس قدیم دوستی کی حقیقت کو سمجھنا اور شدید عداوت کا حال معلوم کرنا جس کا اظہار دولت برطانیہ عرصہ سے کر رہی تھی، مشکل تھا۔ گذشتہ زمانہ کے ترکی وزراء و مدبرین کی وصیتیں اور یادداشتیں پڑھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ وہ لوگ اپنے سلاطین کو نصیحتیں کرتے تھے کہ یورپ میں صرف انگلستان

کو اپنا دوست بنا لیا اور حق یہ ہے کہ دولت علیہ کا یہی اعتماد اس کے لئے مہلک ثابت ہوا اور اُن متعدد لڑائیوں کا باعث ہوا جنہیں اُس نے ملک، مال اور اپنے بہترین فرزند ضائع کئے۔

ہر شخص جس نے انگلستان کی تاریخ اور اس کی سیاست حاضرہ و ماضیہ کا مطالعہ کیا ہے، وہ ایک لمحہ کیلئے بھی یقین نہ کرے گا کہ انگلستان اپنی دوستی میں کبھی صادق و مخلص ہو سکتا ہے۔ انگریزی اصطلاح میں سیاست کچھ نہیں ہے مگر جھوٹ، منافقت، اور مکر وحیلہ، وہ پاس عہد اور دیانت وصداقت سے اپنی سیاست کو ذرہ برابر بھی ملوث کرنا پسند نہیں کرتے اور اسی لئے جاننے والے جانتے ہیں کہ جس سلطنت سے وہ دوستی و مودت کا اظہار کرتے ہیں وہ ان کے مکر و فریب کا شکار ہو جاتی ہے۔ اور جس سے اُن کی مخالفت وعداوت ہوتی ہے وہ ہر طرح محفوظ رہتی ہے پس دولت علیہ کے ساتھ ان کی مزعومہ صداقت کچھ نہ تھی مگر ایک ہتھیار جس سے اس کا گلا کاٹنا مقصود تھا۔ اور ایک آلۂ کار جسے انہوں نے محض اپنی خواہشات کو حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا تھا۔

یہ پردہ ایک عرصہ تک پڑا رہا اور دولت علیہ کے ساتھ انگریزوں کی حقیقی پالیسی کا اظہار اسوقت ہوا جب ۱۸۹۳ء میں ہز ہائینس عباس حلمی پاشا نے صاف اعلان کر دیا کہ وہ حضرت سلطان کے سوا اور کسی کو اپنا متبوع نہیں سمجھتے اور صاف خلافت عظمےٰ کی بارگاہ میں واجبات تابعیت ادا کرنے کے لئے دار السعادت (قسطنطنیہ) کا عزم رکھتے ہیں۔ خدیو کا یہ ارادہ معلوم کر کے انگریزوں کو خوف پیدا ہوا کہ عزیز مصر اور سلطان ٹرکی میں تقریب پیدا ہونے سے مسئلہ مصر کی صورت ہی بدل جائیگی۔ اور وادی نیل میں اُن کا موقف بالکل کمزور ہو جائیگا کیونکہ مصر پر ان کا احتلال آپس کے نفاق وشقاق ہی کی بنیاد پر قائم تھا اور تابع و متبوع کے تعلقات درست ہو جانے کے بعد ان کے لئے تسلط قائم رکھنے کی کوئی صورت باقی نہ رہ سکتی تھی۔ پس انہوں نے پہلے تو خدیو کو سلطان سے متنفر کرنے کی کوشش کی، اور جب اس میں ناکام ہوئے تو حضرت سلطان کو خدیو کے خلاف بھڑکایا۔ مگر دونوں جگہ ان کے نصائح پر توجہ نہ کی گئی۔ اور پہلی دفعہ خدیو کے ورود آستانہ پر یورپ کے تمام سیاسی حلقوں میں مشہور ہو گیا کہ انگریز خدیو عباس کو معزول کرانے کے لئے دولت علیہ پر زور دے رہے ہیں لیکن سلطان ان کی ان کوششوں کے مقابلہ میں خدیو اور عام مصریوں پر زیادہ مہربان ہوتے جاتے ہیں۔ یہ خبریں اسقدر کثرت کے ساتھ مشہور ہوئیں اور یورپین ارباب سیاست نے اتنے تیقن کے ساتھ اس بارہ میں اظہار رائے کیا کہ عام طور پر دولت برطانیہ اور دولت عثمانیہ کے درمیان تکدر علانیہ اور کسی زبردست فتور کا انتظار کیا جانے لگا۔ لوگوں کو جنگ کا اندیشہ تو ضرور تھا مگر یہ خیال کسی کو بھی نہ تھا کہ اس کا بدلہ لینے کے لئے انگلستان علانیہ مقابلہ کی بجائے اندرونی بغاوتیں برپا کر کے سلطنت عثمانیہ کو برباد کرنے کی کوشش کریگا۔

انگلستان کی عادت ہے کہ حتے الامکان مقابلہ پر آنے سے بچتا ہے اور خفیہ ریشہ دوانیوں سے کام نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس نے سلطان سے انتقام لینے کے لئے فوجیں تیار نہ کیں، بلکہ پروٹسٹنٹ ارمنوں کو تیار کیا، مسلمانوں کے خلاف تبلیغ و تلقین کر کے اس قوم کو تمام مملکت عثمانیہ میں ایک ہیجان برپا کر دینے پر آمادہ کیا۔ اسلحہ وسیم وزر سے اُن کی مدد کی، اور اُن سے وعدہ کیا کہ وہ صرف انہیں فساد کے بُرے نتائج سے محفوظ رکھیگا بلکہ مداخلت کر کے ایک مستقل ارمنی حکومت قائم کرا دیگا۔ وادی نیل پر مستقل قبضہ کرنے کے اسے مسئلہ ارمینیا کی تخلیق کے سوا اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ اس ذریعہ سے وہ بیشمار فائدے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ ٹرکی میں بدامنی و بدنظمی پھیلنے سے عثمانی اقتدار مضمحل ہو جائیگا۔ اور سلطان المعظم خوف زدہ ہو کر اُن کے اشاروں پر چلنے لگینگے۔ اُسے یقین تھا کہ ٹرکی میں اضطراب پیدا ہونے اور عیسائیوں کے خلاف مسلمانوں

میں اور مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں میں عام مخالفت پیدا ہو جانے سے یقیناً تمام یورپ ٹرکی کے خلاف ایک ہو جائیگا اور دولت عثمانیہ کے معاملات میں مداخلت کے مزید حیلے پیدا ہو جائینگے۔ اس کا ارادہ تھا کہ خواہ عیسائی ہی خود ظالم کیوں نہوں مگر تمام یورپ میں مسلمانوں کے مظالم مشہور کر کے عام برانگیختگی پیدا کیجائے اور اس سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ وہ جانتا تھا۔ کہ ترکی معاملات میں یورپ کی مداخلت اور ٹرکی کے خلاف عام یورپین اتحاد مسلمانوں میں عیسائیوں کے خلاف ہیجان برپا کر دیگا۔ اور اسطرح عیسائیوں کو اپنی باغیانہ روش پر چلنے اور زیادہ شور و فساد پھیلانے کی قدرتی رغبت پیدا ہوگی جس سے ترکی سلطنت کی بنیادیں ہل جائینگی۔ اور اسطرح اسے توقع تھی کہ جب یورپ میں مسلمانوں کے خلاف شدید کراہت پیدا ہو جائیگی تو لازمی طور پر اہل مصر اپنے وطن کی آزادی سے مایوس ہو جائینگے اور یورپ کے تداخل کی امیدیں منقطع ہونیکا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ خدیو کی وطن پرستی اعتدال پر آجائیگی اور وہ انگریزی احتلال کو خوشی کے ساتھ دائمی استیلا سے بدلجانے دینگے۔ اسکے علاوہ اس کا ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ یورپ کو دولت اور اسلام کے خلاف متحد کر کے اپنے آپ کو یورپین سیاست کا رہنما ثابت کرے اور اس طرح مسلمانوں کو اپنی قوت و قدرت سے مرعوب کر کے اپنی غلامی پر آمادہ کرے۔ اس کی خواہش یہ تھی یا سلطان المعظم ڈر کر اس کے اغراض و مصالح کی خدمت کرنے لگیں، یا اُنھیں معزول کر کے ایک ایسے سلطان کو تخت نشین کرایا جائے جو اس کا آلۂ عمل ہو اور اس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح کام کرے۔ اور یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ سلطان المعظم کی معزولی کے لئے کوشش کرنا عالم اسلامی و ترکی قوم میں کیسا زبردست ہیجان و اضطراب پیدا کر سکتا ہے۔ کونسا عثمانی اپنے وطن میں یورپ کی اس حد تک مداخلت قبول کر سکتا ہے کہ وہ سلطان کو معزول تک کرنے لگے؟ کون مسلمان اس بات کو قبول کر سکتا ہے کہ مسیحی یورپ اسلام کے تخت خلافت پر اتنی بیباکانہ دست درازی کرے؟ کونسا عثمانی اور کونسا مسلمان اتنی ذلت گوارا کر سکتا ہے کہ یورپ کی مسیحی طاقتیں اس کے سلطان اور خلیفہ کو معزول کر دیں اور وہ ان کے مقرر کئے ہوئے خلیفہ اور سلطان کو خوشی و رضا قبول کر لے؟ بلکہ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کی طرف سے روما کے پوپ معزول کرنے کی کوشش کیجائے تو کیتھولک عیسائیوں کے جذبات اسوقت کیا ہونگے؟ پس یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر انگلستان کی خواہش کے مطابق بھی یورپ نے اتنی جسارت کی تو اس سے نوع انسانی پر ایسے زبردست مصائب اور ہولناک آفات و بلیات کا نزول ہوگا جن کی مثال تاریخ بشر میں نہیں ملسکتی۔

ہمنے اس کتاب کے مقدمہ میں واضح طور پر بیان کر دیا ہے کہ انگلستان سلطنت عثمانیہ کو مٹا کر اُسکے املاک کو تقسیم کرنا چاہتا ہے تاکہ اس کے لئے مصر اور بلاد عرب پر قبضہ کر کے خلافت اسلامیہ کو کسی ایسے شخص کے سپرد کرنے میں آسانی ہو جائے جو اس کی حمایت میں اس کے لئے آلۂ عمل بنکر رہے۔ اس تقسیم سے اس کا مقصد یہ ہے کہ یورپ میں ایک عام جنگ برپا کر کے فرانس اور روس کو کمزور کر دے۔ کیونکہ جب دولت علیہ خدانخواستہ تقسیم کر دیجائیگی تو یورپ کا توازن قائم نہ رہ سکیگا، بلقان میں عام بے چینی پھیلیگی، ہر ریاست سب سے زیادہ حصہ لینا چاہیگی، آپس میں جنگ ہوگی اور اس سے مختلف یورپین سلطنتوں کے مصالح متصادم ہونگے جس کے باعث سارا یورپ آتش جنگ سے مشتعل ہو جائیگا۔ پھر چونکہ انگلستان، مصر و بلاد عرب پر قبضہ حاصل کرنا چاہتا ہے، اس لئے اُسے لامحالہ فرانس کو شام اور روس کو قسطنطنیہ دینا پڑیگا۔ نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ اماکن مقدسہ پر قبضہ کرنے کے باعث عیسائی قومیں اور تمام مسلمان فرانس کے دشمن ہو جائیں گے اور

اس کے افریقی و ایشیائی مستعمرات میں بغاوتیں برپا ہونے لگینگی۔ اسی طرح آستانہ پر روس کا استیلا ایکطرف یورپ میں اس کے خلاف عام حسد پیدا کردیگا کیونکہ ہر سلطنت اس بیش بہا مقام کو حاصل کرنا چاہتی ہے اور دوسریطرف مسلمان اس کے سخت دشمن ہوجائینگے کیونکہ ہم مسلمان اس شہر کو اسلام کا حصن حصین سمجھتے ہیں جس کی حفاظت مکہ اور مدینہ کے بعد سب سے زیادہ ضروری ہے اور ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے فاتح کو جنت کی بشارت دی ہے جس سے اس کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انگلستان نے مسئلہ ارمنیہ کی تخلیق سے ملک آل عثمان کی بربادی، عثمانیوں اور مسلمانوں کی تذلیل اور شرق و مغرب میں عام بدامنی پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔

انگلستان نے ارمنوں کو مختلف طریقوں سے ترغیب و تحریص دلاکر بغاوت برپا کرنے پر آمادہ کیا، کثرت کے ساتھ اسلحہ و ذخائر بھیجے اور انھیں تمرد و عصیاں کی تعلیم دی تھی کہ وہ سب کے سب اس کے اشارہ سے بدترین جرائم اور مشوم ترین خونریزیوں کے مرتکب ہوئے اور انگریزی اسلحہ سے مسلح ہوکر عثمانی حکومت کے خلاف ایک غدر برپا کردیا۔ دنیا نے دیکھا کہ یہ قوم جو سعادت و رفاہیت کی نعمتوں سے متمتع ہورہی تھی، جسے عثمانیوں نے "ملت صادقہ" کا خطاب دیا تھا، جو حکومت کے بڑے بڑے منصوبوں اور عہدوں پر مامور تھے، جس کا درجہ صنعت و تجارت میں سب سے بڑھا ہوا تھا، ایسی عادل اور معتدل حکومت کے خلاف علم بغاوت لیکر کھڑی ہوگئی جس کے ایک بادشاہ نے کسی وقت عیسائیوں کو جبراً مسلمان کرنے کا خیال کیا تھا۔ تو علامۂ ابو مسعود نے اُسکو روکا اور اُسے اس عزم سے باز رکھا، اور جس کی مملکت میں ارمنوں اور تمام دوسرے مذاہب کے کو بالکل مسلمانوں جیسی مذہبی آزادی حاصل ہے اور ان کے علما کا بالکل مسلمان علما کی طرح احترام کیا جاتا ہے۔

جب ۱۸۹۳ء میں انگورہ کی عدالتوں نے ارمن باغیوں پر مقدمے چلائے تو یہ حقیقت صاف صاف ظاہر ہوگئی کہ انگلستان ہی ہے جو ارمنوں کو بغاوت پر اکسا رہی ہے اور اُس نے اس قوم کو دولت علیہ کی طاعت و فرمان برداری سے پھیرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ جب عثمانی پولیس نے اس خفیہ جماعت کے سکرٹیری کو گرفتار کیا جو تحریک بغاوت کے لئے قائم کی گئی تھی تو اُس کے ساتھ بہت سے کاغذات بھی ملے جس میں اس جماعت کے ارکان اور کارکنوں کے نام تھے اور جن سے معلوم ہوا کہ کیتھولک ارمن بغاوت سے بالکل غیر متعلق ہیں، اور صرف پروٹسٹنٹ ارمنوں کی یہ حرکات ہیں جنھوں نے سلطنت کے اندر اور باہر خفیہ کمیٹیاں قائم کی ہیں اور بغاوت پھیلانے کے لئے متعدد اخبارات نکال رہے ہیں، جن میں خصوصیت کے ساتھ جریدہ ہنچاک (Hintchak) اُنکا آرگن ہے۔ اسی طرح عثمانی پولیس نے بعض پروٹسٹنٹ امریکن پادریوں کو گرفتار کیا جو ریشہ دوانیوں میں ارمنوں کے ساتھ شریک تھے۔ اور جب ریاست ہائے متحدہ کے سفیر نے ان کی گرفتاری پر احتجاج کیا اور اُنکی رہائی کا مطالبہ کیا تو اعلیحضرت سلطان المعظم نے اپنی جانب سے ایک خاص کمشنر حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا جس نے تحقیقات کے بعد واپس آکر رپورٹ پیش کی کہ عثمانی حکام نے جو کچھ کیا ہے بالکل جائز و مناسب کیا ہے۔ اور جو لوگ گرفتار کئے گئے ہیں وہ کسی قسم کی عنایت و مہربانی کے مستحق نہیں ہیں۔

انگورہ کی عدالتوں میں ارمن باغیوں کے مقدمات سے یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ لوگ شفاخانے قائم کرنے کے نام سے چندے جمع کرتے تھے اور انھیں اسلحہ خریدنے اور اپنی قوم کے اراذل میں باغیانہ خیالات کو رواج

دینے میں صرف کرتے تھے۔ اُن کے پادری اور راہب اس تبلیغ میں سب سے زیادہ حصہ لیتے تھے۔ اور شہر مرسیوان اُن لوگوں کی سب سے بڑی خفیہ جماعت کا مرکز تھا۔ انگریزی رجال سیاست حتےٰ کہ خود مسٹر گلیڈ اسٹن وزیر اعظم برطانیہ خفیہ طریقوں سے اُن کی ہمت افزائی کرتے تھے، اور انھوں نے بعض ارمن پادریوں کو خط لکھ کر ٹرکی میں ایجاد اضطراب و قلاقل کی ترغیب دی تھی۔ اور اُن سے وعدے کئے تھے کہ ایک مستقل ارمن ریاست قائم کرنے میں انگلستان اُن کی مدد کریگا۔ تحقیقات سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ارمن باغیوں کے لیڈر اپنی خفیہ جماعتوں میں دولت علیہ کے خلاف پرجوش تقریریں کرنے، اور اپنی قوم کے سفلہ و اراذل کو لوٹ مار، رہزنی، دفزاقی اور قتل و غارت پر آمادہ کرتے تھے۔ اور اُن سے کہتے تھے کہ اس طرح یورپ کو ارمن قوم کی زندگی کا یقین ہو جائیگا، اور وہ اُسے عثمانی تسلط سے آزاد کرنے کی کوشش کریگا۔ ان لوگوں نے آپس میں خاص خاص اشارات اور رموز مقرر کر رکھے تھے، مثلاً مونچھیں چڑھانا، کان ملنا، چہرہ پر نقاب ڈالنا وغیرہ، تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکیں، اور بعض اشرار، ترکوں، کردوں اور چراکسہ جیسے لباس پہنکر خود ارمنوں کو قتل کرتے اور پھر یورپ میں مشہور کرتے تھے کہ مسلمان مذہبی جنون سے ارمنوں کو قتل کر رہے ہیں اور ان کی حکومت میں "بیکس" ارمن قوم طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ارمن باغی گھوڑے چرا کر ایک راہب کو دیتے تھے جس کا نام دانیال تھا اور گھوڑوں کو رنگنے میں کمال رکھتا تھا، وہ ان کے رنگ بدلکر انھیں فروخت کر دیتا تھا اور اس طرح اس جماعت کو بیشمار دولت حاصل ہوتی تھی ان لوگوں کی عادت تھی کہ جو شخص ان کی جماعت میں داخل ہونے سے انکار کرتا اسے قتل کی دہمکی دیتے اور جو ان کا راز کھولدیتا اُسے قتل کر دیتے۔ تحقیقات سے یہ بھی واضح طور پر ثابت ہوا کہ ارمن باغیوں نے مسلمانوں کے نام سے تمام مملکت عثمانیہ میں اشتہارات شائع کئے جن میں سلطان المعظم کے خلاف تمام عثمانیوں کو متنفر کرنے اور انھیں معزول کرنے کی تبلیغ کی گئی تھی۔ اس کے ثبوت میں عثمانی مفتشوں نے اخبار ہنچاک کے مضامین اور اعلانات پیش کئے جو لندن سے شائع ہوتا ہے

حضرت الفاضل محمد عارف بک افندی مدعی عمومی (Public Prosecutor) نے ان مقدمات کے سلسلہ میں محاکم انگورہ کے سامنے جو واقعات پیش کئے تھے اُن میں انھوں نے اچھی طرح ثابت کر دیا کہ اس فتنہ کے اصلی محرک سلطنت کے دشمن ہیں اور یہ مجرم باغی سلطنت اور وطن کی خیانت کے جرم میں قصاص کے مستحق ہیں۔ اپنے ایک واقعہ میں انھوں نے کسقدر سچ کہا ہے:-

"اعلیٰ حضرت سلطان المعظم کی رعایا میں یہ ارمن آج چھ سو برس سے دولت علیہ کے احسانات اور مکارم کے زیر بار ہیں، اپنے عادل بادشاہ کی رعایت سے امن و آسائش و راحت و عیش کے فائدے اُٹھا رہے ہیں، تمام عثمانی رعایا کی طرح ان کو بھی ہر قسم کی قومی و مذہبی آزادی حاصل ہے، اُن کی زبان، اُن کا ادب، ان کا مذہب سب کچھ محفوظ ہے، ان چھ صدیوں میں کبھی اُن کے ساتھ کسی قسم کا بُرا برتاؤ نہیں کیا گیا، ان کے تمدن، ان کے اخلاق، ان کی دولت اُن کے معتقدات کسی چیز سے تعرض نہیں کیا گیا۔ سلطنت میں ہر جگہ، ہر شہر میں، ہر حصہ میں ان کے عظیم الشان کنائس، ان کے آباد و معمور مدارس، ان کی آزاد مذہبی مجالس موجود ہیں۔ مگر باوجود اس کے ہمیں یہ دیکھ کر سخت افسوس ہوتا ہے کہ اس قوم میں سے بعض لوگ شیطانی اثرات سے متاثر ہو کر اور اعدائے سلطنت کی تعلیمات پر عمل کر کے ملک کے مختلف حصوں میں بغاوت اور بدامنی کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ اور ایسے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں جو امانت و صداقت کے بالکل خلاف

ہیں۔ ان شرمناک حرکات کو رائے عامۂ انسانیت قانون اور شرافت کے منافی سمجھتی ہے، اور کفران نعمت اور احسان فراموشی قرار دیتی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ شاہی حکومت ان لوگوں سے ناراض ہو جائے ذات شاہانہ کو ان سے تکدر ہو، عام اہل ملک ان کی حالت پر افسوس کریں اور خود ارمن قوم کے ارباب فکر ورائے کو شرم آئے۔''

مجرموں کے لئے مختلف قسم کے احکام صادر ہوئے، بعض کو سزائے موت دیگئی، اور بعض قید کئے گئے دوسرے اشرار و مفسدین کے لئے اُن کا انجام عبرت ہوا اور انھیں بتادیا گیا کہ مکر کا نتیجہ خود صاحب مکر ہی کو بھگتنا پڑتا ہے۔ مگر اعلیحضرت کا انتہائی احسان اور اس بات کا روشن ترین ثبوت تھا کہ خلیفۃ المسلمین اپنی تمام رعایا پر یکساں مہربان ہیں اور نیز انگریزی اخبار نویسوں اور مقرروں کے الزامات محض بہتان اور جھوٹھ ہیں۔ انگورہ کے مقدمات میں تمام مسلمانوں کے لئے ایک سبق ہے جس سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا کہ انگریز دولت علیہ کے کیسے دشمن ہیں، ٹرکی کے ساتھ ان کی سیاست کیا ہے، اور ترکوں و مسلمانوں کے ساتھ جس دوستی و صداقت کا وہ دعوے کرتے ہیں وہ در اصل کیسی دوستی و صداقت ہے؟

اس مشہور قضیہ کے بعد تو اب اس حقیقت میں کوئی شک باقی نہیں رہا کہ انگریز مملکت عثمانیہ کی خرابی کے درپے ہیں اور سلطنت اسلامیہ کے خلاف تمام روئے زمین کے عیسائیوں میں تعصب کی آگ بھڑکا رہے ہیں جو دوسرے الفاظ میں محاربات صلیبی کے اعادہ کی تیاری ہے۔ پس دولت علیہ اور اسلام کے فرزندوں میں سے جو شخص سبق لینا چاہے وہ اس سے کافی سبق لے سکتا ہے۔

ارمنوں کی بغاوت یا انگریزی تلقینات و تعلیمات کے نتائج ارمنیہ میں ظاہر ہوتے ہی انگلستان کے اخبارات نے دولت عثمانیہ پر لعن طعن اور سب و شتم کی بوچھاڑ شروع کر دی اور نہایت سفلانہ کذب و افترا کے ساتھ اعلیحضرت خلیفۃ المسلمین پر الزام عاید کرنے لگے کہ انہی نے ارمن مردوں عورتوں اور بچوں کے قتل کرنے کے لئے کرد و قبائل کی ہمت افزائی اور اعانت کی حالانکہ یہ ایسا صریح جھوٹھ ہے جس کی مثال مشکل سے ملسکتی ہے۔ انگریزی اخبار نویس اور انشا پرداز یہ بہتان رکھتے وقت اچھی طرح جانتے تھے کہ خود برطانی رجال سیاست نے ارمنوں کو بغاوت پر آمادہ کیا ہے اور حوادث ارمنیہ انہی کی زیادتی ہے بلکہ بہت سے انگریزی ارباب قلم جو سلطان المعظم پر لعنت و ملامت کرنے میں سب سے زیادہ سرگرم تھے۔ خود وہی ارمنوں کو بھڑکانے والے تھے۔ اور حوادث ارمنیہ کی ایجاد میں اُن کا ہاتھ دریردہ شریک تھا! اور یہ ایسی حیرت انگیز فریب کاری ہے جسے مؤرخ کو بڑی توجہ کے ساتھ قلمبند کرنا چاہیئے تاکہ آئندہ نسلیں اُسے پڑھیں اور یاد کریں کہ کسی زمانہ میں اس معمورۂ ارضی پر ایسی باکمال قوم بھی بستی تھی!

انگلستان میں ارمنیہ کے متعلق جو ہیجان برپا ہوا۔ وہ اپنی ذات سے سیاسی اور اپنے رنگ کے لحاظ سے مذہبی تھا۔ ارباب سیاست جنہوں نے اُسے پیدا کیا، حقیقت میں تو یہ چاہتے تھے کہ ارمنی بغاوت کے ذریعہ دولت عثمانیہ کو برباد کرکے مصر و بلاد عرب پر استیلائے تام حاصل کریں، مگر چونکہ اپنے ملک کے عوام کو اس راز سے آگاہ نہ کرسکتے تھے اور نہ اُن میں اتنی قابلیت دیکھتے تھے۔ کہ ایسی اونچی سیاسی غرض کو سمجھ کر اُس کے لئے ایجیٹیشن برپا کریں۔ اسلئے اُنہوں نے انگریزی قوم کو مذہبی جوش سے مشتعل کرنے کی کوشش کی چنانچہ تم دیکھو گے کہ اعدائے ترکی اور اعدائے اسلام کے لئے گرجاؤں میں سب سے زیادہ وسیع

میدان ہے جو ان کے مذہبی وعظ کے منبر دین حنیفی اور خلیفہ اسلام پر بدترین سب وشتم کے لئے مخصوص ہوئے ہیں پراٹسٹنٹ مذہب کے پادری مسئلہ ارمینیہ پر عوام کو بھڑکانے میں سب سے زیادہ سرگرم ہیں، انگلستان میں اس قسم کے جتنے جلسے ہوتے ہیں ان کے صدر اور مقرر عموماً یہی مذہبی لوگ ہیں، جتنے کہ اس حالت کو دیکھ کر ایک انسان کو شبہ ہوتا ہے کہ یہ انگریزی قوم انیسویں صدی کی روشن قوم نہیں ہے بلکہ قرون وسطی کی ان سچی اقوام میں سے بچ رہی ہے جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگوں کا خونریز سلسلہ جاری کیا تھا۔

اسلام اور دولت علیہ کے خلاف انگریزی تعصب کی روشن ترین دلیل یہ ہے کہ مسٹر گلیڈ اسٹن جو انگلستان کی لبرل پارٹی کے لیڈر ہیں ارمنوں کی مدد پر کھڑے ہوئے ہیں، صاحب خلافت اسلامیہ پر نہایت تلخ طعن وتشنیع کر رہے ہیں۔ انپر تہمت رکھنے میں سب سے پیش ہیں کہ انھوں نے ارمنوں کے قتل کرنے اور انپر ظلم کرنے کا ارادہ کر لیا ہے، اپنے ہر خطبہ میں نہایت بلند آہنگی کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ میں ارمنوں کو عیسائی سمجھ کر ان کی حمایت نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ انھیں بنی نوع انسان کی ایک مظلوم جماعت سمجھتا ہوں۔ اور دنیا کو دھوکہ دینے کے لئے دعوے کرتے ہیں کہ اگر دنیا کے کسی حصہ میں عیسائیوں کی کوئی جماعت مسلمانوں پر ظلم کرے تو میں ان کی بھی حمایت اسی جوش کے ساتھ کروں گا۔ ان کے اس دعوے سے مجھے خوف ہوا کہ بعض سادہ لوح مسلمان جو یورپ کی ہر آن پر مرتے ہیں کہیں دھوکہ میں نہ آجائیں اسلئے میں نے اصل حقیقت ظاہر کرنے کے لئے ۱۸۹۶ء کے موسم گرما میں مسٹر گلیڈ اسٹن کو ایک خط لکھا جس میں انھیں وہ الفاظ یاد دلائے جو جنوری ۱۸۹۶ء میں انہوں نے اپنے خط میں مجھے لکھے تھے کہ "تخلیہ مصر کا زمانہ کئی برس سے پورا ہو چکا ہے" اور ان کی متعدد تقریروں کا حوالہ دیا کہ "اگر میں دنیا کے کسی حصہ میں مسلمانوں کو اپنی مساعدت وحمایت کا محتاج دیکھوں گا تو ان کی بھی ضرور حمایت کروں گا"۔ اور اس کے بعد ان سے درخواست کی کہ مصر کی مدد کا محتاج ہے وہ مہربانی کر کے برطانی قوم کے مدبروں اور ارباب قلم کو یاد دلائیں کہ تخلیہ مصر کا زمانہ کئی برس سے پورا ہو چکا ہے" اور انھیں ملکہ معظمہ کے تاج اور برطانی قوم کی عزت کا احترام کرنے پر آمادہ کریں جس کی قسم کھا کر تخلیہ مصر کے وعدے کئے گئے تھے۔ اس کے جواب میں مسٹر گلیڈ اسٹن نے نہایت حیرت انگیز منافقت کو کام فرما کر مجھے لکھا کہ:۔

"میں تخلیہ مصر کا پورا حامی ہوں مگر اس مسئلہ میں مداخلت کرنے کی قدرت نہیں رکھتا کیونکہ مجھے اپنے ملک میں کوئی اقتدار حاصل نہیں ہے اور میں اپنی قوم کے خاص فرزندوں میں سے ایک ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہوں"

کیا یہ حیرت کی بات نہیں ہے کہ جب مصریوں کی حمایت اور انگلستان کے تخلیہ مصر پر زور دینے کے لئے کہا جاتا ہے تو مسٹر گلیڈ اسٹن بے اقتداری اور عدم استطاعت کا عذر کرتے ہیں مگر مسئلہ ارمینیہ میں صرف انھیں کی قوت ہے جس نے دولت علیہ اور مسلمانوں کے خلاف تمام برطانی عوام کو مشتعل کر دیا ہے؟ کیا مسئلہ ارمینیہ میں ان کو قدرت واستطاعت حاصل ہو جاتی اور مسئلہ مصر میں سلب کر لیجاتی ہے؟ پھر اگر یہ نہیں ہے تو مسٹر گلیڈ اسٹن کی صداقت اسوقت کہاں چلی گئی تھی۔ جب وہ اپنی گرجتی ہوئی آواز میں اعلان کر رہے تھے کہ "مسلمانوں کو میری مساعدت وحمایت کی ضرورت ہوگی تو میں ان کی طرف سے بھی مدافعت کرنے میں دریغ نہ کروں گا"؟ کیا مسٹر گلیڈ اسٹن پر یہ فرض نہیں ہے کہ عثمانیوں کو معاہدہ برلن کی دفعہ ۶۱ یاد دلانے سے پہلے خود اپنی قوم کو وہ علانیہ وعدے اور وہ بین الدول معاہدات یاد دلائیں جو خاص مصر کے متعلق

کر دئے گئے تھے؟ کیا مسٹر گلیڈ اسٹن یہ نہیں سمجھتے کہ دوسری سلطنتوں کو انکے معاہدات کی دفعات یاد دلانے اور انکے احترام پر مجبور کرنے سے پہلے خود انگلستان پر اپنے وعدوں اور معاہدات کو یاد کرنا اور انہیں پورا کرنا فرض ہے؟ کیا مسٹر گلیڈ اسٹن مصریوں کے حقوق کی مدافعت اور تخلیہ مصر کے مطالبہ سے انکار کرکے دولت علیہ اور مسلمانوں کے خلاف تعصب کا اعلان نہیں کر رہے ہیں؟ کیا یہ جواب جو مسٹر گلیڈ اسٹن نے بھیجا ہے اس بات کی صریح دلیل نہیں کہ برطانی ارباب سیاست اپنی زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو انکے دل میں نہیں ہوتیں؟ ان باتوں سے مسٹر گلیڈ اسٹن اور ان کے ساتھیوں کا تعصب بالکل ظاہر ہے جس میں کسی قسم کا شک باقی نہیں رہتا خود یورپ کے بعض منصف مزاج اہل قلم نے اس حقیقت کو روشن کر دیا ہے اور ان میں خصوصیت کے ساتھ وائیکاونٹ ڈی کاسین ایک فرنچ اہل قلم قابل ذکر ہے جس نے اپنے ایک رسالہ میں مسئلہ ارمینیہ کے متعلق انگریزوں کی ریشہ دوانیاں اور ارمنی باغیوں کے جرائم و فضائع بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ ہم اس قابل قدر رسالہ میں سے بعض حصے نقل کرتے ہیں:۔

مصنف نے اپنے رسالہ کے ابتدا میں ظاہر کیا ہے کہ انگریزی اخبارات تمام حوادث ارمینیہ کا حال وقوع سے پہلے معلوم کر لیتے ہیں اور اس سلسلہ میں صفحہ ۶ پر لکھتا ہے کہ:۔

”جو شخص مسئلہ ارمینیہ کی تفصیلات سے واقف ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ جس ملک کو انگریزوں نے ”ارمینیہ“ کے نام سے موسوم کیا ہے، اس میں کوئی واقعہ بھی ایسا پیش نہیں آیا جس کے وقوع سے پہلے لندن کے انگریزی اخبارات اس کی پیشینگوئی نہ کر دیتے ہوں چنانچہ تم دیکھو گے کہ وہ اپنے ناظرین کو پیش آنیوالے حادثہ کی نوعیت اس کے صحیح مقام اور اس کی تاریخ وقوع سے مطلع کر دیتے ہیں جیسا کہ وادی تاموری کے حادثہ میں ہوا۔ کوئی صاحب عقل و بصیرت آدمی اس پیشینگوئی کو اس تبصر سیاسی کی ایک قسم قرار نہیں دے سکتا جس کے لئے انگریزی اخبار مشہور ہیں، بلکہ وہ بلا تامل اس معمہ کی تفسیر یہ کرے گا کہ ارمنی بغاوت در اصل ایک سامان ہے جسے انگریزی مدبرین سیاست لندن میں تیار کرتے ہیں اور حسب اقتضاء ضرورت اسے مختلف سمتوں میں روانہ کر دیتے ہیں“

پھر یہ مصنف خود انگریزی اخبارات کے اقوال سے ان کے کذب پر استدلال کرتا ہے:۔

”ہمنے پوری توجہ کے ساتھ ان مضامین کو جمع کیا جو اس موضوع پر موصوف الصدر اخبارات نے شائع کئے ہیں اور ایک عرصہ تک اس کام کرتے رہنے کے بعد اس مجموعہ پر غور کیا اور اس کے اجزا کو آپس میں مقابلہ کر کے دیکھا تو ہمیں ایک ہی اخبارات کے مختلف اقوال میں ایسا صریح تناقض و مخالف نظر آیا جو سخت حیرت میں ڈالتا ہے مثال کے طور پر بعض اخبارات ارمنوں کا مرثیہ پڑھتے ہوئے اسی انداز میں ان کے مصائب و نوائب اور ان کی تذلیل و توہین کے حالات بیان کرتے ہیں جنہیں سنکر ہر شخص کا دل بھر آتا ہے، اور خاتمہ پر اسی قسم کے پر جوش اشعار درج کرتے ہیں جو بغاوت یونان کے زمانہ میں رائے عامہ کو بھڑکانے کے لئے لکھے گئے تھے مگر ان کے مقابلہ میں خود انگلستان کے دوسرے اخبارات جن میں جریدہ گلوب (The Globe) سیاسی پیش پیش ہے، اپنے ہمعصروں کو ان اشاعات پر دھوکہ و فریب کا الزام دیتے ہیں۔ چنانچہ اخبار مذکور اپنی جنوری ۱۸۹۵ء کی ایک اشاعت میں لکھتا ہے کہ ”ترکوں پر جن جرائم و فضائع کا الزام ارمنوں کی نسبت عائد کیا جاتا ہے وہ ایک زبردست دھوکہ ہے جو انگریزی اخبارات اپنے ملک کی رائے عامہ کو دے رہے ہیں“

آگے چلکر یہ مصنف ثابت کرتا ہے کہ عقلاء ارمن نے انگلستان کو سخت ملامت کی ہے اور وہ اسے اپنا دشمن حقیقی سمجھتے ہیں، کیونکہ اس نے ان کی قوم کو محض اپنی اغراض کے لئے ہلاکت کے گڑھے میں ڈالدیا چنانچہ صفحہ ۱۲ میں لکھتا ہے کہ:۔

”ہم ان حقائق کو حیل و فریب کے پردوں سے نکالنے کی ساری کوشش صرف اس بنا پر کر رہے ہیں۔

ہیں کہ ہمیں ایشیا کے رہنے والے ارمنوں پر رحم آتا ہے جنہوں نے اغیار کے اشارہ پر عمل کر کے بغاوت برپا کی ہے اور اس طرح خود اپنی جانیں ہلاک کرنے اور تمام بلاد ارمنیہ پر فقر و فاقہ کی مصیبتیں لانے کا سامان کر رہے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ارمنوں میں جو لوگ عقلمند ہیں وہ اب اپنی زیادتی پر کف افسوس ملینگے اور ان لوگوں کی تعزیرات خبیثہ پر ملامت کرینگے جنہوں نے انہیں ایک ہولناک خطرہ میں مبتلا کر دیا ہے۔ اور یہ صرف اسی صورت سے ممکن ہے کہ وہ لوگ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ دولت عثمانیہ کو اس کے امور داخلیہ میں اجنبی مداخلت کا سامان کر کے ارمنی قوم کی اصلاح حال پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ کہ بغاوت اور فساد کے مقابلہ میں سلطنت کو مجبوراً قیام امن کے لئے ضروری وسائل اختیار کرنے پڑینگے جن کی بدولت اس کا وقت اور اس کی قوت دونوں اندرونی بدنظمی کے خلاف صرف ہونے کی وجہ سے ملک کی ترقی اور اصلاح میں صرف نہو سکینگے"

پھر واسکاونٹ ڈی کورسن نے ثابت کیا ہے کہ دولت عثمانیہ میں عیسائی تمام ان حقوق سے متمتع ہوتے ہیں۔ جو مسلمانوں کو حاصل ہیں اور اسپر مزید یہ کہ وہ فوجی خدمت سے مستثنٰے ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ لکھتے ہیں کہ۔

"ترکی حکومت کے قوانین اور اسکے نظامات عمومی ایک مسلمان کو مجبور کرتے ہیں کہ اپنے گھربار، اہل و عیال اور اعزا و احباب کو چھوڑ کر فوجی خدمت ادا کرے جس میں ۶ برس تک جیش عاملین میں رہنا پڑتا ہے اور ۸ برس تک جیش احتیاطی میں۔ حالانکہ اس کا دوست، یا رفیق، یا ہمسایہ ارمن اسی پوری مدت میں پوری آزادی کے ساتھ اپنے کاروبار میں مصروف رہتا ہے اور اس امن و امان سے فائدہ اٹھا کر جسے اس کا مسلمان ہمسایہ اپنا خون بہا کر اس کے لئے حاصل کرتا ہے اپنی مالی ترقی اور اپنی اقتصادی فلاح کے لئے برابر کوشاں رہتا ہے یہ عظیم الشان اعانت وہ ایک ایسا خفیف ٹکس دیکر حاصل کر لیتا ہے جس کی قیمت ان فوائد کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں مگر اس کا مسلمان ہمسایہ ٹکس دیکر فوجی خدمت سے استثنا حاصل نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے کہ یہ امتیاز جو مسیحیوں کے سوا عثمانی رعایا کی کسی جماعت کو حاصل نہیں ہے مسلمانوں کے لئے بیشمار نقصانات کا باعث ہے جن میں سب سے کم درجہ کا نقصان یہ ہے کہ ان کی نسل بڑھ نہیں سکتی۔ اور وہ ایک عرصہ تک تاہل سے محروم رہتے ہیں۔

اسی طرح مصنف نے صریح دلائل اور فیصلہ کن براہین سے ثابت کیا ہے کہ مملکت آرمینیہ کی تشکیل قطعاً محال ہے اور اس سلسلہ میں وہ لکھتا ہے کہ:۔

"وہ انگریز جو مسئلہ شرقیہ میں دخل دیتے ہیں اور ایک مملکت ارمنیہ کی تشکیل پر زور دیتے ہیں ان کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ بلاد ارمنیہ میں اپنی حکومت قائم کریں، کیونکہ اگر ان علاقوں کی مردم شماری پر نظر ڈالی جائے جن میں ارمنی علاقے کہا جاتا ہے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کردوں کی عظیم الشان اکثریت ہے ذیل میں ان ۱۲ ولائتوں کی مردم شماری موسیو کوئنٹ (M. Vital Quinet) کی کتاب "ایشیائی ترکی" (Asiatic Turkey) سے نقل کیجاتی ہے جن میں ارمن قوم رہتی ہے:۔

	مسلمان	ارمن	دیگر باشندے	مجموعہ
اطنہ	۵۸۰۰۰	۹۷۴۵۰	۲۴۷۹۸۰	۴۰۳۴۳۰
حلب	۷۹۲۴۵۰	۳۹۰۳۰	۱۵۴۲۷۰	۹۹۵۷۵۰
انگورہ	۷۶۳۱۲۰	۹۴۲۹۰	۳۵۴۶۳	۸۹۲۸۷۰
تبلیس	۲۵۴۰۰۰	۱۳۱۳۹۰	۱۳۲۳۰	۳۹۸۶۲۰

	مسلمان	ارمن	دیگر باشندے	مجموعہ
دیاربکر	۳۲۸۶۴۰	۷۹۱۳۰	۶۳۶۸۰	۴۷۱۴۵۰
ارض روم	۵۰۰۷۸۰	۱۳۴۹۶۰	۹۹۵۰	۶۴۵۶۹۰
قونیا	۹۸۹۲۰۰	۹۸۰۰	۸۹۰۰۰	۱۰۸۸۰۰۰
معمورۃ العزیز	۵۰۵۴۴۰	۶۹۰۲۰	۶۵۰	۵۷۵۱۱۰
موصل	۲۴۸۳۸۰	—	۵۱۹۰۰	۳۰۰۲۸۰
سیورس	۸۳۹۵۱۰	۱۷۰۴۳۰	۷۶۰۶۰	۱۰۸۶۰۰۰
طرابزون	۸۰۶۷۰۰	۴۷۲۰۰	۱۹۳۸۰۰	۱۰۴۷۷۰۰
ورن	۲۴۱۰۰۰	۸۰۰۰۰	۱۰۹۰۰۰	۴۳۰۰۰۰
کل	۶۴۲۷۲۲۰	۹۶۲۰۰۰	۹۴۴۹۸۰	۸۳۳۴۹۰۰

اسی طرح مسٹر اگز مینس نے خالص کردوں کی تعداد کا اندازہ (۱۶۴۴۸۶۰) کیا ہے پس کردوں کو الگ کرکے مذکورۂ بالا ۱۲ ولائتوں میں مسلمانوں کی آبادی (۴۷۸۲۳۶۰) ہے اور تنہا کرد ۱۶۴۴۸۶۰ ہیں جن کے مقابلہ میں ارمن گریگورین، کیتھولک اور پراٹسٹنٹ سب ملاکر ۹۶۲۰۰۰ ہیں۔

رہیں ولایت سبعہ (طرابزون، سیورس، ارض روم، انگورہ، وان، دیار بکر اور تبلیس) جن میں انگریزی اخبارات ایک ارمن ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں، سو انکی آبادی میں مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے پیرووں کی نسبت یہ ہے۔ مسلمان ۳۷۳۳۷۵۰

ارمن گریگورین	۸۴۷۷۱۰
" پراٹسٹنٹ	۶۰۷۳۴
" کیتھولک	۵۸۴۷۱
کل ارمن	۹۶۶۹۱۵

یونانی آرتھوڈوکس	۳۵۲۵۱۲
متحدین	۳۸۰
نسطورین	۹۲۰۰۰
کلدانین	۴۱۴۴۰
یعقوبین	۵۱۲۹۸
سورین	۹۹۸۰
یزیدین	۹۴۶۲
اقباط	۳۷۲
	۱۴۹۷۳۵۹

مسلمان ۳۷۳۳۷۵۹ × دیگر مذاہب کے پیرو ۱۴۹۷۳۵۹ اس سے معلوم ہوا کہ سابقۃ الذکر ولایت میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد سے دیگر مذاہب کے پیرووں کی تعداد کو وہی نسبت ہے جو ۱ کو ۱۵ سے ہے۔ اور اس لحاظ سے عیسائیوں کی مجموعی تعداد مسلمانوں کے ساتھ ۴۰ اور ۱۵ کی نسبت رکھتی ہے اور چونکہ ارمن ان میں نصف کے قریب ہیں اس لئے ارمنوں کو صرف ۱۲ اور ۱۵ کی نسبت حاصل ہے۔ پھر جب حال یہ ہے

توکیسے ممکن ہے کہ ایک ارمن ریاست قائم کردیجائے جس میں خالص ارمن عناصر کو باشندوں کی مجموعی تعداد سے صرف ۱۲ اور ۲۶ کی نسبت ہو۔ اگراسی تجویز کو پیش کرنیوالوں کا مقصد حاصل ہوگیا تو یقیناً یہ آباد سرزمین مختلف اقوام کے تصادم اور ایک عام خانہ جنگی کی بدولت بالکل تباہ وبرباد ہوجائیگی اگر تھوڑی دیر کے لئے ہم فرض کرلیں کہ فرانس میں خالص فرانسیسی باشندے صرف ۶ ملین ہی ہیں اور باقی ۳۰ ملین انگریز اور جرمن ہوں جو فرانسیسوں کے سخت دشمن ہیں، تو ایک عقلمند انسان کیونکر توقع کرسکتا ہے کہ اس ملک میں امن وامان قائم رہیگا۔

اوپر جو کچھ بیان ہوا اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ارمن ریاست قائم کرنے کا مسئلہ انگریزوں نے صرف اسلئے پیدا کیا ہے کہ اُسے خوشنما رنگ دیکر ارمنوں کو اس کی طرف رغبت دلائیں۔ واقف نوبار پاشا کے اشارہ سے سفرائے دول کے سامنے یہ تجویز پیش کی تھی کہ ارمینیا (یعنی وہی ولایت سبعہ جن کا ذکر اوپر ہوچکا ہے) کا گورنر جنرل ایک ارمن ہو، اور عہدہ داروں کی تعیین، مجالس عمومیہ کے انتخاب اور جنڈارمی فوج کی تشکیل کو ارمن قوم کے اختیار میں دیدیجائے یہ گویا آرمینیا کے استقلال تام کا مطالبہ تھا جو بالفاظ دیگر ۲۳ لاکھ مسلمانوں کو آٹھ لاکھ عیسائی ارمنوں کی حکومت میں دیدینے کا مطالبہ تھا، پھر یہ تجویز کہ گورنر جنرل کوئی ارمن ہو، فوراً ایک انسان کے ذہن کو اس طرح منتقل کرتی ہے کہ اس سے خود نوبار پاشا کی ذات مراد تھی جسے انگریزی مدبر گورنر جنرل کی بجائے بہت جلدی پرنس یا "امیر" کے لقب سے ملقب کرنا چاہتے تھے اور یہی میدان خدمات ومساعی کی اصلی روح ہے۔ جو نوبار پاشا ۱۶ برس سے انگریزوں کے اغراض ومقاصد کے لئے مشرق میں انجام دے رہا ہے، اور یہی توقع ہے جسے لئے ہوئے اُس نے مصر کے نوجوان خدیو اور تمام مصری قوم کی خواہشات کے خلاف وادی نیل پر انگریزی استیلاء وتسلط کو مستحکم کرنے اور انگریزوں کو روز بروز مصر میں زیادہ دخیل کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اس سلسلہ میں جو بات خصوصیت کے ساتھ قارئین کرام کو یاد دلانی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ مسئلہ مصریہ اور مسئلہ ارمینیہ میں ایک خاص رابطہ وعلاقہ ہے جسے اکثر یورپین رجال سیاست اور ارباب قلم نے نظرانداز کردیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ نوبار پاشا کے دل میں ریاست ارمینیہ موہومہ کے تخت پر بیٹھنے کی ہوس پیدا کی گئی، اور اس ہوس کو دولت برطانیہ بلاد مصر پر اپنا مکمل تسلط قائم کرنے کے لئے استعمال کرنا چاہتی تھی، اور اس لئے وہ حوادث جو اسوقت اناطولیہ میں پیدا کئے گئے ہیں در اصل اُن خواہشات کے لئے پردہ کا کام دے رہے ہیں جو انگریزی رجال سیاست وادی نیل میں رکھتے ہیں۔

برلن کانگریس کے ارکان حزب ارمنی مطالبات کی تہ تک پہنچ گئے تھے۔ اور انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ در اصل نوبار پاشا کو آرمینیہ کا گورنر جنرل بنانے کی تجویز ہے، اسلئے اُنہوں نے اس سازش کا سدباب کرنے کے لئے عہدنامہ برلن میں حسب ذیل دفعہ کا اضافہ کردیا۔

باب عالی عہد کرتا ہے کہ بلا تامل وتاخیر ان اقالیم وولایات میں جہاں ارمن رہتے ہیں مقامی ضروریات اور وقتی حاجات کے مطابق اصلاحات وتعدیلات رائج کریگا اور ارمن باشندوں کو کردوں اور چرکسیوں سے محفوظ رکھیگا۔ اسی طرح وہ عہد کرتا ہے کہ ہر موقعہ پر دول کو وسائل لازمہ سے مطلع کرتا رہیگا۔ جو وقتاً فوقتاً وہ نافذ کرنا چاہیگا تاکہ دول اُن کی تنفیذ پر نگرانی کرسکیں"۔

اس دفعہ کے الفاظ پر غور کرو تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اُن خواہشات کے بالکل خلاف ہے جو نوبار پاشا اور اسکے انگریز دولت حاصل کرنا چاہتے ہیں، مگر اسی دفعہ کے ذریعہ سے انگریزوں قطر مصری میں احتلال کیا، جزیرۂ قبرص حاصل کیا، اور ایشیائے کوچک میں مداخلت کے بہانے پیدا کئے۔

مینجر عثمان بک نے میونچ گزٹ میں ایک دلچسپ مضمون شائع کیا ہے جس میں ان اجتماعات کے اسرار منکشف کئے ہیں جو ستمبر ۱۸۸۷ء میں بمقام جنیوا (Geneva) نور بار پاشا، لورلیس میلیکوف (Louis Meli Koff) تکران پاشا اور بوغوص پاشا کے درمیان منعقد ہوئے تھے۔ نو بار پاشا اسوقت لندن سے واپس آرہا تھا جہاں اس کے انگریز دوستوں نے اس سے بڑے بڑے وعدے کئے تھے اور اسے یقین دلایا تھا کہ دولت معظمۂ برطانیہ بلا دامینی کو ترکی کے فنا پذیر اقتدار سے نکالنے میں اس کی معاونت کریگی ان سب لوگوں نے متفق ہو کر ایک جماعت اناطولیہ روانہ کی اور اسے حکم دیا کہ تمام ملک کے اطراف واکناف میں فتنہ وفساد کی تخم ریزی اور اضطراب وہیجان کی علمبرداری کریں، اور اس حد تک عصیان وطغیان کی اشاعت کریں۔ کہ آخر کار دولت عثمانیہ کا نظام امن بالکل درہم برہم ہو جائے اور برطانیہ کو معاہدۂ برلن کی (دفعہ ۶۱) کے مطابق اناضولی میں مداخلت کرنے کا بہانہ ملجائے۔ نیز یہ بات بھی طے ہو گئی کہ لندن کے انگریزی اخبارات اور آرمینیہ کے پراٹسٹنٹ مبلغ اس اضطراب کے لیڈروں کی خوب ہمت افزائی کریں، اور انکے کارناموں کی تعریف وتوصیف نہایت مبالغہ کے ساتھ کیجائے۔

یہاں پراٹسٹنٹ مبلغوں کے متعلق یہ تصریح کر دینا ضروری ہے کہ یہ لوگ جو مذہب کے نام سے کسی ملک میں اقامت کرتے ہیں یا متوطن ہو جاتے ہیں، درحقیقت تدابیر سیاسی کے آلۂ عمل اور ریشہ دوانیوں کے مرشد طریقت ہوتے ہیں، اور اس لئے تم دیکھو گے کہ ان کی مساعی ارمنوں میں غیر معمولی سرعت کے ساتھ کامیابی حاصل کر رہی ہیں۔ ابتک جتنے ارمنوں نے پراٹسٹنٹ مذہب اختیار کیا ہے اُن کی تعداد ۶۰۰۰۰ سے متجاوز ہو گئی ہے۔ اور ان کو جس قسم کی تبلیغ وتلقین سے پراٹسٹنٹ بنایا گیا ہے وہ مذہبی نہیں بلکہ خالص سیاسی ہے۔ مثلاً ان سے کہا جاتا ہے کہ اگر تم نے اس مذہب کو اختیار کر لیا تو انگریزی حمایت تمہارے شامل حال ہو جائے گی، کیونکہ تمام پراٹسٹنٹ عیسائیوں کی حامی ہے، اور پھر تمہارے لئے ممکن ہوگا کہ عثمانی حکام کی "زیادتیوں" کا مقابلہ کرو اور اُن ٹیکسوں سے نجات حاصل کرلو جنکا بھاری بوجھ اُنھوں نے تم پر ڈالدیا ہے"

اس کے بعد مصنف نے اس انگریزی جماعت کے معزز ارکان کی فہرست درج کی ہے جو ارمنوں کی مساعدت کے لئے لندن میں قائم ہوئی ہے:۔

ہم اُن انگریزوں کے نام یہاں درج کرتے ہیں جنہوں نے باغیوں کی اعانت پر کمر باندھی ہے۔ ان کی جماعت کا نام اینگلو آرمینین کمیٹی ہے۔ اُس کے صدر مسٹر استیفنس پارلیمنٹ کے ممبر ہیں، مسٹر اٹیکسن خزانچی ہیں، اور یہ لوگ اعضا وارکان ہیں:۔ مسٹر برائس ممبر پارلیمنٹ اور وزارت گلیڈ اسٹن میں کسی وزارت کے انڈر سکرٹری ڈیوک آف آرگائل، ڈیوک آف ویسٹ منسٹر، الاڈر انڈیل، ارل آف کیمبرلے وزیر خارجہ انگلستان، سرہاتیہ سرسیتول، سر جان کینا فائی مسٹر شائنگ (یہ سب پارلیمنٹ کے ممبر ہیں) مسٹر ایس گلیڈ اسٹن مہتمم مدرسہ ہوارڈن، پادری جیک کول اور مسٹر جان کلیفرڈ وغیرہم —— اس جگہ اس بات کے دہرانے کی تو ضرورت ہی نہیں کہ مسٹر گلیڈ اسٹن جو ترکی حکومت اور ترکی قوم کے پرانے دشمن ہیں اور اس کے ساتھ اپنی عداوت فرمنہ کے لئے شہرت عام حاصل کر چکے ہیں ارمنی تحریک کے مدبر اعلیٰ ہیں اور اُنھوں نے دولت علیہ کی بنیادیں ڈھانے اسکے خلاف ہر طرح دشمنی کرنے اور جمہور میں اس کو بدنام کرنے کے لئے کسی فرصت کو ہاتھ سے نہیں کھویا ہے۔

آگے چلکر مصنف نے باغی ارمنوں کی جماعت "ہنچاک" پر بحث کی ہے اور اس سلسلہ میں اس کی تاریخ بیان کرتا ہے:۔

"۱۸۸۷ء میں ارمن مفسدین نے جن کے سرگروہ ادبن نان اسدیان الملقب بکمبور) نیشان مجادریان

اور ہمایاک کوشباز یان نے ایک خفیہ جماعت قائم کی جس کا نظام روس کی نہلسٹ (Nihilist) جماعتوں کے اصول پر تھا۔ اس کا صدر مقام شہر تفلس کو قرار دیا گیا اور اس کا نام جماعت "ہنچاک" رکھا گیا اسی نام سے اس جماعت کا ایک آرگن نزار بجیان بیون کی ادارت و تحریر میں جنوا سے نکالا گیا۔ ایک کافی مدت گذرنے کے بعد اس اخبار کا مقام اشاعت جنوا سے ایتھنز منتقل کر دیا گیا تا کہ دولت سے قریب تر ہونیکی وجہ سے بلاد عثمانیہ میں کثرت اور سہولت کے ساتھ اس کی اشاعت ہو سکے۔ مگر حکومت یونان نے ایسے مفسد پرچہ کی اشاعت کو خود اپنے اہل ملک کی امن پسندی کیلئے مضر خیال کیا اور اس کے ایڈیٹر کو تمام کارکنوں سمیت نکالدیا۔ یہاں سے یہ لوگ لندن پہنچے اور آجتک یہ پرچہ اس شہر سے برابر شائع ہو رہا ہے۔

قارئین کرام کو ان اغراض سے پوری طرح آگاہ کرنے کے لئے جنہیں جمعیت ہنچاک حاصل کرنا چاہتی تھی ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کے بعض اعلانات اور منشورات کا یہاں لفظی ترجمہ پیش کر دیں جس میں ہم ہر حیثیت سے مطابقت اصل کا لحاظ رکھینگے۔ قارئین کرام انھیں ملاحظہ کر کے خود ان کے معانی کو سمجھیں اور ان پر خود ہی مناسب فیصلہ صادر کر دیں۔ ۱۸۸۹ء میں جمعیت ہنچاک نے شہر لندن سے ایک رسالہ شائع کیا تھا جس کے دو حصے تھے ایک کا عنوان "فوج جدید" تھا اور دوسرے کا "خطاب مفتوح" اس کے صفحہ ۱۹ پر ہمیں حسب ذیل تحریر نظر آتی ہے:۔

"سب سے پہلے یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ ہم انارکسٹ ہیں اور ہماری اولین خواہش جو ہماری اسکیم سے صاف ظاہر ہے، صرف یہ ہے کہ بلاد اناضول میں انارکزم کی اشاعت کریں۔ یہ ہمارا بنیادی مقصد ہے اور اسے حاصل کرنے کے لئے ہم نے اس ملک میں ایک خود مختار حکومت" "وطنیہ قائم کرنے کا عزم کر لیا ہے اور ایک وسیع النطاق سیاسی آزادی حاصل کرنے کے لئے ایسا اضطراب پیدا کرنا چاہتے ہیں جو کبھی ایک لمحہ کے لئے نہ رکے۔"

اس کے بعد فاضل مصنف نے جمعیت ہنچاک کا لائحہ عمل پیش کیا ہے جس کے کچھ حصے ہم یہاں ترجمہ کرتے ہیں:۔

"دفعہ (۶) کا نہایت عجیب وغریب مفاد یہ ہے:۔ ہر مقامی کمیٹی پر واجب ہے کہ وہ اپنے ممبروں سے چند کو جاسوس مقرر کرے اور ان جاسوسوں کا افسر ایک ایسا شخص ہو جو یا تو حکومت میں کسی عہدے پر ملازم ہو یا کسی اور معزز عہدہ دار سے اس کا گہرا رابطہ و علاقہ ہو تا کہ حکومت کے راز اور اس کے ارادے معلوم ہوتے رہیں۔ اس افسر کیلئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ دل کا قوی اور رازدار ہو۔ اور لازم ہے کہ اس افسر کے ماتحت جمعیت کے دس صادق ترین ارکان جاسوس کے طور پر کام کریں، تاکہ وہ ہر قسم کے حالات سے باخبر رہے جاسوسوں کا فرض ہے کہ اس طرح ہر جگہ بھیس بدلکر پہنچیں کہ ایک کا لباس دوسرے سے بالکل مختلف ہو، اپنی رپورٹوں کو بالکل مخفی رکھیں اور ان کے مخابرات کمیٹی اور رئیس الجواسیس تک مخصوص رہیں۔

دفعہ (۷) کا منشا یہ ہے کہ:۔ عوام میں بغاوت و اضطراب کی تبلیغ کے لئے خطیب اور لکچرر مقرر کئے جائیں۔

دفعہ (۸) کا ملخص یہ ہے کہ:۔ ہر کمیٹی میں ایک ایسا شخص ہونا چاہئے جو جماعت کے احکام نافذ کرے۔ اور اس کے ماتحت مددگاروں کی ایک جماعت رہنی چاہئے اس منفذ اور اس کے مددگاروں کا فرض ہے کہ جس شخص کو مقامی کمیٹی اپنے لئے مضر سمجھے وہ خواہ خود کمیٹی کا کوئی رکن ہو یا کوئی غیر ہو، اسے فوراً قتل کر دیں، یا جس قسم کی سزا کمیٹی تجویز کرے اسے عمل میں لائیں۔ سزائیں تین قسم کی ہیں زجر و توبیخ،

زدوکوب، اور قتل، موخر الذکر سزا یا خنجر سے دیجائیگی، یا رائفل سے، یا گلا گھونٹ کر یا زہر دیکر عمارات وغیرہ کو گرانے یا برباد کرنے کے لئے علی العموم ڈائنامائٹ کے گولے یا (Dynamite shell) یا رقیق ڈائنامائٹ (Nitro Glycerine) یا آتش افروز بم (Incendiary Bombs) استعمال کئے جائینگے۔

دفعہ (۹) کی عبارت یہ ہے:- ہر کمیٹی میں ایک شخص خاص اس کام کے لئے ہونا چاہئے کہ فتنہ و فساد کی تخم ریزی کرے اور کمزوروں کو طاقتوروں سے لڑنے کی ترغیب دے حتیٰ کہ عام اضطراب پھیل جائے مگر اس شخص کو ہمیشہ کمیٹی کے حکم اور اشارہ پر عمل کرنا چاہئے۔

دفعہ (۱۰) میں لکھا ہے کہ: اسلحہ کی حفاظت کے لئے ایک ایسا نگہبان ہونا چاہئے جو نیامت و شہامت سے متصف ہو کیونکہ یہ خدمت تمام اور خدمتوں سے زیادہ اہم اور خطرناک ہے۔ اس نگہبان کو جن باتوں کا خاص لحاظ کرنا چاہئے وہ یہ ہیں کہ ہتھیاروں، کارتوسوں، اور بارود کو خوب محفوظ رکھے اور ان کی پوشیدہ خزانہ سے کسی کو مطلع نہونے دے۔ اس کے پاس تمام ذخائر حرب کی ایک مفصل فہرست ہونی چاہئے تاکہ ہر تیسرے چوتھے مہینہ ان کی جانچ کرتا رہے۔ نیز لازم ہے کہ ان اشیا کو شہر سے ۳۲۲ گھنٹے کی مسافت پر رکھا جائے اور اُن کی ایسی سخت حفاظت کیجائے کہ حکومت کسی طرح اُنپر قبضہ نہ کر سکے۔"

آگے چلکر وائیکاونٹ ڈی کارسن اپنے ہیمش رسالہ میں ارمنوں کی سازشوں اور اُن کے ناپاک جرائم کا ذکر کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں اُنھوں نے حادثہ قوم قیبو پر بحث کی ہے جو ارمنوں پر انگورہ کی کی عدالتوں میں مقدمے چلائے جانے سے پہلے اور مسئلہ ارمینیہ میں یورپین رائے عامہ کے اُلجھنے سے قبل پیش آیا تھا۔ اس بحث میں اُنھوں نے ارمنوں کی وسیسہ کاریوں کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ یہ ہے کہ:-

"قارئین کرام کو اس بحث سے معلوم ہو گیا کہ ان اضطرابات کی ایجاد سے محض ارمنوں کو بھڑکانا اور بیچین کرنا ہے جو اب تک امن و سکون کے ساتھ رہتے ہیں، جنہوں نے جمعیت ہنچاک کے باغیانہ اعمال خبیثہ میں شرکت پسند نہیں کی ہے اور جو سازشی اقدامات میں حصہ لیکر بغاوت کے مخالفوں پر حملے کرنا نہیں چاہتے۔ اس مقصد کے لئے اُن لوگوں نے ہتشگ افندی ایک ممتاز ارمن وکیل کو آستانہ علیہ کی عدالت کے سامنے قتل کر دیا۔ قاتل خود ایک ارمن نوجوان تھا جس عمر ۱۸ سال سے زیادہ نہ تھی اور اُس نے عدالت میں خود اقبال کیا کہ "ہیبر سوم بوبادجیان نے جو آستانہ میں جمعیت ہنچاک کا صدر ہے، مجھے اس شخص کو قتل کرنے کے ۵ لیرۂ عثمانی[ا] دئے تھے"۔ اس مجرم کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بوبادجیان ہی نے حادثہ کوم قیبو کا بندوبست کیا تھا۔ اسی طرح اکثر ایسا ہوا ہے کہ باغیوں نے کلیسائے ارمنی کے پادریوں اور خود بطریق ارمنی (ارشکیان افندی) پر حملے کئے اور اگر فضل ربانی شامل نہوتا اور محافظ سپاہی جاگ نہ اُٹھتے تو یہ لوگ اپنا کام کر چکے تھے۔ ان میں بعض جب گرفتار ہوئے تو انھوں نے صاف اقرار کیا کہ ہم جمعیت ہنچاک کے ایجنٹ ہیں۔ اسی طرح ان باغیوں نے اپنے ہی ابنائے قوم میں سے ایک دولتمند

[ا] لیرہ ترکی پاؤنڈ کو کہتے ہیں جس کی قیمت ۱۳ روپیہ ۸ آنہ ہندوستانی کے برابر ہوتے ہیں۔

ارمن تاجر سیموں بک کو دو قتل کر دیا تحقیقات کی گئی تو اسپتان ایک ارمن جوہری، ہمبرسوم ایک ارمن قہوہ چی اور دو اور ارمن کاروک و تانیوس مجرم ثابت ہوئے جنہوں نے صراحت کے ساتھ اعتراف کیا کہ ہم نے یہ جرم "وکران" ایک ارمن کے اغوا سے کیا ہے جو باغیوں کی جماعت کا رکن ہے۔ ۲۶ رجون ۱۸۹۵ء کو اسی جماعت کے دو اور ارمنوں نے "تو تو بجیان" ایک اور ارمن پر جو محکمۂ مطبوعات میں ملازم تھا اقدام قتل کیا۔

اسی قسم کے جرائم کا ارتکاب کر کے جن کے ذکر سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، یہ سب لوگ ہمبرسوم بویا دجیان اور بہرام و مادیان وغیرہ آستانہ سے بھاگ کر جنوا گئے جہاں اُس زمانہ میں اخبار ہنچاک شائع ہوتا تھا۔ وہاں کچھ عرصہ تک رہنے کے بعد بویا دجیان پھر واپس آیا اور بھیس بدلکر اناضول میں اپنے بھائی مروبروس کے پاس پہنچا جو مردک کے نام سے مشہور تھا۔ یہاں اُن لوگوں نے اپنے دوسرے شرکا کے ساتھ ملکر یوزگات، موش اور تالوری میں فساد برپا کئے۔

بویا دجیان کے آستانہ سے نکلنے پر جمعیت ہنچاک کی شاخ آستانہ کا صدر ایک شخص وارڈ برڈر یلو ہوا جو روسی رعایا پاس گیا تھا۔ مگر اُسے صدارت کرتے کچھ زیادہ مدت نہ گذری تھی، کہ حکومت نے اُسے گرفتار کر لیا اور روسی کونسل جنرل کے ایک نمائندے کی موجودگی میں اس کے مکان کی تلاشی لی تفتیش میں جمعیت ہنچاک کے متعلق کثیر التعداد کاغذات، اشتہارات اور پمفلٹ وغیرہ نکلے جن میں روسی سفارات نے ملاحظہ کرنے اور انکار کا موقع رکھ لینے کے بعد مجرم کو مقدمہ چلائے جانے کے لئے عدالت میں بھیجدیا۔"

ان بین دلائل کو پیش کرنے کے بعد جنسے ثابت ہوتا ہے کہ ارمنوں نے بدترین جرائم کے ارتکاب کئے ہیں، یہ فریخ اہل قلم بعض جلیل القدر یورپین ارباب قلم کے اقوال سے استشہاد کرتا ہے جن سے ٹرکی کے متعلق انگریزی اخبارات کے اکاذیب و مزخرفات کی اچھی طرح تردید ہوجاتی ہے۔ اس سلسلہ میں وہ صفحہ (۶۴) پر لکھتا ہے:۔

"موسیو ڈالوسو نے جو تین مہینہ تک ارض روم میں قیام پذیر رہا ہے ۱۸۹۱ء میں ایک رسالہ لکھا ہے جس میں وہ ثابت کرتا ہے کہ دولت علیہ کی حمایت وعنایت ارمنوں اور مسلمانوں پر یکساں ہے اور جو حریت انھیں عطا کی گئی ہے اُس میں کسی قسم کا قومی و مذہبی امتیاز نہیں ہے۔ ان حالات کو بیان کرتے ہوئے صاحب رسالہ نے باغیوں کے متعلق کچھ لکھا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں، ارمن باغیوں کے لیڈروں کو آستانہ سے احکام واوامر پہنچتے ہیں جہاں بغاوت کے رہنما براہ راست لندن سے تعلیمات و تلقینات خصوصی حاصل کرتے رہتے ہیں۔ اور لندن میں ڈیلی نیوز کا دفتر ان خاص تعلیمات کا مرکز ہے" پھر خاتمہ پر لکھتا ہے کہ: "ارمینیا اور کریٹ کے حوادث آپس میں ایسا تشابہ رکھتے ہیں جسے دیکھ کر سخت حیرت ہوتی ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ دونوں قوموں پر دولت علیہ کے مظالم ایک سے ہیں۔ اسلئے ان کا ردعمل بھی ایک ہی سا ہے، مگر جو لوگ حقیقت حال سے واقف ہیں انھیں معلوم ہے کہ دولت علیہ نے ان قوموں کے ساتھ ایسا بہتر سلوک کیا ہے جس کی مثال دوسری سلطنتوں کی محکوم اقوام میں قطعاً نہیں مل سکتی۔ خصوصیت کے ساتھ یہ رعایت کہ ایک خفیف ٹیکس دیکر تمام عیسائی قومی خدمت سے مستثنیٰ ہوجاتے ہیں، اور مسلمانوں کو بہرصورت فوج میں داخل ہونا پڑتا ہے، ایک ایسی رعایت ہے جس کے فوائد تمام اور رعایات کے مجموعی فوائد سے زیادہ ہیں۔ ایسی حالت میں یہی فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ کوئی اور طاقت ان دونوں بغاوتوں کی روح اور محرک اصلی ہے"

وائیکاونٹ ڈی کارسن اسی بحث کے سلسلہ میں صفحہ ۶۷ و ۶۸ پر لکھتا ہے:-

"لندن کی اینگلو آرمینین کمیٹی نے اس انقلاب سیاسی سے فائدہ اُٹھا کر اپنے بعض مددگاروں کو ایشیائے کوچک بھیجا اور انھیں حکم دیا کہ عام باشندوں کو اشتہارات و اعلانات کے ذریعہ بغاوت و اضطراب کی دعوت دیں۔ اُن لوگوں نے اپنی ریشہ دوانیوں کا مرکز مرسیوان میں قائم کیا اور وہاں سے قیصریہ، یوزگات، چشمیانہ، عزیزیہ وغیرہ مقامات میں اپنا جال پھیلا گئے۔ ان کا ایک شریک کار مسٹر انڈون رشتونی قیصریہ کی طرف گیا اور وہاں فتنہ کی آگ مشتعل کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ راز کھلنے پر جب حکومت نے اُسے گرفتار کیا تو اُس کے ساتھ جمعیت ہنچاک کے بہت سے کاغذات اشتہارات پمفلٹ اور اعلانات پائے گئے اور پھر جب ایک مجرم کی رہنمائی قیصریہ کے قریب شہر دیفونیک کے کلیسا کی تلاشی لی گئی تو جناب قسیس کے پاس نہایت کثرت کے ساتھ ہنچاک کا لٹریچر پایا گیا۔ کاغذات کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ طومایان اور کایایان دو پرا ٹسٹنٹ ارمن مرسیوان کے پراٹسٹنٹ مدرسہ میں معلم ہیں، اُن کی رہنمائی میں یہ کارروائی کیجا رہی ہیں۔ ان دونوں نے مدرسہ کے اندر ایک خفیہ پریس قائم کیا ہے اور اپنے شاگردوں کو انارکزم کی تعلیم دیتے ہیں۔

اس کے بعد یوزگات اور قیصریہ میں جو حوادث وقوع پذیر ہوئے وہ مردیروس جرابر المشہور بموروک کی سازشوں کا نتیجہ تھے جو ہمبر سوم بو یاد جیان کا بھائی تھا۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ اس شخص نے بیک کے قریب تمام ارمنوں کو دعوت دلمی اور انگلستان سے آئے ہوئے ہتھیار اُن میں تقسیم کر کے ہدایت کردی کہ پہلے اشارہ پر مسلمانوں کے گاؤں لوٹنے اور قتل و غارت کا بازار گرم کردینے کے لئے تیار رہے اس تدبیر کے مطابق اُنھوں نے بدترین جرائم کے ارتکاب کئے مگر جب پکڑے گئے اور انگورہ کی عدالت نے ۱۷ کو پھانسی کا، ۶ کو پندرہ پندرہ سال قید بامشقت کا اور ۱۰ کو سات سات سال قید بامشقت کا حکم سنادیا تو اُن ملعون گنہگاروں پر بھی ذات شاہانہ کی شفقت و عنایت مبذول ہوئے بغیر نہ رہی اور بارگاہ سلطان سے اُن کے لئے حکم صادر ہوا کہ جنہیں موت کی سزا دینا تجویز کیا گیا ہے، اُنکو ممالک محروسہ سلطانی سے باہر نکالدینے پر اکتفا کیا جائے۔ ان عواطف کریمانہ کے باوجود جب یہ خبر انگلستان پہنچی تو انگریزی اخبارات نے کھولکر جلالت مآب کی ذات مقدسہ پر سب و شتم اور طعن و تشنیع کی بوچھاڑ کی اور لغوت قبیحہ میں سے کوئی لغت ایسی چھوڑی گئی جو اُن کی شان میں نہ صرف کی گئی ہو۔ حالانکہ خود اُن کی سلطنت ایسے جرائم کے مقابلہ میں ایسی رحمت و رافت کی ایک مثال بھی پیش نہیں کرسکتی۔ خصوصیت کے ساتھ پراٹسٹنٹ اخبارات نے اس باب میں سب سے زیادہ امتیاز حاصل کیا اور یہ اس لئے کہ ارمن مفسدین کے لیڈر طومایان اور کایایان پراٹسٹنٹ ہو گئے تھے۔ سزاؤں کی تخفیف کا اعلان ہوتے ہی تمام وہ لوگ جنہیں موت کا حکم دیا گیا تھا چلنے کے سامان کرنے لگے، چنانچہ طومایان فوراً لندن چلا گیا جہاں وہ ارمن کمیٹی کا نہایت ممتاز رکن ہو گیا، اور اُسے انگریزوں نے اپنے مجمعات اور اخبارات میں اس طرح پیش کرنا شروع کر دیا جیسے کہ وہ ایک بطل عظیم ہے اور حکومت عثمانیہ کی ایک مظلوم قوم کے استقلال کا علمبردار ہے"

اس زمانہ میں آستانۂ علیہ کے بطریق ارمنی نے اپنے ماتحت اسقفوں اور قسیسوں کو متعدد احکام بھیجے (مارچ ۱۸۹۵ء) جن میں اُن کو بیرونی ریشہ دوانیوں سے آگاہ کرتے ہوئے حکم دیا گیا تھا کہ اپنے مذہبی حلقہ میں ان لوگوں کو اغواء و تغریر کا موقع نہ دیں، چنانچہ ایک سرکار کے الفاظ یہ ہیں:-

"اپنی رعایا میں سے طبقۂ جہلا کو نصیحت کرو کہ مغویانہ تبلیغ سے بچیں۔ مگر جو لوگ اطاعت نہ کریں اور اوامر حق پر عمل کرنے سے منکر ہوں تو اُن کے لئے حکومت سے عفو و درگذر کی درخواست کرو کیونکہ صداقت وطنیہ کے مدافعت کرنے والے ہو۔"

یہ نہایت حکیمانہ اور پرصواب عبارت ہے، مگر اس نے ان لوگوں کی عقل پر ذرہ برابر اثر نہ کیا جنہیں لندن کے انگریزی اخبارات نے "جذبۂ وطنیت" اور "غیر معمولی شجاعت" کے نام سے بھڑکا رکھا تھا اور جن کے ایسے ایسے ہولناک جرائم کو جنہیں سننے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں "جیوش عثمانی پر قوم پرست ارمنوں کی شاندار فتح" کے نام سے مشہور کیا جاتا تھا۔

اگر قارئین کرام ان افسوسناک واقعات کو محض وقتی جوش اور تصادم کا نتیجہ سمجھ کر قابل عفو خیال کریں تو غلطی ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت اچھی طرح ثابت ہو چکی ہے کہ برطانی ارباب سیاست نے بہت پہلے سے انکا بندوبست کیا تھا اور یہ سب حرکات ایک سوچے سمجھے ہوئے نظام کے ماتحت سرزد ہوئی ہیں، اس کا مزید ثبوت مسٹر سیرس ہملن ایک پراٹسنٹ مشنری کے اس مضمون میں موجود ہے جو بوسٹن (امریکہ) کے مشہور اخبار کانگریگیشنلسٹ (Congregationalist) کی اشاعت ۲۳ دسمبر ۱۸۹۳ء میں شائع ہوا تھا۔ ذیل میں ہم اسکا اقتباس درج کرتے ہیں:۔

"مجھ سے ایک ارمن نوجوان نے جس کے چہرے سے ذکاوت و ذہانت کے آثار ٹپکتے تھے اور انگریزی زبان کو بالکل مادری زبان کی طرح روانی سے بول رہا تھا بیان کیا کہ انقلابی جماعت ایسی کارروائی کرنا چاہتی ہے جس سے کسی یورپین سلطنت کو ایشیائے کوچک میں مداخلت کرنے اور اسپر استیلا حاصل کرنیکا موقع ملجائے۔

میں نے پوچھا کہ اس کی صورت کیا ہوگی؟ تو اس نے کہا کہ دولت علیہ کے مقبوضات میں ہر ہر مقام پر جمعیت ہنچاک کی شاخیں موجود ہیں اور وہ ہر مناسب موقع سے فائدہ اُٹھا کر ترکوں اور کردوں کو قتل کرنے پر تیار ہیں ہماری اسکیم یہ ہے کہ اس طرح مسلمانوں پر قتل و غارت کا بازار گرم کر کے ہماری جماعتیں پہاڑوں میں جا چھپیں اور پھر جب قدرتی طور پر مسلمان غضبناک ہو کر ارمن آبادی سے بدلہ لیں تو ہم تمام یورپ میں مسلمانوں کے مظالم کی اشاعت کر کے اُسے ٹرکی کے خلاف بھڑکاویں جس پر کسی یورپین سلطنت کو ایشیائے کوچک میں مداخلت کرنے کا بہانہ ملجائے گا اور وہ انسانیت و تمدن کے نام سے اس ملک پر مستولی ہو جائے گی۔ پھر جب میں نے کہا کہ یہ تجویز تو سخت وحشیانہ اور غایت درجہ کی قساوت پر مبنی ہے تو اُس نے نہایت اطمینان کے ساتھ جواب دیا کہ بیشک وہ آپ کو ایسی ہی نظر آتی ہوگی جیسی آپ بیان کر رہے ہیں مگر ہم ارمنوں نے بہرصورت آزادی حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ بلغاریا نے اسی قسم کے جرائم و فضائع کا ارتکاب کر کے آزادی حاصل کی ہے اور ہم بھی یہی کر کے یورپ کو اپنی آواز سننے پر مجبور کرینگے یورپ صرف اسی طریقہ کو پسند کرتا ہے۔ یہ شخص ارمنی بغاوت کے نہایت چرب زبان حامیوں اور مدافعوں میں سے تھے۔" مذکورہ بالا گفتگو شائع ہونے کے بعد غالباً ایک ہی سال گذرا تھا کہ وادی تاموری (ساسون) میں ایک زبردست فتنہ برپا ہوا اور تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس کا محرک وہی ہمبرسوم بویاد جیان ہے جو اپنا اصلی نام بدل کر مراد یان کے نام سے اناطولیہ میں داخل ہوا اور ولایات بتلیس وان، انگورہ اور روانہ کے پراٹسنٹ ارمنوں میں اپنے خیالات کی اشاعت کرنے لگا۔ اس شخص

نے مسلمانوں پر ہتھیار اُٹھانے کے لئے بیوقوف ارمنوں کو دعوت عام دی اور اُنھیں یقین دلایا کہ انگلستان اپنی جنگی قوت سے اُن کی مدد کرے گا حتےٰ کہ اُنھیں پوری طرح اپنے دام میں لانے کے لئے اُس نے بہت سے خط پیش کئے اور دعوےٰ کیا کہ یہ انگلستان کے اکابر سیاست نے اُسکو بھیجے ہیں۔ اسی مطلب کا ایک اعلان اُس نے ارمنی کلیسا کے تمام مذہبی پیشواؤں اور روانہ کے رئیس الاساقفہ و ہا ربابان کے پاس بھیجا جسے مارچ ۱۸۹۵ء میں فرانس کے اکثر اخبارات نے شایع کر دیا ہے۔

مسٹر اکمہ منیس جن کے بعض بیانات اوپر نقل کئے جا چکے ہیں اپنے رسالہ کے ابتدائی صفحات میں لکھتے ہیں کہ مذکورۂ بالا اضطرابات کا باعث اصلی ایک شخص بویادجیان ہے جو امریکن مشنریوں کے ارشد تلامذہ میں سے ہے۔ حادثۂ کوم قپو میں بھی اس شخص کا ہاتھ شریک تھا مگر اعلےٰ حضرت سلطان المعظم نے اسکو معاف کر دیا تھا۔ ارمن کہتے ہیں کہ اُس نے ہمیں انگلستان کی مساعدت کا یقین دلا کر بغاوت پر آمادہ کیا ہے اور ہم سے کہتا ہے کہ تمہاری شورش بپا ہوتے ہی انگریزی فوجیں ترکوں کے سر پر کھڑی ہونگی اور جب ہم پوچھتے ہیں کہ ان بعید ممالک میں انگریزی فوجیں کیونکر پہنچ سکتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ انگلستان کے پاس سُرخ رنگ کے بڑے بڑے ہوائی جہاز ہیں جو آج کل اختراعات حربیہ میں سب سے آخری ایجاد ہیں انپر بیٹھکر انگریزی فوجیں تمہارے ملک میں آئینگی۔ اس صریح جھوٹ پر ارمن باشندوں کا اعتقاد اُن لوگوں کی سادگی اور سرعت تصدیق پر صاف دلالت کرتا ہے۔ اس طبعی فرصت سے فائدہ اُٹھا کر بویادجیان نے سالوں کے نواح میں ۱۱ قریوں کے ارمن باشندوں کو بہکا لیا اور تقریباً تین ہزار آدمیوں کو لندن دلّس سے آئی ہوئی میگزین رائفلوں سے مسلح کر کے انطون داغ کی پہاڑیوں میں رہزنی کے لئے لیگیا۔"

اس کے بعد وائکاونٹ ڈی کارسن اپنے جلیل القدر رسالہ میں صفحہ (۷۲) پر لکھتے ہیں کہ:۔

"اس حادثہ کی تفصیل ہم متعدد ذرائع معلومات سے درج کر سکتے ہیں مگر مناسب ہے کہ نیویارک ہیرالڈ کی عبارت نقل کیجائے جس کے متعلق ترکوں کی حمایت اور جانبداری کا شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ وہ لکھتا ہے:۔

ارمن باغیوں نے موش (ولایت تبلیس) کے جنوب مشرق میں سالوں اور مرکز کال منصرفیت حواَنج[1] کے درمیان مانوری کے پہاڑیوں میں اودھم کیا ہے۔ ایک شخص ہمبر سوم اور مرادیان کی رہنمائی اور تحریص و تہیج پر حرکت کر رہے ہیں ہمبر سوم شبرا جین (ولایت روانہ) کا رہنے والا ہے اور ۸ سال تک آستانہ علیہ کے طبی کالج میں فن طب کی تحصیل کر چکا ہے۔ اس سے پہلے حادثہ کوم قپو میں اس نے خاص طور پر حصہ لیا تھا، پھر آستانہ بھاگ گیا اور وہاں سے جنیوا کا رُخ کیا۔ کچھ عرصہ وہاں مقیم رہکر بھیس بدلا اور اپنے اصلی نام کی بجائے کوئی دوسرا نام رکھ کر اسکندرونہ اور دیاربکر کے راستے ولایت تبلیس میں داخل ہوا یہاں اس کے ابنائے جنس میں سے ۵ آدمی اس کے ہمخیال ملگئے جن کی مدد سے اُس نے عام ارمن باشندوں کو بغاوت اور شر و فساد پر اُبھارنا شروع کیا۔ اُس نے اپنی قوم کو یقین دلایا کہ دول یورپ نے اُسے ایک خاص خدمت پر مامور کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مملکت عثمانیہ کی بیخ و بنیاد متزلزل کر دوں۔ اسی قسم کی لاطائل باتیں سنا سنا کر اُس نے سینرو

---

[1] منصرف کمشنر کو کہتے ہیں اور منصرفیت کمشنری یعنی کمشنر کے حدود حکومت کو۔

سمائے، گللی گوزات، آہی، ہدنک، سنانک، سگند، ایغار، موسون، اینک، آق جسر اور قالوری کے ارمن باشندوں کو اپنا مرید بنا لیا اور اُس کے کہنے سے یہ لوگ اپنے عیال و اطفال اور مال و اسباب کو محفوظ مقامات پر بھیجکر اواخر ماہ جولائی ۱۸۹۴ء میں موش، اور کال و سلفان کے باغیوں سے اندرون داغ کے پہاڑوں میں جا ملے۔ یہاں یہ بات طے ہوئی کہ ان میں سے پانچ سو یا چھ سو آدمیوں کی ایک جماعت شہر موش پر حملہ کرے۔ چنانچہ ایک جماعت نے موش کے جنوب میں قبیلۂ دلیکان پر تاخت کی جو جبل کورلنگ کے قریب مقیم تھا۔ صرف مال و دولت لوٹنے اور مقابلہ کرنے والوں کو قتل کرنے ہی پر قناعت نہ کی گئی بلکہ مسلمانوں کو عذاب دینے اور اُن پر ظلم کرنے میں انتہائی وحشت و بربریت سے کام لیا گیا۔ بقیہ باغیوں نے جو جبل اندرون داغ میں جمع تھے اپنے آپ کو مختلف ٹکڑیوں میں تقسیم کیا اور ہر ٹکڑی نے لوٹ مار کے ارادے سے ایک علیحدہ سمت کا رُخ کیا۔ ان جماعتوں کی کارروائیوں کے متعلق ہمیں جو خبریں پہنچی ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے عمر آغا کے بھتیجے کو زندہ جلا دیا، قریہ گوزات کے مسلمان عورتوں کو بےحرمت کیا، اور جن مسلمانوں پر قابو پا سکے اُنھیں سخت عذاب دیئے صلیب کو چومنے پر مجبور کیا، آنکھیں نکال لیں، ناک کان کاٹ لئے اور اُنھیں طرح طرح کی تکلیفیں دیکر قتل کیا پھر اوائل ماہ اگست میں ان باغیوں نے قبائل فامیناز، بادیگان، اور بکریاں پر ہجوم کیا اور اُنھیں بدترین جرائم کا تختۂ مشق بنایا۔ اس کے بعد الیفرتک اور یرموش کے گرد باشندوں پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے کیسر اور شتشت پر حملہ آور ہوئے۔ اواخر ماہ اگست میں اُنھوں نے شہر موش کے آس پاس کے رہنے والوں کردوں پر ہجوم کیا اور تین گاؤں جلا دیئے۔ ادھر تاموری کی طرف باغیوں نے مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں پر ظلم کئے اور مال و دولت کی خاطر سب کو لوٹا۔ پھر حسب شاہی افواج ان لوگوں کو سزا دینے کے لئے پہنچیں تو ہمبرسوم اپنے مقلدوں کو چھوڑ کر محض اپنی جان بچانے کے لئے ۱۱ رفقا کے ساتھ پہاڑوں میں بھاگ گیا۔ جہاں عساکر عثمانی نے اسے ایک معمولی مقابلہ کے بعد جس میں ۲ آدمی ہلاک اور ۶ مجروح ہوئے، گرفتار کر لیا اگست کا مہینہ ختم نہ ہونے پایا تھا کہ تمام باغیوں کی جماعتیں تتر بتر ہو گئیں۔ عثمانی افسروں نے عام شہری باشندوں کے ساتھ بہترین سلوک کیا اور بچوں، اور بوڑھوں اور عورتوں کے ساتھ وہی معاملہ برتا جو دین اسلامی اور انسانیت و شرافت کا تقاضہ تھا، البتہ باغیوں کو جنہوں نے ہتھیار رکھنے اور اوامر حکومت کے آگے سر جھکانے سے انکار کیا اور اپنے تمرد و عصیان پر قائم رہے، قتل کیا گیا۔"

آگے چلکر یہ مصنف صفحہ (۷۶) اور ملحقہ صفحات پر لکھتا ہے کہ:۔

"مگر اس واضح حقیقت پر انگریزی اخبارات نے پردہ ڈالنے کی کوشش کی اور اسے مبالغات و اکاذیب کے نئے لباس پہنا کر پبلک میں پیش کیا تاکہ انگریزی وزارت خارجہ کو اپنے مطامع و اغراض کے مطابق کارروائیاں کرنے میں آسانی ہو۔ چنانچہ وزارت مذکورہ نے ان افترا پردازیوں سے فائدہ اُٹھا کر دولت علیہ پر زور دیا کہ مسئلہ ارمنیہ کی تحقیق کے لئے ایک بین الاقوامی کمیشن مقرر کیا جائے اگرچہ یہ بھی مداخلت کی ایک صورت تھی، مگر دولت علیہ نے اسے فوراً قبول کر لیا کیونکہ وہ حق پر تھی اور اُسے یقین تھا کہ اس طرح تمام دنیا پر اصل حقیقت واضح ہو جائے گی۔

اس قبولیت کی بنا پر ایک کمیشن مقرر کیا گیا جس میں روسی، فرانسیسی، انگریزی نمائندے بھی شریک تھے قارئین کرام اسباب پر ضرور متعجب ہوں گے کہ روسی فرانسیسی حکومتوں نے انگلستان سے اشتراک عمل کو کیونکر قبول کیا، لیکن اگر وہ پردہ کو اٹھا کر حقائق پر نظر ڈالینگے تو اُن کی حیرت استحسان سے بدل جائیگی، کیونکہ اگر تنہا انگریزوں کو تحقیقات کرنے کا موقع دیا جاتا تو وہ دولت علیہ کے خلاف تمام دنیا کو اکاذیب و مفتریات سے بھر دیتے اور بغیر اس خوف کے کہ کوئی دوسرا انھیں جھٹلانے کے لئے کھڑا ہو، بڑی بلند آہنگی کے ساتھ اعلان کرتے کہ ایشیائی ٹرکی میں اب رات دن عیسائیوں کا قتل عام ہوتا ہے اور طرح طرح کے ظلم ڈھائے جاتے ہیں اسلئے امن و عدالت کی خاطر کسی یورپین سلطنت کی مداخلت نہایت ضروری ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روس اور فرانس کے عدم اشتراک سے فائدہ اُٹھاکر مصر کی طرح اناطولیہ کے بعض علاقوں پر بھی قیام امن اور دفع شر و فساد کی خاطر دولت معظمہ برطانیہ کو اپنا احتلال قائم کرنے کا موقع ملجاتا۔ اور ایک مرتبہ یہ موقع حاصل ہو جانے کے بعد ناممکن تھا کہ پھر رجال سیاست کے وعدوں، اور بین الدولی معاہدات کو یاد دلاکر برطانی احتلال کی بلا سے ٹرکی کو نجات دلائی جاسکتی۔ اس قسم کی سیاسی حماقت کا ارتکاب کرکے مسئلہ مصر میں فرانس کی حکومت ایک اچھا سبق حاصل کرچکی تھی۔ اس لئے اُس نے وزارت انگلستان کی طرف سے یہ تجویز پہنچتے ہی فوراً اسے قبول کرلیا اور اپنے اتحادی روس کو بھی شرکت کا مشورہ دیا۔

تحقیقات کامل غیر جانبداری اور صداقت کے ساتھ ختم ہوئی اور انگریزوں کی عین خواہش کے خلاف نتیجہ یہ نکلا کہ "ارمنوں نے باہر سے آئے ہوئے مفسدوں کے اغوا سے بغاوت برپا کی، ان میں جدید قسم کے انگریزی اسلحہ تقسیم کئے گئے، اور ایام بغاوت میں قتل و غارت اور آتش زنی جیسے بدترین جرائم اور معاصی کا ارتکاب کیا، اور پھر جب عثمانی فوجیں بغاوت کو فرو کرنے کے لئے پہنچیں تو وہ پہاڑوں میں پناہ گیر ہوئے اور فوجوں کا مقابلہ کیا"۔ اس سے بڑھ کر کمیشن نے یہ بھی ثابت کردیا کہ حکومت عثمانیہ نے باغیوں کی سرکوبی کے لئے فوجیں بھیجکر بالکل آئین اور قانون حقوق کے مطابق عمل کیا ہے۔

اس نتیجہ کے ظاہر ہونے پر انگریزی اخبارات نے افترا پردازی کا ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا اور دولت علیہ پر نئے بہتان عائد کرنے لگے۔ اُنہوں نے دعوٰے کیا کہ ترکوں نے ہزارہا ارمنوں کو ذبح کرکے گولی گوزات کے قریب نہایت عمیق گڑھوں میں ڈالدیا اور اُن کی لاشوں کو چونے سے پاٹ دیا تاکہ بالکل گل جائیں۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ جب ترکی فوجیں مرکز بغاوت پر پہنچیں اور باغیوں کو اطاعت کا حکم دیا تو وہ مقابلہ پر آئے اور جنگ برپا ہوئی۔ اس میں تقریباً ۲۰۰ باغی مارے گئے۔ جن کی لاشوں کو گڑھوں میں ڈالکر چونے سے ڈھانک دیا گیا تاکہ عفونت کا تمبع بنکر آس پاس کے علاقوں میں بیماری نہ پھیلائیں۔ باغیوں کو قتل کرنا کوئی نئی بات نہیں ہے تمام مہذب ممالک میں امن عام پر تعدی کرنیوالوں کے ساتھ یہی سلوک کیا جارہا ہے۔ رہا یہ اعتراض کہ ان کی لاشوں پر چونا ڈالا گیا سو اگر انگریزی اخبارات اس کی علت سمجھنے سے قاصر ہیں تو ہم انہیں بتلا سکتے ہیں کہ چونہ لاشوں کو فوراً گلادیتا اور سڑکر مضر صحت ہوا پھیلانے سے باز رکھتا ہے۔ پس ہر وہ شخص جو صاحب عقل ہو اور ذاتی اغراض نے اندھا نہ کردیا ہو۔ یقیناً یہ فیصلہ کرے گا کہ اس صحیح وسیلہ تحفظ صحت کو ان فظائع سے کوئی دور کا واسطہ بھی نہیں ہے جنہیں انگریزی اخبارات ترکوں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

ہم نے تو ہر اس یورپین کی طرح جو مسئلہ ارمینیہ کو اغراض پرستی سے ہٹکر صداقت کی روشنی میں دیکھتا ہے، کمیشن کی ابتدا ہی میں حکم لگا دیا تھا کہ تحقیقات کا نتیجہ انگریزوں کی توقعات اور خواہشات کے بالکل خلاف برآمد ہوگا اور ہز ایکسیلنسی مارشل ذکی پاشا کمانڈر جیش چہارم کے خلاف، جنہیں فتنہ آرمینیہ کے فرو کرنے کے لئے مامور کیا گیا ہے کوئی جرم ثابت نہو سکیگا۔ چنانچہ وہی ہوا، کہ تمام یورپین نمائندوں نے متفقہ طور پر پاشائے موصوف کے حسن سیرت، پاکیزگی اخلاق، کریم النفسی، جلالت سلطان کی مخلصانہ وفاداری اور مسائل جنگ میں غیر معمولی قابلیت کی تعریف کی۔

اس زمانہ میں انگلستان کی اینگلو آرمینین کمیٹی یورپ کی رائے عامہ کو ہر طریقہ سے یہ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی کہ بین الاقوامی کمیشن کا نتیجہ ترکوں کے خلاف نکلیگا اور یہ کہ ترکوں کی طرف جو جرائم منسوب کئے جاتے ہیں اُن سب کے ثبوت نہایت واضح شہادتوں کے ساتھ بہم پہنچ رہے ہیں۔ اور چونکہ فرانسیسی قوم اسوقت مسائل ارمینیہ سے کوئی خاص شغف نہ رکھتی تھی اسلئے ارمنوں کی ایک تبلیغی جماعت فرانس پہنچی اور اُس نے فرنچ پبلک کو تقریر و تحریر کے ذریعہ مشتعل کر کے اس بات پر اُبھارنا شروع کیا کہ وہ بھی انگلستان کی تقلید کرے اور ارمن قوم کو عثمانی چنگل سے نجات دلانے کی تحریک میں شریک ہو جائے۔ اس جماعت کے ایک ممتاز رکن شراسیون نے پیرس میں ایک بہت بڑے مجمع میں تقریر کی اور مرسیوان، یوزگات اور تاموری کے حوادث کو نہایت آب و تاب کے ساتھ مبالغہ وافرا کا رنگ دیکر پیش کیا۔ آخر میں اس نے سامعین کو متاثر کرنے اور اپنے بیانات کا یقین دلانے کے کثیر التعداد فوٹو پیش کئے جن میں ترکوں کو ارمنوں کا قتل عام کرتے ہوئے یا ارمن عورتوں اور بچوں کو خنجروں سے ذبح کرتے ہوئے یا بستیوں میں آگ لگاتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ مگر ان مرثیوں نے فرنچ حاضرین کے طبائع پر مطلق کوئی اثر نہیں کیا، کیونکہ اہل پیرس نے جو اپنے امعان نظر اور شدت تحقیق کے لئے مشہور ہیں ان تصویروں کو دیکھتے ہی پہلے نظر میں حکم لگا دیا کہ یہ کھلا دھوکہ ہے ایسے ملک میں جہاں کے باشندے عموماً پہاڑی ہیں اول تو مصوروں کا وجود ناپید ہے، پھر ایک اندرونی فساد کے زمانہ میں جبکہ حوادث کا وقوع اچانک پیش آجاتا ہے، مصور کا عین موقع پر پہنچ جانا امر محال ہے، اور اگر بفرض محال وہ پہنچ بھی جائے تو دارو گیر کی عین گرم بازاری میں کیونکر ہوسکتا ہے کہ مصور اطمینان کے ساتھ کھڑا تصویریں لیتا رہے۔ اس سب پر مزید یہ کہ مذبوحین و مجروحین جو تڑپنے میں مشغول تھے مصور کی خاطر اپنی تڑپ بند کر کے تھوڑی دیر کے لئے ساکن کیونکر ہو سکتے تھے۔ کیونکہ تصویر کا صاف اور بے عیب آنا صاحب تصویر کے سکون پر دلالت کرتا ہے۔ اور صاحب تصویر کا سکون مقتول یا مجروح ہونے کی صورت میں ایک امر محال ہے۔ ان تمام اعتبارات پر نظر کرتے ہوئے اہالی پیرس نے ان تصویروں پر ایک لمحہ کے لئے بھی توجہ نہ کی ان تصویروں کے متعلق ایک امریکن اہل قلم لکھتا ہے کہ میں نے ایک فوٹو دیکھا جس میں ارمن عورتوں کو ترکی سپاہیوں کے خوف سے نہایت عمیق گہرائیوں میں کودتے ہوئے دکھایا گیا تھا، میں نے اس تصویر کو دیکھتے ہی پہلی نظر میں سمجھ لیا کہ یہ مشہور مصور آرہی شغر کی ایک تصویر سے نکل گئی ہے۔

گذشتہ ۷ رمئی کو لندن میں بعض اکابر رجال برطانی نے جن میں ڈیوک آف آرگائل، ڈیوک آف ویسٹ منسٹر، لارڈ میور آف لیورپول، اور پراٹسٹنٹ کلیسا کے بعض پیشوا بہت نمایاں تھے، ایک جلسہ منعقد کیا اور اس میں حوادث آرمینیہ کی زندہ شہادت کے طور پر تین آدمیوں کو پیش کر کے دعویٰ کیا کہ یہ

لوگ بقیہ ماتم زدگان ساسوں میں سے ہیں۔ حالانکہ وہ غریب ارمن زبان کا ایک لفظ نہ جانتے تھے اور ترکی و یونانی زبانوں کو جو بلادِ عثمانی میں عام طور پر رائج ہیں مطلق نہ سمجھ سکتے تھے۔ اسی طرح ۶ر اگست کو مانچسٹر میں ایک اور اجتماع ہوا جس میں مسٹر گلیڈاسٹن نے تقریر کرتے ہوئے حکومت عثمانیہ پر زبردست الزامات عائد کئے اور یورپین رائے عامہ سے اپیل کیا کہ ٹرکی کے وجودِ سیاسی کو دنیا سے قطعاً ناپید کر دیں اس تمام طوفان کی بنیاد محض اخبار ڈیلی ٹیلیگراف کے ایک مضمون پر قائم کی گئی تھی جو اخبار مذکور کے ایک نامہ نگار مسٹر ڈیلون نے ایشیائے کوچک سے بھیجا تھا۔ اور مضمون کا موضوع صرف یہ تھا کہ موتیجو نامی ایک کردی جسکے لئے ارضروم کی عدالت سے موت کا فتویٰ صادر ہو چکا تھا یہ اقرار کیا تھا کہ اُسنے ارمنوں کو قتل کیا اور لوٹا ہے اس موقع پر مسٹر گلیڈاسٹن اپنے سامعین کو یہ بتلانا بھول گئے کہ مسٹر ڈیلون ارمنی زبان سے واقف ہیں یا نہیں اور کیا اُن کے ذرائع معلومات موتیجو کے درجہ سے کچھ زیادہ بلند نہ تھے؟ اس سوال کو نظر انداز کر دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ذمہ وار برطانی مدبرین جب اپنے مصالح کے مطابق کوئی خبر سنتے ہیں تو اُسے فوراً تسلیم کر لیتے ہیں اور بالکل غور نہیں کرتے کہ وہ کس ذریعہ سے آئی ہے اور وہ ذریعہ بھروسہ کے قابل بھی ہے یا نہیں"

یہ ہے وہ بیان جو ایک غیر متعصب اور منصف مزاج یورپین اہل قلم نے مسئلہ ارمینیہ کے متعلق لکھا ہے ہمنے اسقدر کثرت کے ساتھ اس کے بیانات کو یہاں اسلئے نقل کیا ہے کہ قارئین کرام اصل حقیقت کو اچھی طرح معلوم کر لیں اور حوادث ارمینیہ میں انگریزی دسائس کی کارفرمائیوں سے خوب واقف ہو جائیں خصوصاً ہر عثمانی اور ہر مسلمان کو اس شدید کراہت کا علم ہو جائے جو انگریزی رجال سیاست کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں۔ ہم نے ۱۰ر اپریل ۱۸۹۷ء کے اخبار طاں (Le Temps) فرانسوی میں ایک عبارت کا ترجمہ پڑھا تھا جو لندن ٹائمز میں مسئلہ آرمینیہ کے متعلق کسی انگریز نے لکھی تھی یہاں اس کا ترجمہ درج کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

"اب وہ وقت آگیا ہے جب برطانی قوم کو اچھی طرح معلوم ہونا چاہیئے کہ مسئلہ ارمینیا اپنے اندر نہایت تاریک نتائج رکھتا ہے۔ دراصل ارمنوں کی انقلابی جماعتیں ہی ارمنی قوم کے لئے مصیبت اور آفت ہیں اور میں ——— اپنے ذاتی ذرائع معلومات پر بھروسہ کر کے ——— یہ اعلان کرنے میں ذرہ برابر تامل نہیں کر سکتا کہ ان جماعتوں پر اُن کثیر التعداد ارمن مقتولین کے خون کی بڑی حد تک ذمہ واری عائد ہوتی ہے جو موجودہ اضطراب میں قتل ہوئے ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے محض اسلئے کہ یورپ میں مسئلہ ارمینیہ کے متعلق عام ہیجان بپا کیا جائے اپنی قوم کو تعصب و شر و فساد کی تعلیم دی اور بیشمار افراد کو اپنی احمقانہ تحریک پر بھینٹ چڑھا دیا اُن کے متعلق سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ بڑے مجرم ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایشیائے کوچک میں جہاں کہیں ان انقلابی جماعتوں کا کوئی رکن پہنچ جاتا ہے۔ وہاں کے ارمن باشندوں کی جان و مال دونوں خطرے میں پڑ جاتے ہیں۔ دولتمند مجبور ہیں کہ انہیں مالی مدد دیں ورنہ موت کی سزا اُن کے لئے طے شدہ امر ہے اس طرح اگر کوئی ارمن اگر باغیوں کی کارروائیوں پر اعتراض کرتا ہے یا اُن کے بُرے نتائج کو روکنے کی کوشش کرتا ہے، اُس کو بھی اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ میں یورپ کے ارمن جماعتوں کے حالات سے ناواقف ہوں، البتہ اناطولیہ، ایران اور تفلس کی انقلابی جماعتوں کو جہاں تک میں نے دیکھا ہے اور سمجھا ہے، مجھے یقین ہے کہ ارمن بغاوت

جس کا مرکز لندن میں ہے محض قتل عام کرانا اور ارمن قوم پر نئے نئے حوادث کو دعوت دینا چاہتی ہے تاکہ یورپ کی توجہ ترکوں کے مظالم پر مبذول ہو۔ سلماس وغیرہ سرحدی مقامات میں ارمن باغیوں کی جماعتیں مسلمانوں پر حملے کرنے کی تیاریاں کرتی ہیں اور اُن کے پاس دو تین ہزار آدمی مسلح موجود ہیں، مگر اُن کے مقابلہ میں اس سرحد پر ۱۵ ہزار باقاعدہ ترکی فوج مقیم ہے اور عثمانی حکومت ارمنوں کی ریشہ دوانیوں اور ان کے ارادوں سے ہر وقت باخبر رہتی ہے یہ ہے وہ سیاست جس پر ارمنوں کی انقلابی جماعتیں ابتک چلتی رہی ہیں اور اندیشہ ہے کہ مستقبل میں بھی چلتی رہینگی۔ ان جماعتوں کے لیڈر اور ارباب حل وعقد در اصل یہ چاہتے کہ یورپ کو ترکی معاملات میں مسلح مداخلت کرنے پر مجبور کریں اور اسی غرض کے لئے وہ بغاوتیں کرکے قتل وخونریزی کا سامان بہم پہنچاتے ہیں۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ اُنھیں سے اس کی بازپرس نہ کیجائے۔ یہ ظالم اپنے ابنائے قوم کے سیکڑوں ہزاروں افراد کو کٹوادینے میں ذرہ برابر دریغ نہیں کرتے، مگر خود اپنی جماعت کے ایک رکن کو بھی قربان کرنے پر تیار نہیں ..... "

حق یہ ہے کہ لندن ٹائمز میں جو ترکوں اور مسلمانوں کے ساتھ شدید بغض وعداوت رکھتا ہے اس انگریزی مضمون نگار کا یہ اظہارِ صداقت تعجب کے قابل ہے، مگر افسوس ہے کہ لکھنے والے نے ارمن جماعتوں کی تاسیس اور اُن کی ہمت افزائی کے محرک اصلی نام کا ظاہر کرنے میں تامل کیا ہے۔ کیا وہ خود اسی کی قوم کے ارباب سیاست اور اہل قلم نہ تھے!؟؟ تاہم ٹائمز کے مضمون نگار نے جو کچھ بھی لکھا ہے وہ بہت غنیمت ہے جس کی ایک انگریز سے توقع نہیں ہوسکتی۔

انگلستان تو یہ چاہتا تھا کہ مسئلہ ارمنیہ میں تنہا مداخلت کرے اور دولت علیہ کے مقابلہ میں اکیلا کھڑا ہو جائے، مگر روس کی مصلحت کے بالکل خلاف تھی، اسلئے وہ انگریزی ریشہ دوانیوں کے خلاف سعی کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا اور ایک ایسی ارمنی ریاست قائم کرنے کے بالکل خلاف تھا جو ایشیا کو چک میں انگریزوں کے لئے آلۂ کار ہو اسی طرح فرانس مسئلہ مصر کا انجام دیکھ کر بیدار ہوچکا تھا اور مسئلہ ارمنیہ کے پیدا ہوتے ہی سمجھ گیا تھا کہ یہ جھگڑا محض مصر کو ہضم کرانے اور مسائل وادی نیل سے یورپ کی توجہ کو پھیر [illegible] اُٹھایا گیا ہے۔ چنانچہ موسیو ہانوٹو وزیر خارجہ فرانس نے فتنہ ارمنیہ کی ابتدا ہی سے حضرت سلطان کی طرف میلان کا اظہار شروع کردیا تھا، اور بعد میں جب وہ وزارت سے علیحدہ ہوا تو اُس نے مشہور فرانسیسی اخبار "فیگارو" پیرس میں مسئلہ ارمنیہ اور اس کے متعلق سلطان کی پالیسی پر ایک مضمون لکھا جس میں حضرت خلیفہ اعظم کی بیحد تعریف کی اور اُن کے اصلی خیالات اور سیاسی افکار سے خوب واقفیت رکھتا ہے۔ سلطان المعظم کے [illegible] موسیو ہانوٹو کے اس اظہار محبت اور ٹرکی کے ساتھ اس دوستانہ رویہ پر دشمنوں نے بہت [illegible] ہے اور اُسے ہانوٹو پاشا اور عبدالہانوٹو کے نام سے پکارتے ہیں، بالکل اسی طرح جس طرح قیصر ولیم کو عبدالولیم کہنے لگے ہیں۔ کاش اگر اس زمانہ میں اعدائے دولت علیہ اور اعدائے اسلام کی معاندانہ تبلیغ سے فرانسیسی رائے عامہ متاثر نہ ہوگئی ہوتی تو موسیو ہانوٹو اپنے عہد وزارت میں حضرت سلطان المعظم سے خاص روابط پیدا کرتا اور مسئلہ ارمنیہ کی حقیقت کھولدیتا پھر بھی اگرچہ اُسنے رائے عامہ سے مجبور ہوکر بعض معاملات میں دولت علیہ کے ساتھ مخالفانہ برتاؤ کیا، مگر بالعموم اس کی سیاست انگلستان کے تدخل کو روکنے، اور انگریزی مساعی کے خلاف دولت علیہ کی حفاظت کرنے پر مبنی تھی۔

انگلستان، فرانس اور روس نے حادثہ ساسون کے بعد مسئلہ ارمنیہ میں مداخلت کی، اور دولت علیہ سے مطالبہ کیا کہ اظہار حقیقت اور تحقیق حال کے لئے ایک غیر جانبدار تحقیقات کو قبول کرے دولت علیہ نے بلا تامل اس کو قبول کر لیا اور دول ثلاثہ کے نمائندے عثمانی نمائندوں کے ساتھ مواقع فساد کی طرف روانہ ہو گئے۔ ۲۱ جنوری ۱۸۹۵ء کو یہ کمیشن موش پہنچا، اور اگرچہ دوران تحقیقات میں انگریزی نمائندوں نے ارمنوں پر عثمانی فوج کی زیادتی کے واقعات ثابت کرنے کی انتہائی کوشش کی مگر بالاجماع یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ گئی کہ ارمنوں نے خلع طاعت اور مفسدانہ شرارتوں میں حد سے زیادہ تجاوز کیا تھا اور عثمانی فوج کی تمام کارروائیاں جائز و معتدل نہیں۔ ۱۱ مئی ۱۸۹۵ء کو فرانس انگلستان اور روس کے سفراء نے متفقہ طور پر ایک عرضداشت باب عالی کو بھیجی جس میں ارمینیہ کے لئے اصلاحات تجویز کی گئی تھیں منجملہ ان تجاویز کے جو اس میں پیش کی گئیں تھیں، چند یہ بھی تھیں کہ ارمن قوم کے سیاسی مجرموں کو معاف کر دیا جائے، جن لوگوں کو جلاوطن کیا گیا ہے انھیں واپسی کی اجازت دیجائے اور آستانہ میں ایک نگراں کار کمیٹی مقرر کیجائے جو ان اصلاحات کی تنفیذ پر اپنا کنٹرول رکھے فرانس اور روس نے سلطان المعظم کو مشورہ دیا کہ اس اصلاحی اسکیم کو قبول کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے قبول کر لیا اور ۱۷ اکتوبر ۱۸۹۵ء کو اس کی تصدیق فرمادی، مگر نگران کار کمیٹی کے تقرر کو نامنظور کر دیا۔

دول ثلاثہ کے مداخلت کے دوران میں ارمن باغی ایک لحہ کے لئے بھی اپنے کام سے غافل نہ تھے، وہ برابر اپنے ابنائے جنس کو بغاوت برپا کرنے کے لئے ابھار رہے تھے۔ اور اناطولیہ میں فتنہ و فساد کی آگ مشتعل کرنے کی ان تھک کوششوں میں مصروف تھے۔ انگلستان کے بعد اگر کوئی یورپین سلطنت ان کی مددگار تھی تو وہ حکومت اٹلی تھی۔ کرسپی (Crispi) نے افریقہ کی طرح مسئلہ ارمینیہ میں بھی انگلستان سے دھوکہ کھایا۔ مگر جرمنی ابتدا ہی سے انگلستان اور ارمنوں کا مخالف تھا۔ یہاں تک کہ جب فتنہ بہت بڑھ گیا اور سلطان المعظم پر انگلستان اور بعض دیگر یورپین ممالک کے اخبارات حد سے زیادہ لعن طعن کی بوچھاڑ کرنے لگے، تو اعلیٰ حضرت قیصر ولیم نے جرمن ریشتاغ میں کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ

"میں سلطان المعظم پر کامل اعتماد رکھتا ہوں اور میرے نزدیک فتنہ ارمینیہ کو فرو کرنے اور ایشیائے کوچک میں امن و امان قائم کرنے کے لئے سلطانی حکومت کے سوا کسی اور پر قطعاً اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔"

اس تقریر نے ارمنوں کو سخت غضبناک کر دیا اور لندن کی ارمنی جماعت نے تمام دول یورپ کو (جرمن کے سوا) ایک عرضداشت بھیجی جس میں قیصر ولیم کی شکایت کرتے ہوئے ان پر الزام عاید کیا تھا کہ وہ جرائم اور مجرمین کی ہمت افزائی کرتے ہیں اس طرح گویا لندن کی ارمنی سوسائٹی نے مفسدانہ ریشہ دوانیاں کرنے کے ساتھ ہی اپنے فرائض میں ایک اس فرض کا اور اضافہ کر لیا کہ بادشاہوں اور سلطنتوں کو سیاسی تعلیم دیں!!!

اوپر ہم کہہ چکے ہیں کہ انگلستان تنہا مداخلت کرنا چاہتا تھا، مگر جب اس کو موقع نہ ملسکا تو اس نے دولت علیہ کو ڈرانے دھمکانے کے لئے ۱۸ جنگی جہازوں کا ایک بیڑہ سالونیکا بھیجا۔ ۹ نومبر ۱۸۹۵ء کو لارڈ سالسبری نے گلڈ ہال (Guild Hall) میں ایک نہایت زہریلی تقریر کی اور اس میں سلطان المعظم پر بدترین سب و شتم کی بوچھاڑ کرتے ہوئے مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ ان کا خلیفہ عنقریب تخت سے اتارا جانیوالا ہے، اور تمام دول یورپ اسکے خلاف انگلستان کا ساتھ دینے

کے لئے تیار ہیں..... مگر جب جرمنی نے دیکھا کہ انگلستان بہرصورت ٹرکی میں فوجی مداخلت کرنے پر تلا ہوا ہے تو اس نے فرانس اور روس سے درخواست کی کہ مسئلہ ارمینیہ میں اپنے اور انگلستان کے ساتھ بقیہ دول یورپ کو بھی شرکت کی دعوت دیں چنانچہ ان دونوں نے قبول کر لیا اور دول ستہ کے نمائندوں نے مسئلہ مذکورہ میں اشتراک عمل شروع کر دیا۔ اس موقع پر تمام دول یورپ نے محسوس کر لیا کہ ٹرکی میں فوجی مداخلت قطعاً محال ہے، اور اگر غلطی سے ایسی مداخلت کیگئی تو اسکی بدولت یورپ میں ایک جنگ عظیم اور مشرق میں عیسائیت اور اسلام کی ایک مستقل خونریز جنگ برپا ہو جائیگی۔ خود لارڈ سالسبری نے اس حقیقت کا احساس کیا اور یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ جب تک عثمانی اقتدار قائم ہے اسوقت تک ٹرکی پر فوجی دباؤ ڈالنا محال ہے اور یورپ کے لئے تنہا کار یہ ہے کہ سلطان کی رائے پر اثر ڈالنے کی کوشش کرے"..... اس بیان کو انھیں لارڈ صاحب کی ۹ر نومبر ۱۸۹۵ء والی تقریر سے مقابلہ کرو جس میں انہوں نے انگلستان کے ساتھ تمام دول یورپ کا مژدہ سنایا تھا اور عالم اسلامی کو دھمکی دی تھی کہ سلطان المعظم کو خلافت عظمیٰ کے تخت سے معزول کر دیئے جانے کا وقت قریب آ گیا ہے۔

ایشیائے کوچک میں ہیجان و اضطراب بدستور قائم رہا اور اہالی زیتون نے اسوقت تک اطاعت نہ کی جبتک دول یورپ نے مداخلت کر کے انھیں مجبور نہ کیا۔ اسی طرح اگست ۱۸۹۶ء میں ارمن انارکسٹوں کی ایک جماعت نے آٹومن بینک پر حملہ کیا اور صرف اسی وقت ہتھیار رکھنے پر آمادہ ہوئے جب سفرائے دول نے مداخلت کر کے انھیں حکومت عثمانیہ کے حوالہ نکرنے اور آستانہ سے باہر نکالدینے کا عہد کر لیا۔ ان حوادث نے آستانہ میں ایک عام ہیجان برپا کر دیا اور ارمنوں میں کہرام مچگیا۔ ٹرکی اور اسلام کے دشمنوں نے پھر ایک نئے جوش کے ساتھ دولت علیہ اور سلطان المعظم پر ملامتوں اور طعن و تشنیع کا سلسلہ جاری کر دیا اور اعدائے دولت ہر طرف واویلا اور واہ تباہ کا شور برپا کرنے لگے۔ مگر ان متعصبوں کو نہیں معلوم کہ تمام یورپین ممالک میں جب آئینی حکومت کے خلاف کوئی جماعت جب علم بغاوت بلند کرتی ہے تو اس کے ساتھ کیسا سلوک ہوتا ہے اور ہوتا رہا ہے۔ انگلستان نے آئرلینڈ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا اور ہندوستانیوں کے ساتھ آجکل کیسا سلوک کر رہا ہے؟ فرانس نے الجزائر کے خلاف کیا کارروائیاں کیں اور اگر اس کی کوئی اور نوآبادی اس کے خلاف کھڑی ہو جائے تو کیا طرز عمل اختیار کریگا؟ بلکہ اگر خود مملکت فرانس میں کوئی جماعت یا مثلاً یہودی قوم کھڑی ہو جائے اور حکومت جمہوریہ کو اکھاڑنے کی کوشش کرے تو اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائیگا؟ پس کوئی شک نہیں ہے کہ ٹرکی کے مسلمان ارمنوں کے خلاف کارروائی کرنے پر قطعاً مجبور نہیں۔ وہ جب دیکھتے ہیں کہ ارمنی جماعتیں غیر ملکی دشمنوں کے اشارے پر کھڑی ہوئی ہیں اور فساد و بغاوت پھیلا کر اعدائے مملکت کو مداخلت کا موقع دینا چاہتی ہیں تو ان کی وطنیت صادقہ کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ ان ناپاک باغیوں کی ہر ممکن طریقہ سے سرکوبی کریں۔

دول یورپ نے اصطلاحات آرمینیہ کے لئے ایک نئی اسکیم تیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور ۲۶ر دسمبر ۱۸۹۶ء سے ۱ر فروری ۱۸۹۷ء تک آستانہ میں ان کے سفرا بحث و مباحثہ کرتے رہے ہیں مگر انگلستان کی ریشہ دوانیوں نے مسئلہ کریٹ کا ایک نیا فتنہ کھڑا کر دیا ہے جس سے یورپ کو مجبوراً مسئلہ آرمینیا سے اپنی توجہ ہٹا لینی پڑی ہے۔

مسئلہ ارمنیہ میں مداخلت دول کا یہ ایک مجمل بیان تھا جسے ہمنے قصداً ایجاز و اختصار کے ساتھ پیش کیا حوادث ارمنیہ نے بہت سے عظیم الشان نتائج پیدا کئے ہیں۔ اُنہوں نے ثابت کر دیا کہ تمام دول یورپ میں دولت علیہ کا سب سے بڑا دشمن انگلستان ہے اور وہی ہے جو سلطنت عثمانیہ کی بنیادیں ڈھانے اور خلافت اسلامیہ کے ارکان ساقط کرنے کے لئے سب سے زیادہ کوشش کر رہا ہے۔ جو لوگ پہلے انگلستان کو ٹرکی کا اصلی اور حقیقی دوست سمجھتے تھے، آج ان حوادث نے اُنھیں اچھی طرح بتلا دیا کہ وہ ترکوں کا اصلی و حقیقی دشمن ہے۔ پہلے دوستی کا لباس پہنکر آیا تھا اور جڑ کاٹ رہا تھا مگر اب حقیقت کھلی نظر آئی تو دہو کے لباس کو بے نقاب عداوت کے ساتھ دولت علیہ اور اسلام کی بیخ کنی کر رہا ہے۔ حوادث ارمنیہ کی انگریزی ریشہ دوانیوں کو دیکھ کر اب دنیا کو اس بات میں ذرہ برابر بھی شک نہیں رہا کہ انگلستان مسئلہ شرقیہ کو حل کرنے کے لئے دولت علیہ کے حصے بخرے کرنا چاہتا ہے، اور اس غرض کے لئے اس نے دول یورپ کو دعوت دی ہے کہ اس کے ساتھ ملکر آبنائے باسفورس میں جبراً داخل ہوں اور سلطان المعظم کو زبردستی تخت سے اُتار دیں۔ انگلستان کی اس خطرناک سازش کو موسیو ہانوٹو وزیر خارجہ فرانس نے فرانسیسی دارالعوام میں اپنے مخالفوں کو جواب دیتے ہوئے صراحتاً ظاہر کر دیا تھا اس نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ :-

"آپ اسوقت کیا کہتے ہیں جب ہم اس سلطنت کی دعوت کو قبول کر لیتے جسنے باسفورس میں جبراً داخل ہو کر سلطان کو اُن کے بلند منصب سے زبردستی معزول کرنے کے لئے یورپ سے اتحاد عمل کا مطالبہ کیا تھا؟"

یہ تقریر یورپ میں شائع ہوتے تمام اخبارات اور عام یوربین پبلک نے یقین کر لیا کہ "اس سلطنت" سے موسیو ہانوٹو نے انگلستان کی طرف اشارہ کیا ہے۔ انگلستان کے وزیر خارجہ کے انکار نے عام اعتقاد کو مزید استحکام بخشنے کے سوا اور کچھ نہیں کیا۔ حوادث ارمنیہ نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ انگلستان مشرقی عیسائیوں کا دشمن ہے، کیونکہ صرف اسی پر ان ارمنوں کے خون کی ذمہ واری عاید ہوتی ہے جو اسکی سیاست کے بھینٹ چڑھے اور اغراض کے شکار ہوئے۔ پس مسئلہ ارمنیہ مشرق کے تمام عیسائیوں کے لئے ایک مفید سبق ہے جو اس حقیقت کی طرف اُن کی رہنمائی کرتا ہے کہ اجنبی تحریکات اُن کے لئے سخت مہلک ہیں، اور ان کی اور اُن کے آئندہ نسلوں کی سلامتی اسی میں ہے کہ دولت علیہ کے ساتھ اپنے گہرے وفادارانہ تعلقات قائم رکھیں۔ مشرقی عیسائیوں کے لئے یہ ایک ایسا درس ہے جس کی بدولت ہمیں توقع ہے کہ آگے چلکر مملکت عثمانیہ کے مسلمانوں اور عیسائیوں میں بہترین دوستی و ہمسائگی کے تعلقات قائم ہو جائینگے۔ اب دولت عثمانیہ کے تمام فرزندوں پر خواہ وہ مسیحی ہوں یا مسلمان یکساں فرض ہو گیا ہے کہ عثمانی وطن کی خدمت کریں اور اغیار کے مقابلہ میں سب متحد ہو جائیں۔ دین اسلام اور دین مسیح، دونوں وطن کی محبت اور خدمت کے بارے میں متفق ہیں اور دونوں کا فیصلہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے وطن کے خلاف دشمنوں سے سازباز کرے وہ خائن ہے جسے سوسائٹی میں کوئی عزت اور کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

حوادث ارمنیہ کے اہم نتائج میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انگلستان پر سے یورپ کا اعتماد اُٹھ گیا۔ اور اب اُسکے لئے مکائد وحیل کے جال پھیلانے کا کوئی موقع نہیں رہا۔ دول یورپ کو اب اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے کہ انگلستان یورپ میں ایک عام جنگ برپا کرنا چاہتا ہے تاکہ خود غیر جانبدار رہے اور حسب دلخواہ

فائدے حاصل کرے۔ اگر دول یورپ انگلستان کے دہوکہ میں آجاتے تو اب تک یورپ کا برِ اعظم جنگ کے خطرات میں مبتلا ہو چکا ہوتا اور یونان سے بلقان تک آتش جنگ برپا ہوجاتی۔ مگر شکر ہے کہ وہ ہوشیار ہوگئے اور کوئی شک نہیں کہ ان کا اس مکر سے آگاہ ہوجانا بین الاقوامی امن و سلامتی کے لئے رحمت ثابت ہوا یورپ جنگ اور اس کے ہولناک نتائج سے بچگیا، اقوام متمدنہ انگریزی دسائس میں پھنس جانے سے محفوظ رہیں اور تمام عالم ایک زبردست خطرے سے نکلگیا۔ پس یہ نتیجہ بھی بین الاقوامی سیاست میں ایک اہم درجہ رکھتا ہے۔

مسئلہ ارمینیہ کی حقیقت اور انگریزی دسائس کا حال مسلمانوں پر ظاہر ہوتے ہی تمام عالم اسلامی نے نہایت زور کے ساتھ اعلیحضرت خلیفۃ المسلمین کے ساتھ اپنے تعلق کا اعلان کردیا اور دُنیائے اسلام متفقہ طور پر عرش خلافت کی حفاظت کے لئے مستعد ہوگئی۔ انگریزوں نے اس مظاہرہ کا سدباب کرنے کے لئے اعدائے دولت میں سے بعض لوگوں کی خدمات حاصل کیں اور خلیفۃ المسلمین کے خلاف تبلیغ واشاعت کے لئے اُنھیں استعمال کرنا چاہا، مگر مسلمان اتنے سادہ لوح نہ تھے کہ ایسے کھلے فریب میں آجاتے اور ان بیدینوں کے اقوال پر عمل کرنے لگتے، وہ برابر اپنے خلیفہ معظم کی وفاداری پر قائم رہے بلکہ کچھ زیادہ سرگرمی کے ساتھ اظہارِ عقیدت کرنے لگے، اور اس طرح اُنہوں نے ثابت کردیا کہ خلیفۂ اسلام پر دست درازی تمام عالم اسلامی پر زیادتی کے ہم معنی ہے اور جو لوگ خلیفۃ المسلمین پر طعن و تشنیع کرتے ہیں وہ گویا عین اسلام پر حملہ کرتے ہیں۔

لارڈ سالسبری نے ۹ نومبر ۱۸۹۵ء کو اپنی گلڈ ہال کی تقریر میں بڑی خوشی کے ساتھ بیان کیا تھا کہ مسلمانان ہند ملکہ معظمہ کے نہایت وفادار رعایا ہیں، مگر آج وہ مجبوراً اعتراف کررہے ہیں کہ ہندوستان کا موجودہ ہیجان واضطراب سلطان المعظم کی مساعی اور مسلمانوں میں ان کے زبردست نفوذ کا نتیجہ ہے۔ پھر کیا وہ اس زمانہ میں اس زبردست نفوذ سے واقف نہ تھے جبکہ اعلیحضرت پر بدترین ملامتوں کی بوچھاڑ کررہے تھے اور ان کی حکومت کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مشغول تھے اور نوبت یہاں تک پہنچگئی تھی کہ اُنھیں تخت خلافت پر سے اتار دینے کے لئے دول یورپ سے سازباز کرنا چاہتے تھے؟

حوادث ارمینیہ کے عظیم الشان نتائج میں سے ایک اہم نتیجہ یہ بھی ہے کہ تمام دنیا پر سلطان المعظم کی عدیم المثال سیاسی مہارت ظاہر ہوگئی ہے اور ایک عالم نے دیکھ لیا ہے کہ وہ اپنے مصالح ملکی کے بہترین محافظ ہیں۔ حوادث ارمنی کے سلسلہ میں بیسیوں مواقع پر خطرات دہما لک نے ہجوم کیا مگر سلطان المعظم نے نہایت ثابت قدمی کے ساتھ سب کا مقابلہ کیا اور کسی بڑے سے بڑے حادثہ اور خطرناک سے خطرناک تہدید سے بھی ذرہ برابر خوفزدہ نہوئے۔ جو لوگ اعلیحضرت سلطان المعظم کی قوت و سطوت سے ناواقف تھے وہ ان حوادث کے زمانہ میں انگریزی اخبارات کے مضامین پڑھ کر یہ سمجھتے تھے کہ اعلیحضرت کی حکومت بلکہ خود حکومت عثمانیہ کے موت کا وقت قریب آگیا ہے مگر سیاست حمیدیہ کو پوری پوری کامیابی ہوئی اور اس کی بدولت عثمانی سلطنت اور اسلام کی عزت بڑے بڑے خطرات سے اس طرح محفوظ و مامون رہی کہ خود مسٹر گلیڈ اسٹن اکبر اعدائے اسلام کو کھلے الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا کہ "سیاست حمیدیہ کو سیاست برطانیہ پر نمایاں فتح حاصل ہوئی ہے، اور انگریزی تدبر نے مسئلہ ارمینیہ میں اس سے زبردست شکست کھائی ہے"۔

جلالت سلطان المعظم نے اپنے عالیقدر اور اسلام کی خدمت میں جسقدر عرق ریزی کی ہے اس کا تقاضہ ہے کہ تمام عثمانی اور عامۂ مسلمین ان کے تحت شاہانہ سے کامل و صادق وفاداری اپنے دلوں میں رقم کرلیں اور اصلاح احوال اور مصائب و نوائب کی مدافعت میں اُن کی پوری پوری اعانت کریں تاکہ دولت عثمانیہ کی پچھلی عظمت و شان عود کر آئے اور اسلام کو ابدی عزت و سربلندی نصیب ہو۔

آخر میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اعلیحضرت سلطان اعظم و خلیفۂ اکبر غازی عبد الحمید خاں ثانی کو تمام بلاؤں سے محفوظ رکھے، ان کے ہاتھ سے عثمانیوں اور مسلمانوں کی تمنائیں برلائے، ہمارے وطن عزیز (مصر) کو انگریزوں کے چنگل سے رہائی دے اور جلالت مآب مولانا سلطان المعظم کے زیر سایہ ہمارے محبوب خدیو عباس حلمی پاشا ثانی کو خدیویت مصر پر قرار رکھے۔ آمین۔

ختم شد

صحابیات

یہ کتاب عہد حاضرہ کے ندرت طراز اور جذبات نگار انشاپرداز مولنا نیاز محمد خان صاحب نیاز فتحپوری کی لاجواب تصنیف ہے مسلمانوں کے ادبار و تنزل کی افسوسناک داستان کا راز یہ ہے کہ ہماری مستورات ناتعلیمیافتہ اور غیر تربیت یافتہ ہیں۔ جو بچے انکی آغوش محبت میں تربیت پاتے ہیں ان میں وہ اسلامی روح پیدا نہیں کیجاتی جس نے قرن اول کے مسلمانوں کے قصر عروج و اقبال کی تعمیر کی تھی۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری آیندہ نسلیں اسلام کے حقیقی جذبہ و جوش اور ولولۂ عمل سے بہرہ مند ہوں تو ہمیں لازم ہے کہ ہم اپنی مستورات کو ان مقدس خاتونوں کے اسوۂ حسنہ اور حالات و سوانح سے واقف کریں جنہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ اُن سے تعلیم حاصل کی۔ اپنے اخلاق کی تعمیر کی۔ نور نبوت کی تجلیوں سے فیض یاب ہوئیں۔ جنگ کے معرکوں میں بھاگتے ہوئے غازیوں کو روک کر میدان میں بھیجا اور اسلام کی فتح کا باعث ہوئیں۔

انگلستان کی مادر پدر آزاد خاتونیں۔ فرانس کی عیش پرست لیڈیاں۔ امریکہ کی حسابی کتابی بیویاں آج ہماری مستورات کو کامیاب نہیں بنا سکتیں۔ حضرت خدیجہ کی پاکبازی۔ حضرت عائشہ کا تفقہ فی الدین۔ حضرت زینب کی کریم النفسی۔ ہندہ کی جوانمردی اور حضرت اسماء کی مستقل مزاجی اور بلند حوصلگی کی داستانیں ہماری بگڑی قسمت کو بنا سکتی ہیں اور ہمارے بخت خفتہ کو جگا سکتی ہیں۔ مسلمانوں کی اہلی اور منزلی زندگی حرام ہو رہی ہے۔ ہمارے گھر نہیں دوزخ کے نمونے ہیں کہیں پھوہڑپن سے طوفان برپا ہے۔ کہیں جہالت سے ہلاکت۔ کہیں بدمزاجی کا تسلط ہے تو کہیں لامذہبی کی حکومت۔ کہیں بخل نے نحوست پھیلا رکھی ہے تو کہیں فضول خرچی نے تباہی۔ غرض بہت کم ایسے گھرانے ہیں جو حقیقی طور پر اسلامی کہلانیکے مستحق ہوں۔ ان تمام خرابیوں اور بربادیوں کا واحد علاج صحابیات کا مطالعہ ہے۔ مسلمان مستورات ان پاکباز اور قابل تقلید خاتونوں کے حالات سے عبرت و موعظت حاصل کرینگی۔ انکی زندگیاں پاکیزہ اور اخلاق بلند ہونگے اور ان کے بچے سچے مسلمان بنیں گے۔ اگر ہر ایک مسلمان ہاں صحابیات کے اوصاف سے متصف ہوکر اپنے بچوں کی تربیت کرے تو ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا موجودہ ادبار و تنزل بیس سال سے زیادہ اپنی نحوست سے ہمیں تباہ و برباد نہ کر سکے گا۔

اس کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ صحابیات منگواؤ اور مسلمان بچیوں اور خاتونوں کو پڑھاؤ۔ ۵۸ صحابی خاتونوں کے سوانح حیات اس دلفریب روح پرور کتاب میں درج ہیں۔ اس کا مصنف ہندوستان کا بہترین انشاء پرداز۔ واقعہ نگار مولانا نیاز فتحپوری ہے۔ مولانا موصوف کے قلم کی سحرکاریوں سے ادبی دنیا اس وقت سے آشنا ہے جب سے شاہ دلگیر کا دلفریب پرچہ نقاد آگرہ سے نکلنا شروع ہوا اس کے بعد سے جناب نیاز نے اپنی انشاء پردازی کی دھاک بٹھا دی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ صحابیات کے سوانح قلمبند کرنے کیلئے مولانا نیاز کا قلم ہی موزوں تھا۔ اس تصنیف کے مقدمہ میں حبس لطیف اور اس کے حقوق و حالات کے متعلق عمیق اور مسکت فلسفہ درج ہے جو بذات خود اپنی نوع کے اعتبار سے قابل مطالعہ ہے۔ زبان کے متعلق صرف جناب نیاز کا اسم گرامی کافی سند ہے۔ طباعت اور کتابت نہایت دلفریب اور پاکیزہ۔ کاغذ نہایت نفیس اور سفید سرورق اس قدر دلفریب کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے الغرض ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے منگوانے اور مطالعہ کرنیکے قابل ہے۔ قیمت صرف بلا جلد عہ مجلد ۲ روپے

ملنے کا پتہ۔ مینیجر صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤالدین۔ پنجاب

(اسلامیہ سٹیم پریس بیرون بکیدروازہ لاہور میں باہتمام منشی محمد لطیف خان پرنٹر کے چھپا)

(۲۵) ڈاکٹر عبدالرشید صاحب خلف الرشید جنگو میاں صاحب ایچ-ایم-بی-بلگام وایہ ہوبلی ڈہارواڑ (۲۶) نور محمد
عبداللہ صاحب لکھنا سوئی ہوس میمن واڑہ روڈ بمبئی ۳ (۲۷) اہلیہ خانصاحب نصیر احمد خانصاحب معرفت
تحصیلدار صاحب موگہ (۲۸) صدیق احمد خانصاحب ایچ-پی-یو معرفت تحصیلدار صاحب موگہ (۲۹)
مولوی محمد حسین صاحب خوشنویس عادلگڈھ ضلع گوجرانوالہ (۳۰) منشی وہاب بیگ صاحب سپروائزر جی-آئی
پی-ریلوے ساہیوال (۳۱) بیگم صاحبہ صاحبزادہ آباد احمد خانصاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس آفتاب منزل
علیگڈھ (۳۲) منشی نواب علی خانصاحب ٹھیکیدار نامپلی ریلوے باغ حیدرآباد دکن (۳۳) محمد علی خان شوانی صاحب
براڈرک امریکہ (۳۴) جناب محمد ابراہیم صاحب کاکازئی آنریری مجسٹریٹ میرپور خاص سندھ (۳۵)
مہرالدین صاحب ولد بدربخش صاحب براڈرک امریکہ (۳۶) جلال الدین صاحب میریاسولا کیلی فورنیا امریکہ
(۳۷) چراغ دین خان صاحب میریاسولا کیلی فورنیا امریکہ (۳۸) محمد عظیم منشی صاحب منگلباری اسٹیٹ دارجیلنگ
(۳۹) حاجی محی الدین صاحب کمہار پورہ کامپٹی (۴۰) مولوی محمد حسین صاحب کیلی فورنیا امریکہ (۴۱) احمد
محی الدین صاحب ولد محمد عثمان صاحب محرر رجسٹری کنڑ ضلع اورنگ آباد دکن (۴۲) علی محمد صاحب ولد
یعقوب علی صاحب موضع آموال ضلع جالندھر (۴۳) فتح دین صاحب براڈرک امریکہ (۴۴) خان غلام مرزا خان
صاحب ہیڈ کنسٹبل تھانہ کھالڑہ ضلع لاہور (۴۵) چوہدری محمد عبداللہ خان صاحب گڈس سپروائزر بغداد
غربی (۴۶) منشی بوٹے خان صاحب ہیڈ کنسٹبل تھانہ کھالڑہ ضلع لاہور (۴۷) شیخ فضل الٰہی صاحب پوسٹ
بکس ۲۲۱۶ کلکتہ (۴۸) پیر بخش صاحب پنجابی براڈرک امریکہ (۴۹) عبداللہ خانصاحب براڈرک امریکہ
(۵۰) بابو ولی محمد خانصاحب آئیل ڈلیوری کلرک جنرل سٹورز مغلپورہ لاہور (۵۱) مرزا شاہ محمد صاحب مغل
کیانی چک ۶۸ جنوبی ڈاکخانہ کوٹ مومن ضلع شاہ پور (۵۲) مرزا مظفر حسین بیگ صاحب چک نمبر کو ضلع شاہپور
(۵۳) ڈاکٹر شیخ محمد اسحٰق صاحب سنیئر سب اسسٹنٹ سرجن سانگلہ (۵۴) ولی محمد صاحب بی ٹی لوپر ضلع جالندھر
(۵۵) خانصاحب صوبیدار ڈاکٹر امام علی خان صاحب محمد پور ضلع اعظم گڈھ (۵۶) عنایت خانصاحب
سکریمنٹو کیلی فورنیا امریکہ (۵۷) چوہدری ولایت حسین صاحب ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ (۵۸) ڈاکٹر
غلام نبی خان صاحب پوسٹ بکس ۲۷۳ براڈرک امریکہ (۵۹) بابو عبدالحکیم صاحب گارڈ
بہارنیگر کیمپ مارگل بصرہ عراق (۶۰) خانصاحب ڈاکٹر جبار خانصاحب سب اسسٹنٹ
سرجن انچارج پورٹ کیمپ ڈسپنسری بصرہ۔

سلطان علی منیجر

دربارِ علم

(مؤلفہ حضرت مولینا عبدالماجد صاحب صدر جمعیت نعمانیہ)

اس کتاب میں تحقیقات انکشافات کو طرز جدید میں ظاہر کیا گیا ہے۔ عالم خیال میں دربار علم کا انعقاد اور افتتاحی تقریر۔ پھر تاریخی طور پر حضرت علم کا تعارف مقامات واوصاف۔ ان کا عروج بغداد و قرطبہ حضرت امام اعظم کی تقریر۔ تدوین و ترتیب واسرار حقہ کا بیان۔ تقلید کی ضرورت اور اہمیت بیان کی گئی ہے۔ دوسرے دربار میں حضرت غوث الاعظم کی تقریر۔ اسرار و مقامات تصوف کا بیان۔ شریعت و طریقت کی تعریف۔ عبادت و ریاضت و مجاہدات فقر و فنا و تجرد و وصول الی اللہ کے اسرار اور تعلیم باطن کی ضرورت کا ذکر ہے۔ تیسرے دربار میں فخرالائمہ امام رازی کی تقریر درج ہے جس میں اختلافات اُمت اشاعرہ معتزلہ وغیرہ کا اختلاف درج ہے چوتھے دربار میں علامہ امام غزالیؒ کی تقریر بعثت سرکار عالم کی ضروری ابحاث اور ضرورت کا بیان ہے۔ پانچویں دربار میں علامہ محدث دہلوی کی تقریر ہے جس میں کتاب اللہ اور کتاب الرسول کی تعلیم کا ذکر خیر بیان ہوا ہے۔ حدیث کی ضرورت اور اقسام پر مفصل بحث ہے۔ چھٹے دربار میں علامہ حضرت بحرالعلوم کی تقریر ارکان اسلام۔ اسرار و فلسفہ عبادات نہایت تفصیل و شرح سے مندرج ہے۔ ساتویں دربار میں حضرت علامہ بدایونی کی تقریر سرکار عالم اثبات رسالت و ضرورت نبوت کی مفصل بحث ہے۔ آخیر پر حضرت علم کی اپنی تقریر ہے جس میں موجودہ تعلیم و تدریس کی بدعنوانیاں۔ علما و طلبا شان تعلیم و تعلم کا نہ رہنا۔ آزادی کا بڑھنا وغیرہ۔ موجودہ خرابیوں کا ذکر کے اس کا علاج تجویز کیا گیا ہے۔ غرض کتاب قابل دید ہے قیمت صرف ۸ عہ

ملنے کا پتہ

منیجر صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤالدین پنجاب